ردا ڈائجسٹ

OCTOBER
2015

ماڈل: جیا بخاری

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

رِدا ڈائجسٹ

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

سعدی محمود جعفری

نمائندہ امریکہ، فراز جعفری

E-Mail frazjafri@aol com

نمائندہ UAE، عمیر علی جعفری

Mail [illegible]@emirates net ae

نمائندہ ملتان، شبانہ آصف خان



سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

اکتوبر 2015ء
جلد نمبر 21 شمارہ نمبر 10
قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے



34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے





کل کی بات آج ختم ہوگئی۔ دبے پاؤں پھر ایک سہانی رُت آنے کو بے قرار، زندگی کے اسرار و رموز جس کے ہر سرے میں ایک راز عقل سے بالاتر زندگی یونہی رواں دواں ہوگئی۔ کل کی بات پھر آج دبے قدموں چلی آئی۔ وقت اور موسم دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دھوپ اور چھاؤں کی طرح اس بھری کائنات میں ہر سو، ہر جا بکھرے ہوئے حسین نظارے جنہیں دیکھ کر زندگی تھم سی جاتی ہے۔ ہوائیں سرگوشیاں کرتی ہیں، سمندر کی لہروں میں مدوجزر آتا ہے تو اس کائنات پر بکھرا ہوا چاند اور زیادہ حسین ہو جاتا ہے۔ بات حسن کی نہیں کیچڑ میں بھی کنول کھلتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہر سو اللہ کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ اس کے بغیر ہم ادھورے ہیں۔ مکمل ذات تو صرف اللہ کی ہے جو پاک صفات والا ہے۔ اس کے اتنے احسانات ہیں سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان احسانات اور اپنی ان نعمتوں کا تفصیل سے ذکر بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز عطا کی ہے جو انسان کی خواہش اور ضرورت کے مطابق ہے۔ سمندر کی اتاہ گہرائیوں میں چھپے ہوئے خزانے، آمدورفت کے ذرائع سب کچھ اس خواب سے جزیرے میں اس نے سمو دیا ہے۔ انسان کی مادی معنوی ضروریات خواہشات شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ احسانات اور اس کا یہ کرم انسان کے حق میں اس کی جانب سے یہ اعزاز ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ زندگی بھر ہمارا کوئی لمحہ ہمارے اوقات کار کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ایسا نہ گزرے کہ ہم باری تعالیٰ کا شکر ادا نہ کر رہے ہوں۔

بات صرف چھوٹی سی ہے کہ اپنے اوقات کار میں بھی دیانت داری کو شامل کیجیے۔ زندگی ایک لمحہ ہے اور بعد کی کہانی بڑی طویل ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر اللہ کے رسولؐ کے بتائے ہوئے اصولوں پر زندگی گزارنے والے محبوب بندے قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے روبرو ہوں گے۔

اکتوبر کا شمارہ بہت خاص ہے جس میں ناول، ناولٹ، افسانے سبھی ترتیب دیے گئے ہیں۔ نئے لکھنے والے ردا کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں۔ ایک دن وہ بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ اپنا خیال رکھیے۔

آپی

رداے بندگی

صالحہ محمود

دائمی نیکیوں کا بیان:

حضرت ابو صالح رضی اللہ علیہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہاجرین فقراء خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ متمول حضرات تو اعلیٰ مراتب پر فائز اور دائمی آسودگی سے بہرہ اندوز ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کیا مطلب؟ عرض کیا کہ وہ حضرات ہماری ہی طرح نماز روزہ ادا کرتے ہیں لیکن وہ مزید برآں اپنے مال سے صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ غلاموں کو خرید کر آزاد کر سکتے ہیں ہم نہیں کر سکتے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں تم کو ایسا وظیفہ نہ بتادوں جس کے ورد سے تم اپنے اوپر سبقت لے جانے والوں کی برابری کر سکو بلکہ اپنے بعد میں آنے والوں پر سبقت بھی لے جا سکو اور کوئی بھی تم سے برتر نہ ہو سکے بجز اس کے جو تمہاری ہی طرح اس وظیفہ کا ورد کرنے لگے؟ سب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمایئے۔ فرمایا ہر نماز کے بعد 33، 33 مرتبہ'' سبحان اللہ اور الحمد اللہ اور اللہ اکبر'' پڑھ لیا کرو۔''

ابو صالح کا بیان ہے کہ مہاجرین فقراء کچھ عرصہ بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی ہماری یہ تسبیح سن لی اور وہ بھی ہماری طرح یہ تسبیح پڑھنے لگے۔ فرمایا۔'' یہ اللہ کا فضل وکرم ہے۔ وہ جس پر چاہے اپنا مزید فضل فرمادے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ہر نماز کے بعد 33، 33 مرتبہ سبحان اللہ، الحمد اللہ، اللہ اکبر ننانوے مرتبہ پڑھے اور 100 مرتبہ کلمات پڑھے۔

'' لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ۔ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیرٗ۔

تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگوں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

سکون اور وقار سے نماز ادا کرنے کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو اس کی طرف دوڑ کر مت آؤ بلکہ سکون واطمینان سے چل کر آؤ پھر جو رکعت تمہیں ملے اسے امام کے ساتھ ادا کر لو باقی نماز بعد میں پوری کر لو۔

انہی راوی سے ایک دوسری روایت میں درج ذیل کلمات زیادہ بیان ہوئے ہیں کہ'' جب تم میں

سے کوئی نماز کا قصد کر لیتا ہے تو وہ اسی وقت سے نماز میں داخل سمجھا جاتا ہے''۔

انہی راوی سے ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''جسے امام کے ساتھ ایک رکعت بھی مل گئی تو وہ پوری نماز میں شامل سمجھا جائے گا'۔

انہی راوی سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جسے طلوع آفتاب سے قبل ایک رکعت مل گئی اسے پوری نماز فجر مل گئی اور جسے غروب سے قبل عصر کی ایک رکعت مل گئی اسے پوری نماز عصر مل گئی''۔

نماز پنجگانہ کے اوقات:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سہ پہر کو جب آفتاب ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر لمبا ہو جائے تو اس وقت ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو عصر کا وقت شروع ہونے تک رہتا ہے۔ پھر عصر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج زرد نہ پڑ جائے۔ پھر مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شفق غائب ہونے تک رہتا ہے۔ پھر عشاء کا وقت (شفق غائب ہونے کے بعد سے شروع ہو کر) شب کے پہلے نصف حصہ تک رہتا ہے۔ صبح کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو کر طلوع آفتاب سے پہلے تک رہتا ہے۔ جس وقت آفتاب طلوع ہو رہا ہو اس وقت کوئی بھی نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔

انہی صحابی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کے اوقات کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا فجر کا وقت سورج کی پہلی کرن نمودار ہونے سے پہلے تک رہتا ہے۔ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے عصر کا وقت داخل ہونے تک رہتا ہے۔ عصر کا وقت آفتاب کے زرد پڑ جانے اور اس کی کرنیں ختم ہو جانے تک رہتا ہے۔ مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شفق غائب ہونے تک رہتا ہے۔ عشاء کا وقت نصف شب تک رہتا ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات دریافت کیے فرمایا ہمارے ساتھ دو دن تک نماز پڑھو۔ پس جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا پھر کچھ دیر بعد ظہر کی تکبیر کہنے کا حکم فرمایا اس کے کچھ دیر بعد عصر کی تکبیر کا حکم فرمایا، اس وقت سورج بلند اور نکھرا ہوا سفید نظر آرہا تھا پھر غروب آفتاب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی تکبیر کو فرمایا، پھر شفق کی سرخی مٹ جانے پر عشاء کی تکبیر کا حکم فرمایا۔ پھر صبح صادق کے طلوع ہونے پر فجر کی تکبیر کا حکم فرمایا دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آج ٹھنڈا وقت ہونے پر ظہر کی نماز شروع کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اسے آپ نے مستحسن فعل قرار دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز تاخیر سے ادا فرمائی جبکہ کل کے مقابلہ میں آج سورج کا صرف آخری کنارہ بلند رہ گیا تھا پھر اسی طرح مغرب شفق کے غائب ہونے سے کچھ پہلے ادا فرمائی، علی ہذا نماز عشاء تہائی رات گزرنے پر ادا فرمائی اور صبح کی نماز کافی روشنی پھیلنے پر ادا فرمائی۔ پھر فرمایا وہ سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں حاضر ہوں، فرمایا نمازوں کے اوقات یہی ہیں جو تم نے دیکھے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کے اوقات سے متعلق دریافت کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح صادق کے نمودار ہوتے ہی صبح کی جماعت شروع کرادی جبکہ اندھیرے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو پہچان نہ سکتے تھے۔ پھر آپ نے زوال آفتاب کے ساتھ ہی ظہر کی امامت فرمائی ایک واقف اوقات شخص نے اس پر کہا کہ اب آدھا دن ہو چکا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کا حکم فرمایا جبکہ سورج ابھی بلندی پر تھا، پھر سورج غروب ہوتے ہی مغرب کی جماعت کا حکم فرمایا۔ پھر شفق کی سرخی غائب ہوتے ہی نماز عشاء کا حکم فرمایا۔ پھر دوسرے دن گزشتہ کل کے مقابلہ میں دیر سے نماز فجر ادا فرمائی جبکہ کسی شخص نے کہا کہ سورج نکل آیا یا نکلنے والا ہے پھر ظہر اتنی دیر سے ادا فرمائی کہ عصر کا وقت قریب آ گیا پھر عصر بھی دیر سے ادا فرمائی حتیٰ کہ ایک شخص کہنے لگا کہ سورج میں سرخی آ گئی پھر مغرب بھی دیر سے ادا فرمائی جبکہ شفق کی سرخی غائب ہونے والی تھی، اسی طرح عشاء بھی دیر سے ادا فرمائی جبکہ تہائی شب گزر چکی تھی۔ پھر صبح کو سوال کرنے والے کو بلا کر فرمایا ان دونوں ایام کے اوقات نماز کا درمیانی وقت نماز کا صحیح وقت ہے۔

نماز وسطیٰ (درمیانی نماز) کا مفہوم:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن فرمایا۔ اللہ کفار کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انہوں نے ہمیں جنگ میں الجھا کر درمیانی نماز سے محروم کر دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ''نماز عصر میں رکاوٹ پیدا کر دی یہاں تک کہ آفتاب سرخ یا زرد پڑ گیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کفار نے ہمیں جنگ میں الجھا کر نماز وسطیٰ یعنی نماز عصر ادا کرنے سے باز رکھا۔ اللہ ان کے پیٹوں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ران پر ہاتھ مار کر فرمایا تمہارا کیا حشر ہو گا اگر تم اس قوم میں باقی رہ گئے جو نمازیں بعد از وقت ادا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا ہمارے لئے حضرتؐ کی کیا ہدایت ہے؟ فرمایا نماز ہمیشہ اس کے وقت پر ادا کیا کرو پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو جایا کرو، اور جب تمہاری مسجد میں موجودگی کی صورت میں جماعت کھڑی ہو جائے تو پھر تمہیں وہیں نماز ادا کرنی چاہئے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو مجھے مسجد لے جایا کرے، اس لئے مجھے گھر ہی میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے''، آپ نے اسے اس کی اجازت عطا فرما دی۔ جب وہ واپس جانے لگا تو اسے بلا کر فرمایا کیا تم اپنے گھر میں اذان کی آواز سنتے ہو؟ عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمایا تو اذان کا جواب دیا کرو۔

......☆......

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 23

تیرے پیار کی خوشبو

لاروش اغولان نے اس کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپی اس کی شرارت نہیں دیکھی تھی۔
''آپ مجھے ان لڑکیوں کی کیٹیگری میں شامل مت کریں۔''



''یار! تم میری اتنی سی خواہش پوری نہیں کر سکتی ہو۔ آج سلجوق بھیو کی مایوں سرمنی ہے اور یہ ٹاپ اسی تقریب کے حساب سے یلو بھی ہے۔'' حنین آفریدی نے وہ ٹاپ پھر سے اس سے لگایا تھا۔

''حنین......!'' وہ بری طرح گھور کے رہ گئی تھی۔

حنین آفریدی تا دیر اپنا قہقہہ روک نہیں سکا تھا اور جو ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ لاروش اغولان سمجھ گئی کہ وہ اس سے مذاق کر رہا تھا۔

لاروش اغولان نے بیڈ پر پڑا کشن اٹھایا اور خوب اس کے بازو پر سینے پر مارنے لگی تھی۔

''آپ بہت بدتمیز ہیں۔''

''یار سنو تو سہی۔'' وہ اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ چلا رہا تھا اور ساتھ خوب ہنسے بھی جا رہا تھا۔ بالآخر حنین آفریدی نے اس کا کشن پکڑ کے کھینچ کر دوسری سائیڈ پھینکا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی سمیت کھینچا تھا۔



لاروش اغولان جو کھنچتی چلی آئی اور اس کے سینے سے ٹکرائی۔
''تمہارا ہر روپ سروپ ہر روز نیا ہوتا ہے جو مجھے تمہارا دیوانہ بنا دیتا ہے۔'' حنین آفریدی نے اس کے بالوں میں اپنا چہرہ چھپایا تھا۔ لاروش اغولان سر تا پیر سرخ اناری ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی بے باک باتیں اور شرارتیں روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ لاروش اغولان نے لرزتی پلکیں بمشکل اوپر اٹھائیں۔
''سمعیہ زیدی ایسے ہی تمہارے حسن سے خائف نہیں تھی۔'' حنین آفریدی نے ہولے سے اس کے دہکتے رخسار پر اپنی ہتھیلی کی پشت پھیری تھی۔
''آپ سے ایک بات کہوں؟''
''ہاں کہو۔''
''ہماری زندگی میں آج کے بعد سمعیہ زیدی کا ذکر کبھی نہیں آئے گا۔''
''ارے...... بس اتنی سی بات۔'' حنین آفریدی نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔
''جی۔''
''او کے ڈن، مگر کسی اور لڑکی کا تو ذکر ہو سکتا ہے نا۔'' وہ شرارت سے اسے چھیڑنے لگا تھا۔ لاروش اغولان نے اس کی بات سن کر اسے گھورا۔
''پھر تو میں آپ کو جان سے مار دوں گی۔''
''وہ تو تم پہلے ہی مار چکی ہو۔ وہ بھی قطرہ قطرہ کر کے اور یہ دیوانہ تمہارے عشق میں قطرہ قطرہ بن کر ہی ڈوبا ہے۔ اس لیے اس دیوانے سے بچ کر رہنا، اس کے والہانہ پیار سے اور اس کی مضبوط گرفت سے اب رہائی ناممکن ہے۔'' حنین آفریدی نے اس کی نازک کمر کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار سخت کیے اس کے چہرے پر جا بجا اپنی محبت کی داستان رقم کر دی تھی۔
''لاروش......!'' دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ زوباریہ لاروش اغولان کو پکار رہی تھی۔
''حنین چھوڑیں۔'' وہ سٹپٹا کے رہ گئی تھی۔
''اس شرط پر کہ رات تم ملنے آؤ گی دوبارہ۔''
''نہیں بالکل نہیں۔'' وہ بدک کے رہ گئی اور اس کے بازو اپنی کمر سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔
''تو پھر میں بھی نہیں چھوڑ رہا۔'' حنین آفریدی نے مزید اسے خود سے قریب تر کر لیا۔
''لاروش۔'' زوباریہ نے پھر اسے پکارا تھا۔
''حنین! پلیز چھوڑیں نا۔''
''نہیں پہلے وعدہ کرو۔''
''او...... او کے......'' لاروش اغولان نے اس کے سینے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔
''پرامس؟''
''اچھا بابا پرامس آجاؤں گی۔'' اسے مانتے ہی بنی۔
''ٹھیک ہے پھر باقی باتیں اور پیار رات کو۔'' حنین آفریدی نے اس کو چھوڑا۔ وہ تیزی سے دروازے

کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولا زوباریہ کھڑی تھیں۔

''لارش بیٹا صفائی کرلی؟''

''جی ماما صفائی بھی ہوگئی ان کے کمرے کی اور کپڑے بھی نکال دیے۔''

''چلو ٹھیک ہے جلدی سے میرے ساتھ آؤ میں نے تمہارے لیے لیو اینڈ پیرٹ گرین نیٹ کا شرارہ نکالا ہے۔ تم آج سلجوق کی مایوں مہندی میں وہی پہنو گی۔''

زوباریہ، لاروش اغولان کا ہاتھ پکڑ کے نیچے اپنے بیڈروم میں لے گئی تھیں۔

مایوں کی تقریب شروع ہوگئی تھی۔ حرا نے جارجٹ کی یلو اینڈ گرین خوب گھیردار فراک پہنی تھی جس پر فیروزی اور گولڈن ریڈ دھاگوں اور دبکے سے نفیس سا کام ہوا تھا۔ سندھی کرسی پر گھونگھٹ ڈالے وہ شہزادی لگ رہی تھی۔ جہاں حرا کے سادے حسن کو سراہا گیا تھا۔ وہیں ریاست کے شہزادے سلجوق آفریدی کی وجاہت کی بھی خوب دھوم مچی ہوئی تھی۔ سفید براق کاٹن کے سوٹ پر وائٹ پگڑی باندھے وہ آج پورا سندھی وڈیرہ لگ رہا تھا۔ پشاوری چپل پہنے وہ ہر کسی کا مرکز نگاہ بنا ہوا تھا۔ دائیں بائیں اس کے زرمیل اور عارفین بیٹھے تھے۔ اب باری تھی رسم کرنے کی۔ پہلے دلہن کی رسم شروع کردی گئی تھی۔ سب سے پہلے حرا کی رسم اس کے گھر والوں کو کرنی تھی۔ یہ رسم سات سہاگنیں ہی کرتی ہیں۔ حرا کو ابٹن، مہندی لگا کر اسے مٹھائی کھلاتے رہے پھر پیسے وار کے جھولی میں ڈال کر بہت سی دعائیں دی جاتی رہیں۔

حرا کی رسم کرنے سب سے پہلے ژالے آئی تھی۔ رسم کرنے کے بعد اس کے کان میں منہ گھسیڑے میٹھی میٹھی سرگوشی کرنے لگی تھی۔ گھونگھٹ میں چھپا حرا کا سر مزید شرم سے جھک گیا تھا۔ پھر ثمرن آئی اس نے بھی رسم ادا کی اور اس نے بھی حرا کو خوب چھیڑا تھا۔ وہ سرخ گلنار ہوئی جا رہی تھی۔

مقسوم کی باری تھی ژالے نے پکارا مگر وہ یہاں ہوتی تو آتی نا، بس وہی رہ گئی تھی۔ سلجوق آفریدی کی بھی رسم کرنی تھی۔

''عارفین بھائی! مقسوم بھابی کو دیکھا ہے؟'' ژالے نے پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھ کر عارفین کو دیکھا جو سلجوق آفریدی سے بیٹھا باتیں کررہا تھا۔

''نہیں۔'' عارفین کھڑا ہوگیا۔ سلجوق آفریدی اور زرمیل سے باتوں کے چکر میں دھیان مقسوم کی طرف گیا ہی نہیں کہ وہ اس محفل سے کافی دیر سے غائب ہے۔ آخری بار اسے حرا کو باہر لاتے دیکھا تھا۔ ژالے کی گود میں رضا زرمیل کو دیکھ کر اس کی طرف آنے کو ہمکنے لگا تھا۔ جسے زرمیل نے لے لیا تھا۔

''تم لوگ رسم کرو میں مقسوم کو دیکھتا ہوں۔'' اس نے ژالے کو کہا اور اندر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

عارفین اوپر اپنے پورشن کی طرف بڑھا تھا۔ اپنے بیڈروم میں گیا ڈریسنگ روم سے مقسوم نکلی تھی۔ کچھ دیر پہلے جو اس نے نہایت مہارت سے میک اپ کیا ہوا تھا وہ اب مفقود تھا۔ وہ یقیناً کافی دیر سے روتی رہی تھی۔ آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ کھڑی ستواں ناک رونے کی وجہ سے سرخ ہورہی تھی۔ عارفین کو سامنے کھڑا دیکھا تو نظریں شرمندگی سے جھک گئی تھیں۔ عارفین کو اس کے رونے کی وجہ قطعی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

خوشی کا موقع تھا مقسوم کا رونا کیا معنی رکھتا تھا۔
''مقسوم! کیا بات ہے تم روئی کیوں ہو؟ سب تمہیں نیچے ڈھونڈ رہے ہیں۔ حرا کی رسم ہو رہی ہے تم یہاں ہو سب خیریت تو ہے ناں۔'' عارفین نے اسے دونوں شانوں سے تھام لیا تھا اور اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کے اوپر کیا تھا۔
''بتاؤ مجھے کیا بات ہے۔'' عارفین کا دل بہت دکھا تھا۔ مقسوم کے رونے پر۔
''وہ سات سہاگنیں کرتی ہیں رسم اور میں حرا کی رسم کر کے اس کی خوشیوں پر اپنا سایہ نہیں ڈالنا چاہتی۔''
جہاں عارفین نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ وہیں اندر داخل ہوتی ثمرن اور ژالے کے قدم بھی ٹھٹھکے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ثمرن نے ژالے کو چپ رہنے کا اشارہ کر کے دونوں سائیڈ میں ہو گئیں۔
''میں سمجھا نہیں کیا مطلب؟'' عارفین نے الجھتی نظروں سے مقسوم کو دیکھا تھا۔
''آپ چھوڑیں ان باتوں کو آپ کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔'' وہ جھنجھلاتی ہوئی بولی۔
''یار! تم سمجھاؤ گی تو سمجھ میں آئے گا ناں۔'' اس نے نرم وملائم نظروں سے دیکھا تھا۔
''عارفین! چھوڑ دیں نا۔'' اب بھلا وہ اپنے منہ سے کیسے بتاتی بھلے ہی وہ لندن جیسے آزاد ملک کی پروردہ رہی ہو مگر اندر سے وہی مشرقی لڑکی تھی۔
''عارفین بھائی! ویسے تو خود کو بہت سمجھ دار سمجھتے ہیں مگر اندر سے بالکل نا سمجھ ہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی مگر آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں ہم سب سمجھ گئے ہیں۔'' ژالے سے مزید باہر رکنا برداشت نہیں ہوا وہ ثمرن کا ہاتھ پکڑے اندر کمرے میں آ گئی تھی۔ عارفین اور مقسوم نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ مقسوم پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ہو جو بات وہ خود سے چھپا رہی تھی۔ آج وہ عیاں ہو گئی۔ وہ بھی ژالے کے سامنے اس نے حیا سے نگاہیں جھکا لیں۔
''اچھا تو ژالے بی بی! اگر آپ اتنی ہی سمجھ دار ہیں تو مجھے بھی سمجھا دیں۔ مجھ جیسا بزنس ٹائیکون بلیک بیلٹ باڈی بلڈر ان باتوں سے نابلد ہے۔'' عارفین نے نہایت اطمینان سے اپنے سینے پر دونوں بازو باندھے تھے۔
''یہی تو افسوس کی بات ہے دیور جی، چہ چہ چہ۔'' ثمرن نے بھی ذومعنی انداز میں اسے چھیڑا تھا۔
''یار! آپ لوگ اپنی یہ ذومعنی باتیں ایک طرف رکھ کے مجھے سیدھے سیدھے سمجھا سکتی ہیں نیچے سلجوق کی رسم بھی کرنی ہے اور تم لوگ اور دیر کر رہی ہو۔'' عارفین الجھا تھا۔
''عارفین بھائی! حد ہوتی ہے مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی ہر معاملے میں پرفیکٹ ہیں مگر از اے ہسبینڈ بالکل زیرو، جبھی تو آج مقسوم بھابی ہم میں شامل نہیں ہوتی ہیں کہ حرا کی رسم کرتیں۔''
ژالے تو ویسے بھی منہ پھٹ تھی کہاں تک برداشت کرتی۔ ثمرن نے ژالے کو تنبیہہ نظروں سے دیکھا جب کہ مقسوم نے اس کے ہاتھ پر چٹکی بھری تھی۔ ژالے ''سی'' کر کے رہ گئی۔ اپنا ہاتھ سہلانے لگی تھی۔
''یہ اچھا ہے ایک تو آپ کی فیور کر رہی ہوں آپ مجھے ہی نوچ کھسوٹ رہی ہیں۔''
''ژالے کی بچی چپ نہیں ہو گی۔'' مقسوم گھورنے لگی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے دھمکی دینے لگی تھی۔
عارفین کی سمجھ میں اب سب آ گیا تھا۔
''آئی سی تو یہ بات ہے۔'' عارفین نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں لے کر مسکراتی آنکھوں سے بغور شرماتی گھبراتی مقسوم کو دیکھا تھا۔
''اب اتنا ٹائم تو نہیں ہے کہ ابھی حرا کی رسم کرنے کے لیے تم میں شامل ہو مگر ابھی برات اور ولیمہ کی تقریب

باقی ہے۔ اینڈ آئی ایم شیور کہ اب کسی سہاگن کی رسم میں یہ تم لوگوں سے پیچھے نہیں رہے گی۔'' عارفین نے دلکشی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ مقسوم تو مزید بری طرح شرما کے رہ گئی جب کہ ثمرن اور ژالے عارفین کی بے باک گفتگو پر جھینپ کر رہ گئیں مگر ژالے بھی اپنے نام کی ایک ہی ڈھیٹ تھی۔

''عارفین بھائی! اب بہتری اسی میں ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں۔ ہم مقسوم بھابی کو تیار کر کے لا رہے ہیں نیچے۔'' ژالے نے مقسوم کو خود سے بتایا۔

''ارے واہ یہ کیا بات ہوئی یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔'' عارفین چھیڑنے لگا تھا اور والہانہ نظروں سے مقسوم کو دیکھنے لگا۔

''عارفین! اب بہت مذاق ہو گیا جاؤ یہاں سے ورنہ پٹ جاؤ گے۔'' ثمرن نے مصنوعی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔ اپنی چھیڑ چھاڑ میں یہ لوگ صرف وقت ضائع کر رہے تھے ابھی نیچے بھی جانا ہے۔ کتنے کام باقی تھے۔

''اوہ، ہو...... اب تو جانا ہی پڑے گا۔'' عارفین نے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی۔ ثمرن کی گھوری پر وہ سر کھجاتا ہوا جانے لگا مگر کچھ یاد آنے پر وہ پلٹا اور وارڈ روب کی سمت بڑھا۔ وہاں سے ایک ڈبہ نکالا اور لا کر ثمرن کو تھما دیا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ مجھے آپ کو کچھ بتانا پڑے گا۔'' اس نے نہایت چاہ سے مقسوم کو دیکھا اور پھر وہاں رکا نہیں بیڈ روم سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ثمرن نے ڈبہ کھولا اس میں سے ریڈ اینڈ پنک امتزاج کی کلیوں والی فراک نکلی جس پر گولڈن اینڈ سلور نگوں اور دبکے کا کام ہوا تھا۔ ثمرن نے ستائشی نظروں سے جارجٹ فراک دیکھی اور آگے بڑھ کر مقسوم کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

''یور آر ویری لکی۔''

''اگر عارفین بھائی دیکھ لیں تو یہی کہہ دیں کہ ثمرن بھابی یہ حق میرا ہے۔'' ژالے نے چھیڑا تھا۔

''تم تو بہت ہی بے شرم ہو۔'' مقسوم کو موقع ملا اور اس نے ایک چپت اس کے بازو پر لگائی۔

''ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی کہ حرا ہم سے زیادہ سمجھ دار عقل مند نکلی۔ کتنا کہتی رہی کہ عارفین بھائی اور مقسوم بھابی کے بیچ کچھ ٹھیک نہیں ہے مگر ہم ہی اس کو ڈانٹ کر چپ کرا دیتے کہ یہ سب اس کی غلط فہمی ہے۔'' ژالے کو حرا کی باتیں یاد آ گئیں۔ کتنی ہی دفعہ وہ بول چکی تھی عارفین اور مقسوم کے بارے میں۔

''مقسوم! ہم سے تو کچھ شیئر کرتیں اگر اتفاق سے ہم تم کو ڈھونڈتے ہوئے اوپر نہیں آتے تو آج بھی ہمیں کچھ پتا نہیں چلتا۔'' ثمرن نے شکایتی نظروں سے مقسوم کو دیکھا تھا۔

''میں کیا کہتی میں تو خود اتنی شرمندہ ہوں۔''

''شرمندہ!'' ثمرن اور ژالے نے نہایت چونک کر مقسوم کو دیکھا تھا۔

''وہ کس لیے؟'' مقسوم نے دونوں کو دیکھا اب اتنا تو پتا چل ہی گیا اب مزید کیا چھپانا۔ مقسوم نے اپنی شادی سے لے کر اب تک کی ساری بات ان دونوں کو بتا دی تھی۔ اس نے کتنا عارفین کو ستایا خود کتنا درد سہا۔ عارفین سے پسند سے لے کر محبت کرنا، عارفین کا اس سے عشق کرنا اس کی طرف قدم بڑھانا تو مقسوم کا جھڑکنا پھر سوی کا واپس آنا ان دونوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنا، سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ مقسوم ساری دوریوں کو مٹا کر نزدیکیوں میں بدلنا چاہتی تھی کہ ان کی زندگی میں یاور اور اسفند درانی کا زہر گھولنا، ان میں پھر سے غلط فہمیاں

جنم لینے لگی تھیں۔ یہ سب دن ورات اس نے کیسے گزارے وہ جانتی تھی یا اس کا خدا مگر اب سب کچھ صحیح ہو گیا تھا۔ ہواؤں کا خوشگوار رخ ان کی زندگی کو خوشیاں دے رہا تھا۔ ان کی زندگی پر سکون مطمئن ہو گئی تھی۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا مگر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ ادھوری تھی۔ نامکمل تھی جس کا احساس آج اسے حرا کی رسم کے وقت ہوا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ!'' ثمرن اور ژالے پر تو حیرتوں کے جتنے پہاڑ ٹوٹتے کم تھا۔

''مقسوم! ہم سے ذکر تو کیا ہوتا کچھ تو شیئر کرتیں چندا، اکیلے ہی اتنے پہاڑ جیسے بھاری دن ورات گزار دیئے۔ اکیلے ہی خود بھی گھٹتی کڑھتی رہیں اور عارفین بھی پریشان رہا ہے۔'' ثمرن نے دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''مقسوم بھابی! آپ کے اور عارفین بھائی کے صبر کی داد دینی چاہیے۔'' ژالے نے فخریہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مگر اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔ دکھوں کے غموں کے اور پریشانیوں کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ نئی صبح کی کرن تمہیں خوش آمدید کہنے کو بے چین ہے بہاروں کی خوشگوار مہک آگے بڑھ رہی ہے۔ ان خوشبو بھرے جھونکوں کو اپنے اوپر لپیٹ لو اور زندگی کو آگے بڑھاؤ۔'' ثمرن نے اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

''اور جلد از جلد دو سے تین اور پھر تین سے چار ہو جاؤ۔'' ژالے نے پرمزاح انداز میں ٹکڑا جوڑا تھا۔ مقسوم اس کی بات کا مطلب سمجھ کر جھینپ کر رہ گئی جب کہ ثمرن ہولے سے مسکرا دی۔

''عارفین کے لیے تم جیسی نازک سی اور پیاری سی ہی لڑکی سوٹ کرتی ہے۔ اب بہت ایک دوسرے کو ستالیا اور تڑپالیا۔ اب ان فاصلوں کو پاٹو اور اگر تم پہل کرو گی تو عارفین کے دل میں تمہارے لیے پیار اور بڑھے گا۔'' ثمرن نے اسے سمجھایا تھا۔

''مقسوم!'' رابعہ آوازیں دیتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

''دیکھو ذرا تینوں کی تینوں ادھر محفل جما کے کھڑی ہیں اور نیچے سب تم تینوں کو بلا رہے ہیں۔''

''بس پھپھو! ہم مقسوم کو تیار کر کے لا رہے تھے۔'' ثمرن نے مقسوم کو مسکرا کے دیکھا۔

''میری جان بہت دیر ہو رہی ہے سلجوق کی رسم شروع کر دی گئی ہے۔'' رابعہ نے الجھن بھری نظروں سے دیکھا۔

''بس پھپھو! آپ نیچے چلیں ہم دس منٹ میں آرہے ہیں۔'' ژالے نے عارفین کی دی ہوئی فراک اٹھائی اور مقسوم کے ہاتھ میں تھما دی۔

''آل رائٹ صرف دس منٹ اور ثمرن یوشع اب رونے والا ہو گیا ہے اسے بھوک لگنی شروع ہو گئی ہے تم جلدی سے آؤ۔'' رابعہ اپنی ساڑی کا پلو سنبھالتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں مگر جاتے جاتے پھر پلٹی تھیں۔

''آج میری بہو کو بہت اچھا سا تیار کرنا۔ آج سارے خاندان والے، رشتے دار، دوست احباب جمع ہیں۔ آج میں مقسوم کو سب سے ملواؤں گی۔'' رابعہ نے مقسوم کو محبت سے دیکھا اور پھر ثمرن، ژالے کو باری باری دیکھتے ہوئے باہر نکلتی چلی گئی تھیں۔

''واقعی آج تو مقسوم کو اچھا سا تیار کرنا ہے کہ عارفین کے بھی ہوش اڑ جائیں۔ کیوں کہ آج ان دونوں کی اسپیشل نائٹ ہے۔ ہے نا مقسوم بھابی۔'' ژالے نے شوخی سے اسے دیکھا۔ مقسوم پر تو جیسے شادی مرگ کی سی کیفیت ہو گئی تھی۔ اس کے گالوں پر پڑے ڈمپل مزید گہرے ہو گئے تھے۔

''کل سات سہاگنیں سہرا بندھائی کریں گی حرا کی، جس میں تمہیں ہر صورت شامل ہونا ہے۔'' ثمرن نے اس کے کان میں آہستہ سے سرگوشی کی جس پر وہ گلناری سی ہو گئی۔ عارفین کی شبیہہ آنکھوں کے پردے پر جھلملانے لگی تھی۔ تو ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔
ژالے نے جلدی جلدی کسی ماہر بیوٹیشن کی طرح اس کا خوب صورت سا میک اپ کرنا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆

کافی دیر ہو گئی تھی۔ ابھی تک وہ دشمنِ جان نظر ہی نہیں آئی تھی اس کے دل کو بے چینی و بے قراری سی بھی ہونے لگی تھی۔ جانے وہ اس کا دیا ہوا سوٹ زیب تن کرتی ہے یا نہیں۔ دل خوش فہمی کی پرواز اڑنے لگا تھا۔ دل بار بار کہہ رہا تھا کہ وانیہ ضرور وہ سوٹ پہنے گی جو حسن آفریدی نے دیا ہے مگر کچھ ہی پل لگے تھے۔ دل کو خوش فہمیوں کے بادل میں اڑتے ہوئے۔
سامنے سے آتی وانیہ نے بلیک جارجٹ کی ساڑھی باندھی ہوئی تھی۔ جس کی آستین پر بلیک بارڈر بنا ہوا تھا۔ بالوں کو اس نے پورا کھلا چھوڑ دیا تھا۔ چہرہ بالکل سادہ تھا۔ سوائے پنک لپ اسٹک کے اس نے کوئی میک اپ نہیں کیا ہوا تھا۔ حسن آفریدی بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
''ایک بات کہوں؟'' حنین آفریدی کی آواز پر اس کی نگاہوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔ اس نے رخ موڑ کے حنین آفریدی کو دیکھا۔
''کہو۔''
''آپ کو نہیں لگتا وانیہ بھابی! میں شہلا پھپھو کی جھلک آتی ہے۔''
''ہاں۔''
''خاص کر ان کی صراحی دار گردن۔'' حنین آفریدی کی نظریں بھی وانیہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ حسن آفریدی نے حنین آفریدی کی طرف سے نظریں ہٹا کر پھر سے وانیہ کو دیکھا جس کے چہرے پر اداسی پژمردگی تھی، نین کٹوروں میں ایک دکھ سمندر کی تیز لہروں کی طرح ہلکورے لے رہا تھا جو اس نے بہت ضبط سے چھپایا ہوا تھا۔
''منی بھیو......''
''ہوں۔''
''ریحان شیخ کی غلطی کی سزا وانیہ بھابی کو دینا عقل مندی تو نہیں ہے۔'' حنین آفریدی نے بھی اس کا چھپا دکھ و غم دیکھ لیا تھا۔
حسن آفریدی نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی اور نظروں کے ارتکاز کو توڑتے ہوئے اپنے ساتھ کھڑے حنین آفریدی کو دیکھا۔
''سزا تو وانیہ نے بہت بھگتا لی ہے مگر کچھ وقت اور میں خود اسے سب سچ بتا کے اسے منا لوں گا۔''
''آپ کہیں تو منانے کی اچھی اچھی ٹپس میں دے سکتا ہوں آپ کو۔'' وہ مسکرا کے چھیڑنے لگا۔
''یقیناً تم ماہر ہو۔ لڑکیوں کو منانے میں۔ بائے دا وے کوئی نئی گرل فرینڈ۔''
''نہیں یار! میں اب نا ہی لاروش کو کھونا چاہتا ہوں نہ ہی ناراض کروں گا۔''
''اوہ ہو...... تو بچہ سدھر گیا ہے۔'' حسن آفریدی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔
''جی لاروش نے مجھے بالکل بدل دیا ہے۔'' اس کی نظر سامنے پڑی جہاں لاروش اغولان یلو سوٹ میں حرا

کے ساتھ بیٹھی اس کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی۔

''زوباریہ۔'' بی جان نے اپنے ساتھ بیٹھی زوباریہ کو پکارا جو پھولوں کا بکے ٹھیک کر رہی تھیں۔

''جی بی جان کہیے۔''

''یہ ہنی کے ساتھ یہ لڑکا کون کھڑا ہے۔ اسے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔'' بی جان کی نظروں کے تعاقب میں زوباریہ نے بھی دیکھا تھا۔

''پتا نہیں بی جان! میں نے بھی آج پہلی بار دیکھا ہے مگر ہنی کی بے تکلفی سے تو لگ رہا ہے کہ وہ ہنی کے بہت کلوز فرینڈ ہیں۔''

''پتا نہیں کیوں اس لڑکے کی طرف دل کھینچ رہا ہے۔'' بی جان کے دل کی بات ہونٹوں پر آ گئی تھی۔

ذہن کی اسکرین پر چھپ سے ایک عکس ابھرا تھا۔ انہوں نے حسن آفریدی کی طرف سے نظریں ہی نہیں ہٹائی تھیں، بس دل چاہ رہا تھا دیکھتے ہی جاؤ مگر آنکھوں کی پیاس نہیں بجھ رہی تھی۔

''ہنی بھیا! میں ابھی آتا ہوں۔'' حنین آفریدی، لاروش اغولان کی طرف بڑھا تھا۔ حسن آفریدی کا دل چاہا وہ وانیہ کے پاس جائے اس سے بات کرے مگر اس سے پہلے وہ اس کے پاس پہنچتا کہ اس سے پہلے عارفین اس کے پاس آیا تھا۔ وہ وہیں رک گیا تھا۔

''وانی بیٹا۔''

''جی عارفین بھائی۔''

''میں نے تمہیں ہنڈی کیم کیمرہ دیا تھا کہاں رکھا ہے۔''

''وہ تو میں نے رابعہ مامی کے بیڈروم میں ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں سنبھال کے رکھ دیا تھا۔''

''او کے۔'' وہ مسکراتا ہوا جانے لگا۔

''میں لے کر آجاؤں۔''

''ہاں پلیز جلدی سے تم لا دو میرا ایک فرینڈ آنے والا ہے، مجھے اسے ریسیو بھی کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں ابھی لے کر آتی ہوں۔''

وہ کہہ کر جلدی سے اندر کی سمت بڑھی تھی۔ گھر کے سارے افراد باہر لان میں تھے۔ بس ایک دو ملازم تھے جو بے حد مصروف تھے۔ اوپر کے دونوں پورشن میں سناٹا ہو رہا تھا۔ وانیہ بغیر اِدھر اُدھر دیکھے اوپر کی جانب بڑھی تھی۔ اوپر چونکہ بہت سناٹا بھی تھا اور روشنی بھی کم تھی۔ وہ بھی باہر لان میں جو رنگ برنگے قمقمے لگائے تھے ان کی روشنی اندر تک آ رہی تھی۔ وہ جیسے ہی رابعہ کے بیڈروم کی طرف بڑھی تھی کہ کسی نے سائیڈ سے نہایت جارحانہ طریقے سے اس کی کلائی پکڑی اور بے دردی سے گھسیٹتا ہوا اسے اسی کے بیڈروم میں لایا تھا اور اسے اندر دھکا دے کر پلٹ کر دروازہ لاکڈ کیا۔ پھر واپس پلٹ کر وانیہ کے لڑکھڑاتے وجود کو تھاما تھا مگر ان قمقموں کی رنگ برنگی مدھم روشنی میں اس نے ایک لمبا چوڑا وجود اپنی سمت آتے دیکھا تو اس کے ذہن نے کام کیا اور بری طرح اس کا ہاتھ جھٹک کے بھاگنے لگی مگر حسن آفریدی کے ہاتھ اس کا ساڑھی کا پلو رہ گیا تھا۔ حسن آفریدی نے وہ پلو اتنی زور سے کھینچا کہ ساڑھی پوری کھلتی چلی گئی تھی۔ حسن آفریدی نے ساڑھی پیچھے کی جانب اچھال دی اور وانیہ کے کپکپاتے نازک وجود کو اپنے اندر سمو لیا تھا۔ اس کے گرد اپنے آہنی بازو کی گرفت سخت کر دی تھی۔

''بہت شوق ہے اس بے ہودہ لباس کو پہن کر اپنے جسم کی نمائش کرنے کا۔'' وہ ہلکے سے غرایا تھا۔ اس کی

غراہٹ کی چنگاری نے وانیہ کو جیسے بھسم ہی تو کر دیا تھا۔
''آفریدی۔'' وانیہ کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی کہ یہ جارحانہ سلوک اس کے ساتھ آفریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔
''چھوڑو مجھے۔''
وہ پوری جان لگا رہی تھی خود کو چھڑانے کی اسے خود کی بے بسی پر بے اختیار رونا آ رہا تھا۔ آفریدی سے سے ہر امید کی بعید تھی وہ بھیانک رات آج بھی اسے یاد تھی۔ آج بھی وہ ہر رات ڈر ڈر کے اٹھتی تھی۔ خوف سے کانپنے لگتی تھی۔ ابھی بھی جو حرکت آفریدی نے کی دل نے شدت سے دعا کی کہ زمین پھٹے یا آسمان پھٹے اور وہ زندہ ہی ان میں سما جائے۔
''خدا کے لیے چھوڑ دو مجھے۔'' آنسو متواتر بہہ رہے تھے۔
''یہ کام تو جب میں نے پہلے نہیں کیا تو اب کیسے کر دوں میری جان۔'' حسن آفریدی نے مزید اپنے آہنی بازو کی گرفت سخت کی کہ محسوس ہوا جیسے اس کا گال آفریدی کے ہونٹوں سے چھو ہوا ہے اس کے پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی آنسوؤں میں مزید روانی ہو گئی تھی۔
''اوں...... ہوں...... مجھے تمہارے ان آنسوؤں نے کبھی بھی کمزور نہیں کیا ہے۔'' وہ جھکا اور اس کے آنکھوں سے گرتے موتیوں کو اپنے گداز عنابی ہونٹوں میں جذب کر لیا تھا۔
''ساڑھی باندھنے کا اگر بہت شوق ہے تو اپنا یہ شوق بیڈروم میں میرے سامنے ضرور پورا کر سکتی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر یہ واہیات لباس باہر پہن کر نکلنے کی میں قطعی اجازت نہیں دوں گا۔'' وانیہ بری طرح ڈر گئی۔ سینے کی پسلیوں کے پیچھے ننھا سا دل زور و شور سے دھڑکنے لگا تھا۔ جیسے پسلیوں کی مضبوط دیوار توڑ کے ابھی باہر آ جائے گا۔
''نن نہیں...... آفر...... آفریدی...... پلیز میں...... میں قسم کھاتی...... ہوں آج کے بعد یہ لباس نہیں...... پہنوں گی۔ پلیز ایسا مت کرو۔'' وہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ آفریدی کا سلوک وہ اب برداشت نہیں کرے گی شاید مر جائے گی وہ۔
''پلیز مجھے بخش دو۔ چھوڑ دو مجھے۔'' بے پناہ روتے ہوئے وہ عاجزی سے گڑگڑا رہی تھی۔ اپنی عزت و آبرو کی بھیک مانگ رہی تھی۔
''اب تو بہت مشکل ہے وانی جان! تمہارے اس اداس سے روپ نے میرا سب کچھ لوٹ لیا ہے۔ اس رات کے بعد میں بہت پچھتایا تھا کہ تمہیں واپس کیوں جانے دیا۔'' بہکا بہکا لب و لہجہ وانیہ کی روح نکال رہا تھا۔ جسم سے اس کی انگلیوں کی سرسراہٹ اسے اپنے وجود سے ہوتی ہوئی اپنی صراحی دار گردن پر محسوس ہوئی تھی۔
''آپ کو اللہ رسول کا واسطہ ہے آفریدی! مت کریں میرے ساتھ زیادتی آج بھی میرے زخموں سے لہو رستا ہے۔ میں مزید اذیت تکلیف برداشت نہیں کر پاؤں گی۔'' وانیہ نے خوف زدہ ہو کر اس کی شرٹ اپنے دونوں ہاتھ کی مٹھی میں اس طرح سختی سے بھینچ لی وہ گڑگڑا رہی تھی۔
''مجھے اللہ اور رسول نے ہی تو اجازت دی ہے تمہارے ساتھ کچھ بھی کرنے کو، تمہارے زخموں پر مرہم ہی تو لگانا چاہتا ہوں۔ جسے تم زیادتی کا نام دے رہی ہو۔'' وہ جھکا اور اس کی صاف شفاف سی صراحی دار گردن پر اپنے جنون کی ایک تحریر رقم کرتا چلا گیا تھا۔ اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے پر والہانہ پیار کی داستان لکھتا

چلا گیا۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ مقابل کی جان حلق تک آ گئی ہے یا اس کا دل دھڑکنا بند ہو جائے گا۔ سانسیں چلنا تھم جائیں گی۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے کوئی مزاحمت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کی مٹھی میں بھنچی اس کی شرٹ کی سختی حسن آفریدی نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی۔ حسن آفریدی مزید جھکا اور اس کے کپکپاتے لرزتے نازک وجود کو اپنے آہنی مضبوط بازوؤں میں بھر لیا تھا اور چلتا ہوا اس کے بیڈ تک آیا اور نہایت آرام اور احتیاط سے اسے بیڈ پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے بالکل نزدیک ہی بیٹھ گیا۔

''میں تو سمجھا تھا تم اس جدائی کے دوران بہت بہادر ہو گئی ہو گی مگر تم تو آج بھی ویسی کی ویسی ہو، بس ذرا پہلے سے زیادہ حسین اور خوب صورت ہو گئی ہو۔ تمہاری اس خوب صورتی میں نکھار تمہارے ڈر و خوف نے دوبالا کر دیا ہے۔ تمہارا حسن مزید دو آتشہ ہو گیا ہے۔ پھر تم خود ہی بتاؤ میں کیسے تمہاری طرف اپنے بڑھتے قدموں کو روک سکتا ہوں۔'' حسن آفریدی مزید آگے بڑھا اور اس کے چہرے پر جھک کر اپنی دیوانگی کا ثبوت اس کے کپکپاتے ہونٹوں پر دیا تھا۔ کتنے ہی پل تک وہ اس اذیت میں رہی، آنکھوں کے سمندر میں اور زیادہ روانی ہو گئی تھی۔ حسن آفریدی نے اسے چھوڑ دیا اور پھر کھڑا ہو گیا تھا۔

''اوکے گڈ نائٹ مگر اب جو میری تم سے ملاقات ہو گی وہ میرے بیڈ روم میں ہو گی۔ جہاں میں اپنی جدائی کا حق تم سے سود سمیت وصول کروں گا۔'' وہ پھر رکا نہیں وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

وانیہ نے اپنے کپکپاتے لبوں پر ہاتھ پھیرا جہاں آفریدی نے اپنی درندگی کا نشان چھوڑ دیا تھا خون کی بوندیں نکلنے لگی تھیں۔

''آئی ہیٹ یو...... آئی ہیٹ یو......'' وہ بری طرح سسکی تھی اور دونوں گھٹنوں میں چہرہ گھسیڑے ایک بار پھر بلک بلک کر رو دی۔

کوئی پانچ منٹ بعد حسن آفریدی اس کے بیڈ روم میں پھر داخل ہوا تھا۔ بالکل گھپ اندھیرا تھا مگر اس اندھیرے میں برقی رنگ برنگی قمقموں کی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ حسن آفریدی نے دیوار پر سوئچ بورڈ پر جو ہاتھ مارا تو کمرہ پورا کا پورا روشنی میں نہا گیا تھا۔ سامنے نظر پڑی تو وانیہ کی بکھری حالت پر بہت دکھ ہوا تھا۔ جی تو شدت سے چاہا کہ سب کچھ بھلا کے اسے نرمی سے اپنے اندر چھپا کے سب کچھ سچ بتا دے۔ اس کے آنسوؤں کو اپنے ہونٹوں سے چن لے ''مگر ابھی نہیں'' یہ سوچ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے پاس بیڈ پر اس سے تھوڑے فاصلے پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

''وانیہ۔'' لب و لہجہ میں کس قدر بے قراری تھی۔

وانیہ نے سر اٹھا کے دیکھا تو دل نے شدت سے خود کے لیے بددعا کی تھی۔ زندگی اور کتنا دکھ دے گی۔ اس کے وجود کی اور کتنی بے حرمتی بے عزتی ہو گی۔ اس کا نفس اس کی نسوانیت اس کا اعتماد آج پھر چکنا چور ہو گیا تھا۔ اس کی ایسی بکھری حالت اوپر سے سامنے بیٹھا حسن آفریدی جو اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔

''وانیہ! یہ سب کیا ہے کس نے کیا ہے یہ سب تمہارے ساتھ۔ مجھے بتاؤ...... اور...... یہ خون...... یہ خون کیوں نکل رہا ہے تمہارے ہونٹوں سے؟'' اس کی پریشانی اور فکر کو وانیہ کسی خاطر میں نہیں لائی تھی۔ بلکہ تیزی سے پاس پڑی بیڈ کی چادر کھینچ کے خود کو اس میں ڈھانپ لیا تھا۔

''ہاؤ ڈیئر یو، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے بیڈ روم میں آنے کی، یہاں میرے بیڈ پر بیٹھنے کی۔'' وانیہ نے حسن آفریدی کو بری طرح جھڑک دیا تھا جس کا اس نے قطعی برا نہیں مانا تھا۔

''وانیہ۔''
''نکل جاؤ یہاں سے۔'' وہ ہذیانی سی ہوگئی تھی۔ بس چلتا تو خود کو مار لیتی یا سامنے بیٹھے اس شخص کی آنکھیں نوچ لیتی جو اتفاق سے آفریدی کی طرح بلوریں ہی تھیں۔
''وانیہ میری بات تو سنو۔''
''مجھے کچھ نہیں سننا۔ تم یہاں سے چلے جاؤ بس ورنہ میں......'' اس نے متلاشی نگاہ ادھر ادھر دوڑائی تو سائیڈ ٹیبل پر کانچ کا لیمپ رکھا تھا وانیہ نے وہ تیزی سے اٹھالیا۔
''میں تمہیں یہ کھینچ کے ماردوں گی۔'' غم و غصے کی شدت سے وہ بالکل پاگل ہو رہی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سمجھ رہی تھی کہ کیا بول رہی ہے کیا کر رہی ہے۔
''اوکے......تم اس وقت بہت غصے میں ہو پھر بات کرتے ہیں۔'' حسن آفریدی کھڑا ہو گیا تھا۔
''خبردار! جو اب تم میرے سامنے آئے تو......ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' اس نے غصے سے اسے دیکھا تھا۔
حسن آفریدی نے خاموشی کی ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر آگے بڑھا مگر اس کے جوتوں میں وانیہ کی بلیک ساڑھی اٹکی تھی۔ جسے وہ روندتا ہوا آگے بڑھا اور دروازہ اندر سے لاک کر کے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وانیہ نے لیمپ بیڈ پر پھینکا اور اپنی بے بسی پر ایک بار پھر ہچکیوں سے رو دی تھی۔

☆......☆

آج رات رت جگا تھا۔ سب ینگ پارٹی کا فیصلہ تھا کہ کوئی بھی اپنے روم میں آج نہیں جائے گا۔ لان میں ہی سب نے محفل جمائی تھی۔ البتہ سلجوق آفریدی کے سب گھر والے رشتے دار جا چکے تھے۔ سوائے سلجوق آفریدی، حنین آفریدی اور لاروش اغولان کے، انہیں ان لوگوں نے جانے ہی نہیں دیا تھا۔ وانیہ نے تو کمرے سے نکلنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا تھا۔ حسن آفریدی کی نظروں کا سامنا نہیں کر سکتی تھی اور جو آج سب سے بڑا انکشاف اس پر ہوا وہ آفریدی کا زندہ ہونا تھا۔ اس نے وانیہ کو بالکل توڑ پھوڑ کے رکھ دیا تھا۔ رو رو کے آنکھیں سوج گئی تھیں۔ سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔ رابعہ تو گھبرا کے رہ گئی تھیں۔ اس کو دیکھ کر اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ رابعہ کچن سے جا کر گرم دودھ کے ساتھ پین کلر لے کر آئی تھیں۔ وہ کھلا کے اسے بیڈ پر لیٹا دیا تھا۔ مگر ژالے اس کے پاس آئی اور اس کی نہ نہ کرتے ہوئے بھی اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ رابعہ نے بھی منع کیا مگر وہ نہیں مانی۔
''رابعہ پھپھو یہ یوں کمرے میں اکیلے پڑے پڑے اور بیمار پڑ جائے گی۔ تازی ہوا لگے گی تو جلدی صحیح ہو گی۔'' ژالے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ گھسیٹتے ہوئے لے جانے لگی۔
''یار ژالے! میری طبیعت واقعی بہت خراب ہے۔''
''چپکی رہو تم خاک مزہ آئے گا تمہارے بنا۔'' اس نے ڈپٹا۔
لان میں فل والیوم میں چلنے والے سی ڈی پلیئر کو آف کر دیا گیا تھا۔ سب کا یکطرفہ خیال تھا کہ سب خود ہی الگ الگ گانا گائیں گے۔ اب چاہے سریلا ہو یا بے سرا مگر گانا بہر حال ہوگا۔
''جی تو سب سے پہلے خوب صورت سی آواز سے شروعات کرتے ہیں اور میں نے سنا ہے حسن کی آواز بہت اچھی ہے۔ اس لیے حسن آپ ہی کوئی اچھا سا گیت گنگنائیں۔'' عارفین نے کہا حسن آفریدی کی

طرف بڑھایا تھا۔

''میں......!'' وہ اچانک افتاد پر گھبرا گیا اور عارفین کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں گیٹار کو دیکھا۔

''جی ہاں آپ۔'' عارفین مسکرا دیا۔

''یار بنی بھیو! گھبرا کیوں رہے ہیں یہ تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔'' برابر میں بیٹھے حنین آفریدی نے ہولے سے سرگوشی کی تھی۔

''اور مجھے پکا یقین ہے کہ یہ تمہاری ہی کارستانی ہے۔'' حسن آفریدی نے گھور کے اسے دیکھا۔

''جی بالکل آپ بھی جھوٹ بول سکتے ہیں۔''

''وہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔''

''جی تو حضرات بنی بھیو! اپنی سریلی آواز میں اس محفل کو چار چاند لگائیں گے تالیاں۔'' حنین آفریدی نے بہت روانی سے کہتے ہوئے تالیاں بجانی شروع کیں وہاں بیٹھے سب نے تالیاں بجائیں۔ سوائے سلجوق آفریدی کے جس نے بہت چونک کر پہلے حنین آفریدی کو دیکھا پھر اس شخص کو جسے حنین آفریدی نے جذبات میں بنی بھیو کہہ کر پکارا تھا۔ حسن آفریدی گیٹار تھام چکا تھا۔ بلوریں آنکھیں بھٹکتی ہوئی ژالے کے برابر میں بیٹھی نظر کو جھکائے وانیہ پر ٹھہر سی گئی تھیں۔

''وانیہ بھابی کو بعد میں دیکھ لیجیے گا پہلے گانا شروع کریں۔'' حنین آفریدی نے دھیرے سے کہا۔ حسن آفریدی دھمکی بھری نظر اس پر ڈال کر رہ گیا۔ یہ سب سلجوق آفریدی بغور دیکھ رہا تھا اور الجھن کا بھی شکار تھا۔ گیٹار پر دھن بجنا شروع ہو گئی تھی۔

تیری قسم ہم کو تیری یادیں جو آتی ہیں ہمیں ہر پل ستاتی ہیں
اب تو نہیں لگتا ہمارا دل تمہارے بن اب ہر دھڑکن رلاتی ہے
تمہارا ساتھ اگر ملتا ہمارا دل نہ یوں جلتا کہ جل کے ہم نے راتوں میں
تڑپ کر بے قراری میں
گزارے ہیں وہ پل وہ یادیں وہ میں......

وانیہ نے نہایت چونک کر حسن آفریدی کو دیکھا تھا۔ یہ آواز یہ انداز بھلا وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ یہ آواز تو اس کے وجود میں اس کے لہو میں ایک ایک نس میں سرائیت کرتی تھی۔ وہ یہ آواز زندگی کی آخری سانس تک نہیں بھول سکتی تھی۔ وہ یک ٹک ٹکٹکی باندھے بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ جس کے ہاتھ بڑی مہارت سے گیٹار کے تاروں پر چل رہے تھے۔

گانا ختم ہو چکا تھا۔ سب کی تالیوں کی گونج سے لگ رہا تھا کہ آواز کے ساتھ گانا بھی بہت زبردست تھا۔ حسن آفریدی نے سب کو تھینکس کہا تھا۔

''وہ دیکھیں وانیہ بھابی تو ابھی تک آپ کی آواز کے جادو میں کھوئی ہوئی ہیں کیسے بنا پلک جھکائے آپ کو ہی دیکھے جا رہی ہیں۔'' حنین آفریدی کے کہنے پر حسن آفریدی نے وانیہ کو دیکھا۔ وہ مسکرایا بھی مگر وہاں سے کوئی رسپانس نہیں ملا تھا۔ تو اس نے اپنی نظروں کا رخ پھیر کے گیٹار واپس عارفین کو تھما دیا۔

''زبردست۔'' عارفین نے خوش ہو کر تعریف کی۔

''تھینکس۔'' بلوریں آنکھوں کی چمک مزید روشن ہو گئی۔

''جی تو اب باری ہے اپنے زرمیل کی۔'' عارفین نے گیٹار زرمیل کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔
''پاگل ہوئے ہو کیا میں کیا گانا گاؤں گا۔'' زرمیل نے تو یوں کا رخ اپنی طرف دیکھتے ہوئے عارفین کو گھورا۔
''سوری رولز اینڈ رولز اور زرمیل وہ گانا گائیں گے جو وہ اکثر و بیشتر گنگناتے ہیں۔'' عارفین نے اسے گھیر لیا تھا۔
''زرمیل...... زرمیل۔'' سب نے نعرے لگانا شروع کر دیے تھے۔ زرمیل نے سب کو دیکھا۔
''او کے...... او کے...... مگر صرف دو بول۔'' اس نے ہار مان لی تھی۔
زرمیل کی انگلیاں گیٹار کے تاروں پر تھرکنے لگی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں مری کی وہ ٹھنڈی رات گھوم گئی تو ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

وہ بیتے دن یاد ہیں وہ پل چھن یاد ہیں
گزارے تیرے سنگ جو لگا کے تجھے انگ جو
وہ مسکانا تیرا وہ شرمانا تیرا
دسمبر کا سماں وہ بھیگی بھیگی سردیاں
وہ موسم کیا ہوا نا جانے کہاں کھو گیا بس یادیں......

وہ شرارت سے بھری سرمئی آنکھیں ان سبز آنکھوں کا طواف کر رہی تھیں۔ جس چہرے پر اسی ٹھنڈی رات کی کہانی لکھی تھی۔ وہ سبز آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ گھنیری پلکوں کی باڑ سجدہ ریز تھیں۔ زرمیل نے جانثار نظروں سے اس کا جھلملاتا چہرہ دیکھا تھا۔
''کیا خیال ہے دوبارہ چلیں۔'' عارفین نے کان میں ہولے سے سرگوشی کی تھی۔
''کہاں؟'' زرمیل نے سوالیہ نظروں سے پوچھا تھا۔
''اسلام آباد، اسی ہوٹل کے اسی بیڈ روم میں جہاں سے یہ کہانی شروع ہوئی تھی۔'' زرمیل نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔
''اپنی خیر چاہتا ہے تو فضول گوئی سے پرہیز کرنا۔'' عارفین نے کچھ نہیں کہا بس ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ اس کی ہنسی پر زرمیل تھوڑا جھینپ سا گیا تو عارفین کو ہنسنے کا اور موقع مل گیا۔
''کیا بکواس ہے۔'' وہ جھنجلا کے رہ گیا۔
''یار! قسم سے آج پہلی بار تجھے اس طرح جھینپتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔'' اس کی تو ہنسی ہی نہیں رک رہی تھی۔
''دیکھ اگر تو چپ نہیں ہوا تو تیرا یہ گیٹار تیرے سر پر دے ماروں گا۔'' زرمیل نے گیٹار اوپر اٹھایا۔
''اچھا...... اچھا سوری تو میرا یہ گیٹار دے دے یہ میرا فیورٹ ہے۔'' یکدم ہی اس کی ہنسی کو بریک لگا تھا اور اس نے سنجیدہ ہو کر زرمیل سے گیٹار لے لیا تھا مگر ہنسی کا فوارہ پھر سے ابل پڑا تھا۔ زرمیل وہاں سے اٹھنے لگا تھا کہ عارفین نے پھر سے سوری کہہ کر اسے واپس بٹھا دیا تھا۔
''اب باری عارفین کی ہے۔'' ثمرن نے کہا۔
''مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے مگر سوچ لو تم لوگوں کو نیند آ جائے گی۔''
''بے فکر رہو ہم سب تمہاری بے سری آواز کے عادی ہیں اور تمہاری ہی طرح نہایت ڈھیٹ ہیں۔'' ارشد نے چٹکلہ چھوڑا۔
''اچھا میں بے سرا ہوں ٹھیک ہے ذرا تم بھی اپنے سُر بکھیر دو اس محفل میں۔''

''ابھی تو باری فی الحال تمہاری ہے اور ویسے بھی میں اپنے دو بچوں کو سنبھال رہا ہوں۔'' ارشد نے اپنی گود میں اپنے ٹوئنز بچوں کی طرف اشارہ کیا۔
''عارفین! فکر مت کرو تمہارے بعد ارشد کی باری ہے۔ کیوں کہ یہ بے سروں کا سردار ہے۔'' حسن آفریدی کے کہنے پر محفل زعفران بن گئی تھی۔
عارفین نے مسکراتے ہوئے مقسوم کو دیکھا اس کے دیئے ہوئے سوٹ میں اس کی چھب ہی نرالی لگ رہی تھی۔ وہ مکمل حسن کا شاہکار لگ رہی تھی۔
''اس کی انگلیاں خود بخود گیٹار کی تاروں پر تھر کنے لگی تھیں اس خوب صورت سی دھن نے مقسوم کو اپنے گرد لپیٹ لیا تھا۔ شیراز کا یہ گیت پوری محفل کی جان بن گیا تھا۔
خدا کو دکھ رہا ہوگا نہ دل تجھ سے جدا ہوگا
تیری تقدیر میں مجھ کو وہ اب تو لکھ رہا ہوگا
باقی کے جتنے بھی مصرعے تھے عارفین نے گیٹار کی دھن پر ہی گائے تھے۔ پوری محفل اس کی دھن کے سحر میں جیسے کھو سی گئی تھی۔ مقسوم بھی اسی دھن میں کھو گئی تھی آج اس کا درد جیسے چیخ چیخ کر اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔
زرمیل نے بغور عارفین کو دیکھا تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے اپنے دل کا درد اپنے اس گیت میں عیاں کیا ہو۔ اس نے مقسوم کو دیکھا جس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں مگر ایسا لگا جیسے ان سیاہ کانچ میں نمی سی بھر گئی ہو۔
اس کا مطلب ہے معاملہ ٹھیک نہیں ہے کچھ تو گڑ بڑ ہے۔ زرمیل نے خود سے ہی کہا تھا مگر ساتھ بیٹھے سلجوق آفریدی کی تیز سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا۔
''کچھ نہیں بہت زیادہ۔ عارفین جیسا اسٹون مین بہت بڑے دکھ سے گزر رہا ہے۔ ہم اس کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔'' زرمیل نے افسردہ نظروں سے عارفین کو دیکھا۔
''یار یہ اس کا پرسنل افیئر ہے ہم کیا مدد کریں۔''
''ہوں...... '' وہ پرسوچ نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔
عارفین سب کو مسکرا مسکرا کے تعریفیں سمیٹ رہا تھا۔ سب سے نظر ہوتی ہوئی جب نظر زرمیل پر ٹھہری تو ہونٹوں کی مسکراہٹ ہونٹوں کی تراش میں ہی دم توڑ گئی تھی۔ زرمیل کی سنجیدہ صورت دیکھ کر وہ سمجھ سکتا تھا کہ زرمیل اسے کتنا جانتا ہے۔
''عارفین۔'' زرمیل نے سنجیدگی سے اسے پکارا تھا۔
''ہوں۔''
''میں تجھے بچپن سے جانتا ہوں تو کیوں خوش ہوتا اور کس بات پر اداس۔ تیری زندگی کے سارے اوراق میرے سامنے ہیں۔''
''جانتا ہوں میں۔''
''تو نے مقسوم کو منانے کی کوشش نہیں کی۔''
''تجھے پتا ہے یہ لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں ان کا دل بہت حساس ہوتا ہے۔ ذرا سی ٹھیس لگنے سے چکنا چور ہو کر بکھر جاتا ہے۔'' اس کی نظر مقسوم کے چہرے میں ہی الجھی ہوئی تھیں۔
''مگر جب انہیں پیار سے اپنی طرف کرو تو پھر یہ تمہارے ہی گن گاتی ہیں۔ نا صرف بلکہ اپنا سب کچھ تم پر

نچھاور بھی کر دیتی ہیں۔'' زرمیل نے اشارے میں اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا اور عارفین اتنا نا سمجھ نہیں تھا کہ وہ اس کا اشارہ نہیں سمجھ پاتا۔

''عارفین بیگ بزنس ٹائیکون ہر فیلڈ میں کامیاب اعلیٰ عہدے پر فائز پھر اپنی ازدواجی زندگی میں ناکام کیوں۔'' سلجوق آفریدی کو بھی بہت دکھ ہوا تھا عارفین پر۔ وہ اندر سے کتنا اکیلا اور تنہا تھا۔

''میں زبردستی پر یقین نہیں کرتا مگر اسے میری کمزوری بھی مت سمجھنا۔ مقسوم کو حاصل کرنے میں مجھے کوئی مشکل نہیں مگر زور زبردستی کر کے میں اس کا اعتماد اس کا بھرم نہیں توڑنا چاہتا اس کی انا اس کی نسوانیت کو ٹھیس پہنچا کے اسے ریزہ ریزہ نہیں کرنا چاہتا۔''

''یار! یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی مقسوم تیری بیوی ہے۔ تو نے اس کی اتنی مدد کی ہے۔ تو اس سے بات تو کر کے دیکھ۔ یوں اکیلا اور تنہا رہ کر کب تک اس کی پیش قدمی کا انتظار کرے گا۔'' زرمیل زچ ہو گیا تھا عجیب ہی لگی تھی اس کی لوجک۔

''تو کیا ہوا اگر مدد کی تو وہ میری بیوی ہے میری عزت میری غیرت اور میں اس سے اس کا معاوضہ وصول کر کے اسے اسی کی نظروں میں بھی نہیں تو گرا سکتا۔'' عارفین ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ زرمیل کے چہرے پر غصے کی لالی سی چھلکنے لگی تھی۔

''حد ہے بھئی تو زندگی ایسے ہی اپنی الگ الگ مسجد بنا کے کاٹ دو گے۔''

''زرمیل!'' سلجوق آفریدی نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کول ڈاؤن، اگر عارفین کچھ کہہ رہا ہے یا سوچ رہا ہے تو یقیناً اس میں کوئی وجہ ہو گی۔''

''مگر یار سلجوق! یہ غلط ہے۔''

''چھوڑ نا یار! کیوں محفل خراب کرنا چاہتا ہے۔'' سلجوق آفریدی نے اس کو پرسکون کرنا چاہا عارفین ہولے سے ہنس دیا تھا۔

''اب سمجھ میں آیا کہ ژالے کیوں تیرے عشق میں مبتلا ہے۔ اوہ بھائی میرے اب تو اپنا غصہ چھوڑ دے۔''

''بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے زیادہ۔'' زرمیل تھوڑا خفیف سا ہو گیا تھا۔ عارفین کی بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

''دیکھ ذرا مایوں تیری ہے اور شرما یہ رہا ہے۔'' عارفین نے جان کر چھیڑا بہت آسانی سے اپنی طرف سے رخ موڑ دیا تھا۔

''اگر آپ لوگوں کی میٹنگ ختم ہو گئی ہے تو گیٹار سلجوق بھیو کو تھما دیجیے۔'' حنین آفریدی نے زور سے ہانک لگائی تھی۔ تینوں نے ایک ساتھ حنین آفریدی کو دیکھا۔

''مجھے مگر وہ کیوں؟''

''وہ اس لیے کہ آپ کی مایوں ہے اور آپ ہی کوئی گانا نہ گائیں تو مزہ کچھ خاک آئے گا۔'' ژالے نے بھی وہیں سے بیٹھے بیٹھے انجوائے کیا۔

''بہنا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر میری آواز واقعی میں اتنی اچھی نہیں ہے۔''

''ہم جانتے ہیں کہ یہ آواز باتھ روم میں گانے والی ہے مگر ہم کیا کر سکتے ہیں مجبوری ہے برداشت کر لیں گے۔'' ارشد نے چھیڑ چھاڑ میں حصہ لیا تھا۔ سلجوق آفریدی نے ارشد کو گھور کر دیکھا۔

''تو فکر مت کر ہم ارشد کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ کیوں کہ جتنی بے سری آواز تیری ہے اس سے کہیں زیادہ پھٹا ہوا ڈھول ارشد ہے۔'' زرمیل نے سلجوق آفریدی کے ہاتھ میں گیٹار تھمایا۔

''یہ تو میرا ساتھ دے رہا ہے یا میری بے عزتی کر رہا ہے۔'' سلجوق آفریدی نے دانتوں کو بھینچ کے زرمیل کو دیکھا۔

''میرا خیال ہے دونوں......'' عارفین نے کہا۔

''ٹھیک ہے دیکھ لوں گا تم دونوں کو بھی۔''

''سلجوق...... سلجوق......'' سب کے نعرے لگنا شروع ہو گئے تھے۔

''آل رائٹ...... آل رائٹ۔ اب کیا کر سکتا ہوں کہ تم لوگوں کو جب اپنے سر میں درد کرنے کا بہت شوق ہے تو۔''

''ڈونٹ وری دو گولی ڈسپرین۔'' ارشد کے کہنے پر سلجوق آفریدی مسکرا دیا اور پھر گیٹار سنبھال کر متلاشی نظر ادھر ادھر دوڑائی۔ بالآخر وہ پری وش اسے مل ہی گئی۔ جو ژالے کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ وہ شاید بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ژالے نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

''ژالے کی بچی ہاتھ چھوڑ دے ورنہ مار کھائے گی۔''

''چپکی بیٹھی رہو۔ کبھی کبھی تو ایسا موقع ملتا ہے اور تو فکر مت کر زیادہ بھاری نیگ وصول کرنے کا یہ نادر موقع کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ بہت چہک رہے تھے نا کہ ہمارے ہاں مایوں میں نہیں برائت اور ولیمہ میں نیگ دیا جاتا ہے تو دیکھ چھوڑوں گی نہیں میں انہیں۔'' حرا گھورنے کے سوا کچھ نہیں کر سکی۔

''یہ بات ہے تو ژالے آپی میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔'' لاروش اغولان نے حرا کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''یہ تم ہماری طرف سے ہو یا ان کی طرف سے؟'' ژالے نے لاروش اغولان کو اچنبھے سے دیکھا۔

''میں دونوں طرف سے رخصتی کے وقت تو میں وہاں ہوں گی نا سلجوق بھیو کو اندر جانے نہیں دوں گی۔''

''وری گڈ یہ ہماری دیورانی پلس دوست ہیں۔'' حرا نے لاروش اغولان کو ایک چٹکی بھری۔

''ارے ہاں لاروش! تم کتنی تیز ہو ہمیں ہوا تک لگنے نہیں دی کہ حرا کے دیور سے تمہارا نکاح پہلے ہی ہو چکا ہے۔''

''اور ہم سمجھتے رہے کہ روز روز حسنین صاحب اپنی بھابی سے ملنے آتے تھے وہ تو بعد میں پتا چلا کہ دن میں دس چکر لاروش کے لیے لگتے تھے۔'' حرا نے بھی رگیدا۔

''بھئی بہت لمبی کہانی ہے پھر کبھی کے لیے رکھو ابھی تو سلجوق بھیو حرا بھابی کے لیے گانا سنانے والے ہیں۔'' لاروش اغولان نے جلدی سے دونوں کی توجہ اپنی سمت سے ہٹا کے سلجوق آفریدی کی سمت لگائی جو گیٹار پر دھن بجانے لگا تھا۔

''بہت چالاک ہو تمہیں تو میں بعد میں دیکھتی ہوں پہلے ذرا ان دونوں سے نمٹ لوں۔'' ژالے نے ہلکے سے لاروش اغولان کے بازو پر چپت لگائی تھی۔ لاروش اغولان ہونٹوں کو دانتوں میں دبائے مسکرا دی۔

سلجوق آفریدی نے گانا شروع کر دیا تھا۔

آپ سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے شعر پڑھنے لگے گنگنانے لگے
پہلے مشہور تھی اپنی سنجیدگی اب تو جب دیکھیں مسکرانے لگے

''بس خدا کے واسطے بس کر، ورنہ نصرت فتح علی خان صاحب کی روح یہاں آ کر یہی گیٹار تیرے سر پر دے مارے گی۔'' ارشد زور سے چیخا تھا۔ سب کی زوردار ہنسی نے سلجوق آفریدی کو کچھ خفیف سا کر دیا تھا۔

''او بھائی پلیز! مجھے میرا گیٹار دے دے، میں تو تجھے دیکھ دیکھ کر ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی تار وار نہ ٹوٹ جائے۔''

عارفین نے سنجیدگی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے سلجوق آفریدی کے ہاتھ سے گیٹار لے لیا تھا اور اسے چیک کرنے لگا تھا۔

''میرے یار! لندن سے منگوایا ہے ابھی کچھ ماہ پہلے۔ بہت نزاکت سے چلاتے ہیں اسے مگر تو اس طرح اسے چلا رہا تھا جیسے بارڈر پر ریوالور چلا رہا ہو۔''

''سلجوق! تمہاری آواز تمہارے باتھ روم تک ہی ٹھیک ہے۔'' یہ حسن تھا جس نے حنین آفریدی کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کہا۔

''سلجوق! اللہ کا واسطہ ہے یار میری بہن پر رحم کرنا کبھی اس کے سامنے گانا گانے مت بیٹھ جانا، وہ تو ویسے ہی بہت ڈرپوک ہے یا تو رونے لگے گی یا پھر بے ہوش ہو جائے گی۔'' زرمیل بھی خوب چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

''سلجوق بھائی! آپ کیپٹن کے عہدے پر ہی پرفیکٹ ہیں۔ کبھی سنگر بننے کا سوچیے گا بھی مت ہم تو ڈر رہے تھے خدانخواستہ کہیں آسمان سے بجلی نہ گر جائے۔'' ژالے نے مذاق کرتے ہوئے سلجوق آفریدی کو دیکھا۔

ہر کوئی اپنے کمنٹس دے رہا تھا مگر سلجوق آفریدی کے ماتھے پر معمولی سی بھی شکن نہیں آئی وہ کسی کی بھی بات کا برا نہیں منا رہا تھا۔

''ہاں تو کس نے کہا تھا کہ مجھ سے گانا گانے کی فرمائش کرو میں تو منع کر رہا تھا۔''

''ہمیں اتنا اندازہ تھوڑی ہی تھا کہ ہمارے سر میں درد ہو جائے گا۔ اب کوئی خواتین میں سے ایک جائے اور سب کے لیے اچھی سی چائے بنا کر لائے۔'' عارفین پر مزاح لہجے میں کہتے ہوئے زرمیل کو ایک آنکھ دباتے ہوئے سلجوق آفریدی کو دیکھنے لگا مگر ساتھ ہی اپنے دردِ سر کی دہائی بھی دی۔

''میں لے کر آتی ہوں سب کے لیے چائے۔'' لاروش اغولان اپنی جگہ سے اٹھی۔

''لاروش اغولان میرے لیے کچھ کھانے کو بھی لیتی آنا سلجوق بھو کے گانے سن کر میرے پیٹ کے چوہے بھی بریک ڈانس کرنے لگے ہیں۔'' حنین آفریدی نے ہانک لگائی۔ لاروش اغولان نے پلٹ کر حنین آفریدی کو گھور کر دیکھا۔

''سب سے پہلے اپنے کھانے کی فکر ہو جاتی ہے ابھی تو اتنا کھایا ہے۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی اور اس کی بڑبڑاہٹ ثمرن نے سنی تھی وہ ہولے سے ہنس دی۔

''تم ایک کام کرو، فریج میں چکن کے کباب رکھے ہیں سب کو میکرو ویو میں گرم کر کے لے آؤ۔'' لاروش اغولان نے ثمرن کو شرمندگی بھری نظروں سے دیکھا۔

''کوئی بات نہیں جب پتا ہے کہ وہ کھانے پینے کا شوقین ہے تو گھبراتے نہیں ہیں۔''

''سوری ثمرن آپی!''

''اٹس او کے جاؤ جلدی سے لے آؤ۔'' وہ دھیمی سی مسکراہٹ لیے بولی۔

''یہ بات بھی حقیقت ہے کہ میں سلجوق کے گیٹار بجانے سے ہی ڈر گیا تھا۔ سلجوق نے سُر لے سب ایک ساتھ ملا دیا تھا۔'' حسن آفریدی نے پھر اسے چھیڑا تھا۔

''خود کو بہت تان سین کے بھتیجے سمجھ رہے ہو نا ذرا یار حسن کو گیٹار تو دو۔'' اب کی بار سلجوق آفریدی چپ نہیں رہا تھا۔

''سلجوق بھو! یہ ٹھیک بول رہے ہیں انہیں سُر لے کی بہت سمجھ ہے۔ امریکہ سے باقاعدہ کلاسیکل کا کورس کر

کے آئے ہیں۔ آپ انہیں ہلکا مت سمجھئے۔'' حنین آفریدی کے انکشاف پر سب نے حیرت سے حسن آفریدی کو دیکھا مگر وانیہ اور سلجوق آفریدی واحد تھے جنہوں نے نہایت چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں حسن کے بارے میں بہت جانکاری ہے۔'' سلجوق آفریدی نے حنین آفریدی کو دیکھتے ہوئے حسن آفریدی کو پہچانتی نظروں سے جانچا تھا۔ حنین آفریدی گڑبڑا کے رہ گیا۔

''کہیں وہ زیادہ بولنے کے چکر میں کچھ سچائی تو نہیں اگل گیا۔

''ہاں تو تمہیں نہیں پتا پورا پورا وقت یہ یہیں پایا جاتا تھا۔'' زرمیل کے انکشاف پر اس نے تفتیشی نظروں سے حنین آفریدی کو دیکھا۔ سلجوق آفریدی کے اس طرح دیکھنے پر وہ بغلیں جھانکنے لگا تھا۔

ادھر لڑکیوں کے بیچ بیٹھی وانیہ جس کی نظر حسن آفریدی پر ہی تھیں۔ ''کچھ بھی تو فرق نہیں تھا آفریدی اور حسن کی باڈی میں سوائے اس چہرے کے یہاں تک کہ اس کی بلوریں آنکھیں بھی آفریدی کی طرح تھیں۔ کچھ ایسا تھا جو بار بار دل کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''آفریدی نے بھی تو امریکہ سے کلاسیکل کا کورس کیا تھا۔'' وہ یہ سب خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''یہ خبر تو زبردست ہے تو پھر حسن ایک گانا اور ہو جائے۔'' عارفین نے گیٹار اس کو تھما دیا جو حسن آفریدی نے مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا۔

اس دوران لاروش اغولان گرم گرم چائے کے ساتھ کباب بھی لے آئی تھی اور اسی ٹرے میں ایک کانچ کے چھوٹے پیالے میں مایونیز اور کیچپ رکھا تھا جو اس نے حنین آفریدی کے آگے رکھ دی۔

''یہ ہوتی ہیں سگھڑ بیویاں۔''

''جی ہاں میں جانتی ہوں کہ آپ سے زیادہ یہاں کوئی چٹورا نہیں اس سے پہلے آپ مجھے یہ لینے دوبارہ دوڑاتے میں خود ہی لے آئی۔'' اس نے تپ کر دیکھا تھا۔

''تھینکس۔'' حنین آفریدی ڈھٹائی سے ہنسا اور کباب کو مایونیز اور کیچپ سے لگائے کھانا شروع ہو گیا تھا۔

''ہنی بھیو آپ گانا گانا تو شروع کریں۔''

''کیوں تم اپنے ہنی بھیو کو کباب نہیں کھلاؤ گے۔'' سلجوق آفریدی بلا کی سماعت رکھتا تھا اور اس وقت تو ویسے بھی اس کا پورا وجود حنین آفریدی اور حسن آفریدی کے لیے سماعت بنا ہوا تھا۔ حنین آفریدی نے نہایت چونک کر سلجوق آفریدی کو دیکھا۔

سب چائے پینے میں لگے ہوئے تھے۔ کسی نے ان کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

''یار حسن! شروع کرو۔'' ارشد نے چائے کا ایک سپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

حسن آفریدی نے ایک بار پھر گیٹار سنبھال لیا تھا اور جو دھن بجا رہا تھا عارفین سمجھ گیا تھا۔

کیونکہ یہ گانا اس کا بھی فیورٹ ہی تھا۔ ''میری قسمت کے ہر ایک پنے پر میرے جیتے جی بعد مرنے کے میرے ہر ایک پل ہر لمحے میں تو لکھ دے میرا اسے۔

جہاں عارفین نے مسکرا کے وکٹری کا نشان بنایا تھا۔ وہیں شک کی گھنٹیاں پھر سے بجنا شروع ہو گئی تھیں آہستہ آہستہ اس کے شک کو یقین کی زبان مل رہی تھی۔

وانیہ اپنے شک کو یقین کو سچ ثابت کرنا چاہتی تھی اور اس کا صرف اب ایک آخری حل تھا۔

سب حسن آفریدی کی خوب صورت آواز میں کھوئے ہوئے تھے مگر ایک اور شخص تھا جو بغور حسن آفریدی کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ تھا سلجوق آفریدی۔

اس کی بلوریں آنکھیں اور حنین آفریدی کی بلوریں آنکھیں ایک جیسی تھیں حنین آفریدی کا حسن آفریدی سے یوں بے تکلف ہو کر بات کرنا اس کا دماغ ٹھٹکا تھا۔

وانیہ چپکے سے ژالے کے برابر سے اٹھی تھی اور بنا وقت ضائع کیے وہ اندر کی طرف بڑھی تھی۔

حسن آفریدی کی آواز پورے لان میں گونج رہی تھی۔

وانیہ نے اس کے بیڈروم میں قدم رکھا تھا۔ سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کے سارے بٹن آن کر دیے تھے۔ پورا کمرہ کمرے کی ہر ایک شے روشنیوں میں نہا گئی تھی۔ پورے بیڈروم پر اس نے ایک طائرانہ نظر ڈالی تھی۔ جہازی سائز بیڈ تھا اس کے سامنے ہی تھری ڈور الماری رکھی تھی۔ ایک بڑی سی کانچ کی ٹیبل تھی جس پر اس کے آفس کے کچھ کاغذات فائلز وغیرہ رکھی تھیں۔ دبیز کارپٹ جس کے اندر اس کا آدھا پیر دھنس گیا تھا۔ آف وائٹ کرٹن جو اس بیڈروم کی خوب صورتی کو مزید بڑھا رہے تھے اس نے ایک سانس لی اور سب سے پہلے کانچ کی ٹیبل کی سمت بڑھی۔ وہاں رکھے ہر کاغذ کو اس نے دیکھنا شروع کیا تھا جلدی جلدی جو کام کے نہیں تھے اس کے وہ نیچے کارپٹ پر پھینکتی چلی گئی۔ اب باری تھی وارڈروب کی تینوں پٹ ایک ساتھ کھولے ایک ایک شرٹ، ٹی شرٹ، جینز ہینگر سب اس نے نکال کے سائیڈ میں پھینکنے شروع کر دیے۔ ساری درازیں کھولیں ایک دراز میں البم رکھی تھی۔ بلیو ویلوٹ کے کور والی وہ البم اس نے نکال لی تھی البم کھولی جہاں فرنٹ پر ہی اس کی تصویر چسپاں تھی۔ وہ آگے بڑھی ہر تصویر کو دیکھتی چلی گئی۔ سارے راز افشاں ہوتے چلے گئے تھے۔ ایک تصویر میں آفریدی اور وانیہ تھی یہ جب کی تصویر تھی۔ جب آفریدی نے زبردستی اس سے نکاح کیا تھا۔ ایک تصویر اس میں وہ ارشد کے ساتھ بھی کھڑا تھا۔

''تو حسن ہی آفریدی ہے۔'' دل کو زبردست دھکا لگا تھا۔ شاکڈ لگا تھا۔ شک کی یقین کی ساری گرہیں خود بخود کھلتی چلی گئی تھیں اس کے ہاتھ سے البم گر گیا تھا۔

جو دوسری دراز کھولی تو وہاں اس کا والٹ رکھا تھا۔ وانیہ نے وہ اٹھا لیا تھا۔ اسے کھولا۔ اس میں پیسے رکھے تھے، کریڈٹ کارڈ، اے ٹی ایم کارڈ اور دو NIC کارڈ رکھے تھے۔ ایک نیا اور ایک پرانا، اس نے ساری چیزوں سمیت والٹ وہیں پھینک کر دونوں NIC کارڈ ہاتھوں میں لے کر بغور دونوں کو پڑھا، کچھ فرق نہیں تھا۔ سوائے اس چہرے کے۔

ایک کارڈ اور بھی ملا تھا جس پر موبائل نمبر لکھا تھا۔ ذہن پر زور ڈالا تو یہ وہ نمبر تھا جس پر نوری بار بار فون کرتی تھی اور جب وانیہ وہاں آجاتی تو فوراً لائن بھی کاٹ دیا کرتی اسے نوری پر شک سا ہو گیا تھا۔ جس کا اس نے اظہار بھی کر دیا تھا۔ اسی شک کو یقین میں بدلنے کے لیے اس نے نوری کا چپکے سے موبائل سے سم کارڈ نکال کر کوئی اور سا لگا دیا تھا۔

''اے خدا...... اے خدا...... جب بنا اس کا ہی بنا۔''

(جاری ہے)

بسمہ ناز

مکمل ناول

یہ محبت بھی عجب ہوتی ہے

''السلام علیکم زیان بھائی!''
''وعلیکم السلام کیسی ہو عرج؟'' زیان نے جو Laptop پر بزی تھا خوش اخلاقی سے سلام کا جواب دیتے



ہوئے حال طلب کیا۔
''ٹھیک ہوں بھائی! میں تو روز ہی یہاں آتی ہوں اور آپ ہمیشہ پوچھتے ہیں کیسی ہو۔''
''ارے! چلو بھئی ٹھیک ہے اگر تم کو برا لگتا ہے تو آئندہ نہیں پوچھوں گا اب خوش۔'' زیان نے عرج کو ستانے کے لیے ناراضی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔
''نہیں، نہیں بھائی! میں آپ کی بات کا کیسے برا مان سکتی ہوں۔'' عرج جو زیان کے ناراض ہونے سے گھبرا گئی تھی فوراً صفائی دیتے ہوئے بولی۔
''تو چندا! میں بھی تو مذاق کر رہا تھا اچھا یہ بتاؤ آج تم کیا لے کر آئی ہو، بہت مزیدار خوشبو آ رہی ہے۔''
زیان نے عرج کی شرمندگی دور کرنے کے لیے فوراً ہی دوسرا ٹاپک اسٹارٹ کیا۔
''جی زیان بھائی! آج میں نے پیزا اور کچے قیمے کے کوفتے بنائے ہیں۔ ٹیسٹ کر کے بتائیں کیسے بنے ہیں۔'' عرج نے اپنے ہاتھ میں پکڑی دونوں ڈشز کو زیان کے سامنے موجود ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔



''ہم م م م خوشبو تو بڑی لذیذ آ رہی ہے۔'' زیان نے پیزا کو دیکھتے ہوئے تعریفی کلمات ادا کیے جس پر عرج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''زیان بھائی! آنٹی ایان اور صدف کہاں ہیں۔''

''امی نماز پڑھ رہی ہیں، ایان سو رہا ہے اور صدف روٹیاں بنا رہی ہے۔'' زیان جو کہ پیزا اور کوفتے کھانے کے لیے لیپ ٹاپ آف کر رہا تھا نے مصروف انداز میں جواب دیا۔ اتنے میں آنٹی (صابرہ بیگم، زیان کی امی) روتے ہوئے ایان کو لے کر ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ عرج نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا اور روتے ہوئے ایان کو ان کی گود سے لے کر خود سے لگا لیا۔ ایان اس کی گود کا لمس محسوس کر کے چپ ہو گیا اور اسی کی گود سے لگے لگے تقریباً 10 منٹ بعد دوبارہ سو گیا اور عرج اسے آنٹی کے روم میں لٹا کر دوبارہ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔ صابرہ بیگم نے عرج کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور مسکراتی آنکھوں سے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

''کیا بات ہے عرج! بڑا پیار ہو رہا ہے دونوں میں۔'' صدف روٹیاں پکا کر فارغ ہوئی تو سیدھی وہیں آ گئی اور امی کا عرج کو اس طرح پیار کرتے دیکھ کر جلنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی۔

''عرج ہے ہی اتنی پیاری اور معصوم کے ہر کسی کو اس پر پیار آ جائے۔'' عرج کے بجائے صابرہ بیگم نے جواب دیا تو عرج بے ساختہ مسکرا دی۔

''اوئے عرج کی بچی تیرا پیزا کہاں ہے صبح تو نے کہا تھا آج پیزا بنائے گی۔'' صدف کو اچانک ہی یونیورسٹی میں کہی عرج کی بات یاد آئی تو عرج کے خالی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ رہا پیزا اور ساتھ میں کچے قیمے کے کوفتے زیان بھائی کے فیورٹ۔'' عرج نے جلدی سے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ صدف اس پر چڑھ دوڑے۔

''کہاں کا فیورٹ یار! جب سے تو نے کوکنگ کورس کر کے اچھے اچھے کھانے بنانے شروع کیے ہیں زیان بھائی کا تو کچھ فیورٹ رہا ہی نہیں، انہیں تو تیرے ہاتھ کی بنی ہر چیز ہی پسند ہے۔'' صدف نے دونوں ڈیشوں کا معائنہ کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ساتھ پلیٹ میں نکالنے لگی، اتنے میں زیان بھی ٹی وی لاؤنج میں آ گیا جو صابرہ بیگم کے اندر آتے ہی لیپ ٹاپ اپنے کمرے میں رکھنے چلا گیا تھا۔ پھر سب نے ساتھ بیٹھ کر ڈنر کیا۔

☆......☆

عبداللہ صاحب اور نعمانہ بیگم کے دو ہی بیٹے تھے۔ ان کا اپنا کپڑے کا کارخانہ تھا جو ترقی کر کے فیکٹری بن چکا تھا۔ ان کے بڑے بیٹے (اکبر) اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے اور چھوٹے بیٹے افضل کو سپاہی بننے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ البتہ انہوں نے یہ شوق پورا بھی کر لیا تھا۔ اکبر صاحب کی شادی بھی اپنی خالہ زاد نرگس بیگم سے ہوئی تھی۔ ان کے چار بچے تھے وقاص، وہاب، نوشین اور سب سے چھوٹی افشین جب کہ افضل صاحب کی شادی ان کی مرضی کے مطابق ان کی کلاس فیلو (رابعہ) سے کی گئی۔ افضل صاحب اپنی شادی سے بہت خوش تھے۔ وہ اپنی بیوی سے بے پناہ محبت کرتے تھے مگر شادی کے ایک ماہ بعد جب رابعہ بیگم نے طلاق کا مطالبہ کیا تو افضل صاحب کے ساتھ ساتھ ان کے والدین کو بھی شدید صدمہ لگا۔ رابعہ کا کہنا تھا کہ وہ اپنے کسی کلاس فیلو کو پسند کرتی ہیں مگر ان کے والدین نے ان کی شادی زبردستی افضل صاحب سے کروا دی مگر اب وہ مزید ان کے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ افضل صاحب طلاق دینے پر کسی طور راضی نہیں تھے جب کہ رابعہ

بیگم ہر صورت میں طلاق چاہتی تھیں۔ اسی لڑائی جھگڑے میں ایک دن عبداللہ صاحب چپ چاپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے مگر گھر کے ماحول میں ان کی وفات سے کوئی تبدیلی نہ آئی جھگڑوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اسی دوران رابعہ بیگم نے خودکشی کرنے کی کوشش کی مگر جب انہیں اسپتال لایا گیا تو پتا چلا کہ رابعہ بیگم ماں بننے والی ہیں اور اپنے اسی بچے کو مارنے کے لیے انہوں نے نیند کی گولیاں کھائی ہیں۔ افضل صاحب کو یہ سن کر بڑا دھچکا لگا اور رابعہ بیگم کو خوب سنائیں مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے اپنے بچے کو مارنے کی تین سے چار بار کوشش کی تھی جس کی وجہ سے افضل صاحب کو چھٹیاں لے کر ان کی نگرانی کرنے کے لیے کراچی آنا پڑا۔

رابعہ کی اوٹ پٹانگ حرکتوں کے باوجود ان کے اندر پلتے وجود پر آنچ نہیں آئی تھی۔ بالآخر تنگ آکر رابعہ بیگم نے کھانا پینا چھوڑ دیا، افضل صاحب اپنی بیوی اور ہونے والے بچے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ انہوں نے رابعہ بیگم کے آگے ہاتھ جوڑے، پیر پکڑے، بہت منت کی مگر وہ کسی طور ان کے بچے کو جنم دینے کے لیے تیار نہ تھیں۔ آخر کار بیوی کی اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے کہہ دیا کہ جس دن وہ ان کے بچے کو جنم دیں گی اسی دن افضل صاحب کی طرف سے انہیں طلاق ہو جائے گی۔ افضل صاحب کی اس بات کو سن کر رابعہ بیگم بہت خوش ہوئیں اور اپنا بہت خیال رکھنے لگیں۔ رابعہ بیگم کا یہ بدلہ بدلہ روپ دیکھ کر سب بہت خوش تھے لیکن خلاف توقع افضل صاحب کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر نغمانہ بیگم نے ایک دن بیٹے سے پوچھ ہی لیا۔ افضل صاحب کو جب ماں کی ہمدردی ملی تو انہوں نے سب کچھ رو رو کر ماں سے کہا۔ نغمانہ بیگم سے یہ صدمہ برداشت نہیں ہوا اور ان کی دماغ کی رگ پھٹ گئی اور دو دن بعد وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

☆......☆

افضل صاحب کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ رابعہ بیگم اس معصوم بچی کو افضل صاحب کی گود میں ڈال کر ہمیشہ کے لیے چلی گئی تھی۔ اس ایک سال میں افضل صاحب کی زندگی میں بہت کچھ بدلہ تھا زندگی کے سارے غم اسی ایک سال میں انہیں ملے تھے مگر اپنی بیٹی کو دیکھنے کے بعد سارے غم ایک طرف ہو گئے تھے۔ اپنی اس ننھی پری کا نام انہوں نے عرج رکھا تھا اور خود سے عہد کیا تھا کہ اب صرف اس پری کے لیے زندہ رہنا ہے۔

سعید صاحب افضل صاحب کے بڑے گہرے دوست تھے اور اپنے دوست کا دکھ بانٹنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ سعید صاحب کی بیوی صابرہ بڑی نیک خاتون تھیں۔ ان کے تین بچے تھے سب سے بڑی سائرہ پھر زیان اور پھر صدف (عرج سے دو سال بڑی) سعید صاحب اسلام آباد میں رہتے تھے۔ عرج کی پیدائش کے بعد افضل صاحب بھی اپنا کراچی کا گھر چھوڑ کر اسلام آباد ہی شفٹ ہو گئے تھے۔ افضل صاحب کا گھر سعید صاحب کے گھر کے بالکل سامنے ہی تھا۔ افضل صاحب جب بھی جاب کے سلسلے میں آؤٹ آف کنٹری جاتے عرج کو صابرہ بیگم کے گھر ہی چھوڑ کر جاتے۔ صابرہ بیگم اور سعید صاحب عرج کو اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے۔ سائرہ، زیان اور صدف بھی اس ننھی پری سے بہت پیار کرتے تھے۔ افضل صاحب کے بھائی اور بھابی نے عرج کو بچپن ہی میں اپنے بیٹے وہاب کے لیے مانگ لیا تھا۔ عرج آٹھ سال کی تھی جب سائرہ آپی کی شادی ہوئی۔ صدف، عرج اور زیان تینوں ہی بہت خوش تھے مگر ویسے کے بعد

جب سعید صاحب رسمی طور پر سائرہ کو لینے گئے تو راستے میں ہی ایک بس والے نے انہیں موت کے حوالے کر دیا اور پورا زیان ہاؤس درد و غم سے چور چور ہو گیا۔

☆......☆

''زیان بھائی، چائے۔'' عرج، زیان کا روم ناک کر کے اندر داخل ہوئی اور زیان کو دیکھا جو کبھی کمپیوٹر پر تو کبھی سامنے رکھی فائلز میں بزی تھا۔

''رکھ دو عرج!'' زیان نے کافی مصروف انداز میں کہا۔

''بھائی! آپ بزی ہیں؟'' عرج نے اسے مصروف دیکھ کر آرام سے پوچھا۔

''ہاں بہت زیادہ۔'' زیان نے جواب دیا۔

''اوکے۔'' عرج جس کام سے آئی تھی اسے ترک کر کے واپس جانے کے لیے پلٹی۔

''عرج!'' زیان نے کچھ اندازہ لگا کر اسے آواز دی۔

''جی بھائی۔''

''کوئی کام تھا تمہیں؟'' زیان کی نظریں اب بھی کمپیوٹر پر ہی مرکوز تھیں۔

''نہیں بھائی۔'' عرج نے مختصر جواب دیا۔

''کوئی کام ہے تو بتا دو میں کر دوں گا فری ہو کر۔''

''بھائی وہ ایکچوئیلی کل میرا پیپر ہے فزکس کا۔ ایک کوئچین سمجھنا تھا آپ سے۔''

''کل تمہارا پیپر ہے؟'' زیان نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی۔'' عرج نے مختصر جواب دیا۔

''اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔ اگر میں پوچھتا نہیں تو تم بتاتی بھی نہیں۔'' زیان کی توجہ اب مکمل طور پر عرج پر ہی تھی۔

''بھائی! آپ بزی تھے اسی لیے نہیں بتایا۔'' زیان کے اس طرح ڈانٹنے پر عرج نے صفائی پیش کی۔

''تو تم کون سی بچی ہو جو تمہیں ایک سوال سمجھانے میں تین گھنٹے لگیں گے۔ مشکل سے دس سے پندرہ منٹ ہی لگیں گے۔'' زیان کے غصے میں مزید اضافہ ہوا۔

''سوری بھائی!'' عرج نے اتنی معصومیت سے سوری کہا کہ زیان صرف اسے دیکھ کر ہی رہ گیا اور عرج وہیں کھڑی ہو کر اس کے کچھ کہنے کا انتظار کرنے لگی۔

''اب سوری کہہ کر سو گئی ہو کیا یہیں کھڑی کھڑے کھڑے۔ لے کر آؤ جلدی جرنل اپنا۔'' اسے وہیں کھڑے دیکھ کر زیان نے پھر اسے ڈپٹا۔

''جی بھائی ابھی لائی۔'' کہتی ہوئی فوراً ہی کمرے سے نکل گئی۔

زیان کمپیوٹر آف کر کے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائلز سمیٹنے لگا جب ہی اس کی نظر اپنے ہاتھ میں موجود فائلز پر لکھے نام مسز عالیہ پر پڑی یہ اس کے کسی پیشنٹ کی فائل تھی مگر اس نام سے اس کی کتنی یادیں وابستہ تھیں۔ اس نے فائل سائیڈ میں رکھتے ہوئے دکھی نظروں سے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی اور عالیہ کی شادی کی تصویر کو اٹھا کر دیکھا اور عالیہ کے ساتھ بتائے تمام منظر اس کی آنکھوں میں گھوم گئے۔ جیسے کل ہی کی بات ہو جب وہ شادی کر کے اس کمرے میں آئی تھی اور آج وہ اس سے کتنی دور جا چکی تھی جہاں وہ اس کی ایک جھلک بھی

نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کیا لمحہ تھا وہ جب اس نے اپنی بیوی اپنی محبت اپنی زندگی کو خود سے دور کیا تھا، اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تھا۔ جس سے وہ اونچی آواز میں بات تک نہیں کرتا تھا۔ دل میں ایک درد سا اٹھا تھا، آنکھوں میں جلن محسوس ہوئی تو اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنی سانس کو اپنے اندر اتارا۔

''عالیہ! تم کیوں اتنی جلدی چلی گئیں ابھی تو ہم نے جینا شروع کیا تھا۔ ابھی تو ہم نے خوشیوں کو محسوس کیا تھا۔ ابھی تو ہماری زندگی شروع ہوئی تھی۔ عالیہ تم کیوں ابھی سے ہی چلی گئیں۔''

ابھی وہ اپنی 'کیوں' کا جواب ہی ڈھونڈ رہا تھا کہ عرج اور صدف کمرے میں داخل ہوئیں۔ زیان نے عالیہ کی تصویر بڑے آرام سے اس کی جگہ پر رکھی۔ پھر اپنے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی مگر عرج سے زیان کے آنسو پوشیدہ نہ رہ سکے۔ صدف نے بھی بھائی کی اداسی پہچان لی تھی مگر بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گئی۔

''زیان بھائی! آپ عالیہ بھابی سے بہت پیار کرتے ہیں ناں؟'' زیان جواب خود کو نارمل کر چکا تھا عرج کے سوال پر اسے اداسی سے دیکھا۔

''ہم م م م...... بہت زیادہ تمہیں پتہ ہے عرج! میں نے اور عالیہ نے بہت سارے خواب دیکھے تھے۔ ایک ساتھ جینے کے ہنسنے کے بولنے کے۔'' زیان، عرج کو بتاتے ہوئے خیال کی دنیا میں کھوئے ہوئے دونوں ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال کر دو قدم آگے بڑھا اور اپنے کمرے کا جائزہ لیا جیسے عالیہ آج بھی یہاں موجود ہے مگر کچھ یاد آتے ہی وہ عرج کی طرف پلٹا۔

''مگر وہ خواب صرف خواب ہی رہ گئے عرج! جو کبھی مکمل نہیں ہوں گے۔'' زیان کی آنکھوں اور آواز میں اتنا درد تھا کہ عرج کی آنکھوں میں بھی آنسو جمع ہو گئے۔ عرج کو سمجھ ہی نہیں آیا کہ اس کی دل جوئی کرنے کے لیے کیا کہے۔

''آپ بہت اچھے ہیں بھائی! مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ضرور بہتر کرے گا۔'' عرج کے اس جملے کے جواب میں زیان خاموش ہی رہا۔

''بھائی! ایک بات کہوں آپ سے اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو۔''

''ہاں بولو!'' زیان نے خود کو سنبھال کر نارمل انداز میں کہا۔

''بھائی! آئی نو کہ آپ عالیہ بھابی سے بہت پیار کرتے ہیں لیکن ایان تو بہت چھوٹا ہے ناں ابھی آنٹی بھی آپ کو اتنا فورس کرتی ہیں کہ صرف ایان کے لیے ہی آپ دوسری...... میرا مطلب ہے کہ...... وہ......'' عرج سے اس سے آگے کچھ کہا ہی نہیں گیا کیوں کہ وہ خود بھی جانتی تھی کہ زیان، عالیہ سے کس قدر محبت کرتا تھا اور دوسری شادی کے لیے کبھی راضی نہیں ہوگا۔

زیان، عرج کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا اسی لیے خود سے جواب دیا۔

''عرج! کبھی اگر میں گہرائی میں جا کر سوچتا ہوں ناں تو مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ میں ایان کے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں، اسے ماں کے سائے سے محروم رکھ کر لیکن پھر میں اس لڑکی کے حوالے سے سوچتا ہوں کہ میں اس لڑکی کو کیا دے پاؤں گا جو میری بیوی کی حیثیت سے میری زندگی میں شامل ہوگی۔ جب ایک لڑکی اپنا گھر، اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور اپنے سارے رشتے چھوڑ کر آتی ہے تو اس کے بھی بہت سارے خواب ہوتے ہیں عرج اور ہمارا فرض ہوتا ہے کہ ہم اس کے سارے خوابوں کو پورا کریں۔ اسے خوشیاں دیں مگر

میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے کیوں کہ میں سب کچھ عالیہ کو دے چکا ہوں۔ پھر کیا فائدہ کسی دوسری لڑکی کی زندگی برباد کرنے کا؟ رابعہ آنٹی کے جانے کے بعد کرنل انکل (افضل صاحب) بھی دوسری شادی کر سکتے تھے مگر انکل نے بھی اسی لیے دوسری شادی نہیں کی وہ بھی یہی سوچتے ہوں گے جو میں سوچتا ہوں۔'' زیان کی بات پر عرج نے بنا کچھ کہے صرف بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا۔

''اچھا چلو اب کھولو بک کیا سمجھنا ہے تمہیں، کافی دیر ہوگئی۔'' زیان نے گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو عرج نے اپنی بک کھول کر زیان کے سامنے کی اور خود چیئر پر بیٹھتے ہوئے زیان کو دیکھا اور عرج کے دل نے عرج سے ایک سوال کیا۔'' کیا وہاب کبھی بھی مجھ سے اتنا پیار کرے گا جتنا زیان بھائی عالیہ بھابی سے کرتے ہیں؟'' پھر فوراً ہی دماغ نے جواب دیا'' کیونکہ وہ تو ابھی سے کہتے ہیں کہ وہ مجھ سے بالکل پیار نہیں کرتے اور نہ ہی شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' دماغ کی آواز سنتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ عرج نے جلدی سے ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کیے کہ کہیں زیان نہ دیکھ لے۔

☆......☆

زیان کو ڈاکٹر بننے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور وہ پڑھائی میں بھی ہمیشہ اول ہی آتا تھا مگر سعید صاحب کے انتقال کے بعد یہ خواب جیسے ٹوٹ کر ہی رہ گیا تھا کیوں کہ سعید صاحب کے انتقال کے وقت زیان پندرہ سال کا تھا اور سیکنڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ کراچی میں موجود سعید صاحب کے فلیٹ کو بیچ کر صابرہ بیگم نے بیٹے کا یہ خواب پورا کیا تھا۔ زیان نے اس شعبے میں بھرپور کامیابی حاصل کی اور اسلام آباد میں ایک بہت بڑا اسپتال قائم کیا، جسے زیان اور اس کا دوست ولید ہی دیکھتے تھے۔ ایک دن زیان کے اسپتال میں ایک پیاری سی لڑکی آئی اسے تیز بخار تھا مگر وہ نرس سے انجکشن نہیں لگوا رہی تھی وہ اپنے والدین کی بہت لاڈلی چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ اس کے ماں باپ اسے تین سالہ بچی کی طرح بہلا رہے تھے۔ زیان کافی دیر تک یہ منظر دیکھتا رہا۔ بالآخر جب اس سے رہا نہ گیا تو وہیں چلا آیا۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' زیان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ (زیان وہاں کا بڑا ڈاکٹر تھا اسی لیے کافی رعب تھا اس کا)۔

''سر! انہیں تیز بخار ہے۔ یہ انجکشن لینے سے منع کر رہی ہیں۔'' نرس جو شکل سے کافی بیزار لگ رہی تھی فوراً جواب دیا۔ زیان نے ایک نظر اس لڑکی کو دیکھا جو انجکشن نہ لگنے کے باوجود کس قدر آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

''تم جاؤ اور روم نمبر 7 کے پیشنٹ کو دیکھو۔'' زیان نے نرس کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور خود اس کی طرف مڑا۔

''آپ دو دن کی بچی ہیں جو ایک انجکشن لینے پر اس قدر رو رہی ہیں جب کہ انجکشن آپ کو ابھی تک لگا بھی نہیں ہے۔''

''اور مجھے لگوانا بھی نہیں ہے سمجھے آپ۔'' عالیہ نے دوٹوک جواب دیا۔ ڈاکٹر تو اسے پہلے ہی پسند نہیں تھے پھر وہ لحاظ کیوں کرتی۔

اس کے اس طرح کہنے پر زیان نے پہلے اسے اور پھر اس کے والد کو دیکھا اور انجکشن تیار کرنے لگا۔

''آپ دونوں پلیز باہر ویٹ کریں۔'' زیان نے اس کے والدین کو دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ باہر جاتے عالیہ نے اپنی ماما کا ہاتھ زور سے تھام لیا اور جلدی سے بیڈ سے اتر کر چل

پہننے لگی کہ کہیں زیان اسے پکڑ نہ لے۔
"میں نے آپ کو جانے کے لیے نہیں کہا۔" اسے چپل پہنتا دیکھ کر زیان نے کہا۔
"اور میں نے آپ سے پوچھا بھی نہیں ہے آئے بڑے کہیں کے۔" عالیہ نے ایک بار پھر اسے لاجواب کر دیا۔
"آپ لوگ پلیز باہر جائیں۔" زیان نے ایک بار پھر تھوڑا غصے سے کہا جو اپنی لاڈلی بیٹی کو اس قدر ہمدردی سے دیکھ رہے تھے جیسے زیان ان کی بیٹی کا مرڈر کرنے والا ہو۔
زیان کے غصے کو دیکھتے ہوئے اس کی ماما زبردستی ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گئیں اور عالیہ صرف آوازیں لگاتی رہ گئی کیوں کہ زیان ان کے نکلتے ہی دروازہ لاک کر چکا تھا۔ عالیہ نے سرخ آنکھوں سے زیان کو دیکھا جیسے ابھی اس بے رحم ڈاکٹر کو کھا جائے گی۔ جس کے جواب میں زیان نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور انجکشن لے کر اس کی طرف آیا۔
"اگر آپ نے مجھے ہاتھ لگایا ناں تو بہت برا ہوگا۔ سوچ لیں۔ میں بھائی جان سے آپ کی شکایت کر دوں گی۔ وہ آرمی میں ہیں شوٹ کر دیں گے آپ کو۔" عالیہ نے اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر دھمکی دی جسے زیان نے نظر انداز کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ڈونٹ وری، میں آپ کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، صرف ایک انجکشن لگاؤں گا۔" زیان نے ایک ادا سے کہا۔ جس پر عالیہ نے بجائے کچھ کہنے کے آنکھیں کس کے بند کر لیں۔ کیوں کہ زیان اسے انجکشن لگا چکا تھا۔ عالیہ نے اپنا ہاتھ سہلاتے ہوئے بھیگی آنکھوں سے زیان کو دیکھا۔ جیسے اس سے ناراض ہو۔ زیان کو اس کی ایک ایک ادا بڑی پیاری لگ رہی تھی اور وہ اسے خوب انجوائے کر رہا تھا۔

☆......☆

زیان اس دن کے بعد سے اس کے خیالوں میں گم تھا اور اس کے بارے میں مکمل جان کاری کی کوشش کر رہا تھا۔ جبھی اسے پتا چلا کہ عالیہ اس کے کالج فرینڈ کی بہن ہے بس یہ جاننے کی دیر تھی کہ زیان نے فوراً ہی صابرہ بیگم کو ان کے گھر بھیج دیا۔ عالیہ کے گھر میں سب کو زیان کا پرپوزل بہت پسند آیا تھا مگر عالیہ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اسے ڈاکٹر پہلے ہی ایک آنکھ نہ بھاتے تھے اور ساری زندگی کسی ڈاکٹر کے ساتھ بتانا اور وہ بھی اس بے رحم ڈاکٹر کے ساتھ اسے سوچ کر ہی ہول آنے لگے مگر عالیہ اپنی پوری فیملی سے بہت پیار کرتی تھی اور سب ہی اس پرپوزل سے بہت خوش تھے۔ اس لیے سب کے کہنے پر اس نے ہاں کر دی۔
شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ عالیہ، زیان کے ساتھ بہت خوش تھی۔ زیان اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ صابرہ بیگم، صدف اور عرج بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ زیان اور عالیہ ایک آئیڈیل زندگی گزار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد کی خوش خبری سے بھی جلد نوازہ تھا۔ زیان عالیہ کی پریگنسی کے بارے میں سن کر بہت خوش تھا۔ سب کی خوشیوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ زیان، عالیہ کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگا تھا مگر اللہ نے شاید زیان کے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔ عالیہ کی پریگنسی کے دوران عالیہ کو کینسر ہو گیا مگر حیرت انگیز بات کہ بچے کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ زیان نے آپریشن کے لیے امریکہ سے ڈاکٹرز بلوائے تھے۔ وہ عالیہ کو اس درد میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے خود اس کیس سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ زیان ہر حال میں عالیہ کو بچانا چاہتا تھا۔ زیان سمیت باقی لوگ بھی آپریشن تھیٹر کے باہر موجود تھے جب کہ زیان بے چینی کے

عالم میں ٹہل رہا تھا۔ اتنے میں نرس ایک ننھے منے بچے کو لے کر باہر آئی۔ زیان بچے کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر میتھن باہر آئے، زیان سیدھا ڈاکٹر میتھن کی طرف بڑھا جب کہ صابرہ بیگم نے بچے کو نرس کی گود سے لے کر اپنے سینے سے لگالیا اور خود بھی ڈاکٹر کی طرف آئیں۔

''ڈاکٹر! عالیہ کیسی ہے؟'' زیان نے ڈاکٹر میتھن کو خاموش کھڑا دیکھ کر ایک بار پھر بے چینی سے پوچھا۔

''ڈاکٹر زیان! آئی ایم ریئلی سوری۔'' ڈاکٹر میتھن کا یہ کہنا تھا کہ سبھی کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ زیان کی حالت تو بیان کرنا مشکل ہے وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے کس دل سے اپنی جان سے عزیز بیوی کو قبر میں اتارا۔ اس نے اپنے بیٹے کو پیار بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی تو دنیا ہی لٹ گئی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہوا ہے اور کیا ہورہا ہے۔ عالیہ کی موت کو ایک ماہ گزر گیا تھا مگر زیان ابھی تک زندہ لاش ہی بنا ہوا تھا۔ نہ اسپتال جاتا اور نہ ہی کسی سے بات کرتا۔ وہ بہت زیادہ خاموش رہنے لگا تھا اس کا ایک کزن انگلینڈ سے پاکستان آیا ہوا تھا مگر زیان کی حالت دیکھ کر اسے اپنے ساتھ انگلینڈ ہی لے گیا۔ تاکہ اس کا ذہن بٹے۔ بالآخر زیان کی واپسی ڈیڑھ سال بعد ہوئی جب تک وہ کافی حد تک سنبھل گیا تھا۔

☆......☆

''السلام علیکم زیان بھائی!'' عرج نے اندر آکر ایک بڑی سی ٹرے صدف کے ہاتھ میں دیتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! آؤ ابھی ہم تمہارا ہی ویٹ کررہے تھے۔'' زیان نے مسکراتے ہوئے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

''کیا لائی ہو؟'' صدف نے ٹرے کا ڈھکن کھولتے ہوئے پوچھا۔

''ربڑی، بریانی اور کڑاہی گوشت۔'' عرج سنجیدگی سے جواب دے کر ایان کو پیار کرنے لگی۔

''کیا بات ہے عرج؟'' زیان نے ٹی وی کا والیم سلو کرتے ہوئے عرج کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں بھائی!'' عرج نے آنکھیں چراتے ہوئے جواب دیا۔

''جھوٹ کیوں بول رہی ہو۔ سچ بتاؤ بھائی کو تم کیوں اداس ہو۔'' صدف، زیان کو بریانی کی پلیٹ تھماتے ہوئے بولی۔

جب کہ عرج، صدف کی بات سمجھتے ہوئے آنکھوں میں آئی نمی کو اندر اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔

''کیا بات ہے عرج! انکل کی طبیعت تو ٹھیک ہے، صدف کچھ ہوا ہے کیا؟'' زیان نے اندازہ لگاتے ہوئے عرج سے پوچھا مگر اسے خاموش دیکھ کر صدف کی طرف متوجہ ہوا۔

''بھائی! ایک ہفتے پہلے اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے مسٹر اکڑو (وہاب) اسلام آباد آرہا ہے اور جب سے یہ اتنی ایکسائیٹڈ تھی مگر وہ نہیں آیا۔ وہ ہمیشہ ہی ایسا کرتا ہے مگر اس کی عقل میں کچھ نہیں آتا۔ ہمیشہ اسے اگنور کرتا رہتا ہے۔ سمجھتا کیا ہے وہ خود کو۔'' صدف کو وہاب ہمیشہ سے ہی برا لگتا تھا کیوں کہ وہ اس کی بیسٹ فرینڈ کو بہت ہرٹ کرتا تھا اور اسی لیے وہ اسے وہاب کے بجائے آڑے ٹیڑھے ناموں سے پکارتی تھی، ہر بار کی طرح اس بار بھی صدف کا غصہ عروج پر تھا۔

صدف کی بات سن کر عرج خاموشی سے نیچے منہ کیے بیٹھی رہی اور آنکھوں میں آئی نمی کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔ جسے زیان نے بغور دیکھا تھا۔ اتنے میں صابرہ بیگم اندر داخل ہوئیں تو صدف اسے غصے سے

گھورتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔ جب کہ زیان نے امی کی آمد کی وجہ سے کچھ نہیں پوچھا کیونکہ عرج اور وہاب کے بیچ میں جو کچھ بھی تھا وہ صرف صدف کو پتا تھا اور صدف کی منہ زبانی کچھ کچھ زیان کو بھی، البتہ عرج نے کبھی بھی زیان سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہی سوچ کر زیان چپ رہا کہ اگر امی کو پتا چلا تو ٹینشن لے لیں گی مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ عرج سے اس ٹاپک پر بات ضرور کرے گا۔

☆......☆

زیان، عرج لوگ بچپن سے ہی ایک ساتھ پلے بڑے تھے۔ اسی لیے ان سب میں بہت دوستی تھی۔ عرج اور صدف بیسٹ فرینڈز تھیں اور ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتی تھیں۔ عرج زیان سے چھ سال چھوٹی تھی اور زیان کی بہت عزت کرتی تھی۔ عرج کے مطابق زیان میں کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ اپنی ہر پرابلم زیان سے شیئر کرتی اور اس کی ہر بات کو پتھر کی لکیر سمجھتی تھی۔ اس کی نظر میں زیان ایک آئیڈیل پرسن تھا۔ عرج سب ہی سے بہت محبت کرتی تھی اور ایان میں تو اس کی جان تھی وہ اس کے ساتھ بالکل بچی بن جاتی۔ صابرہ بیگم عرج کو ایان کے ساتھ ہنستے کھیلتے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھیں۔ صابرہ بیگم عرج سے اپنی بیٹی کی طرح محبت کرتی تھیں۔ ان کی نظر میں عرج ایک سمجھدار اور گھریلو لڑکی تھی۔ عرج کو بچپن سے ہی گھر کے کاموں میں خصوصاً کھانا بنانے میں بڑی دلچسپی تھی۔ رات کو جب افضل صاحب ایک گھنٹے کے لیے واک پر جاتے وہ بھی کچھ نہ کچھ نیا بنا کر زیان ہاؤس آجاتی، پھر واپسی پر افضل صاحب کے ہمراہ ہی گھر آتی۔ کبھی مصروفیات کی وجہ سے عرج نہ جا پاتی تو صدف اس کے گھر آجاتی۔ عرج اپنے فیانسی وہاب سے بہت محبت کرتی تھی مگر وہاب اس کے تمام تر جذبات جاننے کے باوجود اس کی قدر نہیں کرتا تھا اور صاف صاف کہہ دیتا کہ میں تم سے پیار نہیں کرتا اور نہ ہی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہاب کی ایسی باتوں پر عرج کا معصوم دل ٹوٹ جاتا۔ صدف اسے ہمیشہ سمجھایا کرتی تھی کہ وہ وہاب کے ساتھ خوش نہیں رہے گی۔ اس لیے شادی سے انکار کردے مگر وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ وہاب کے بغیر جینے کا تصور اسے پریشان کردیتا اور پھر وہ اپنے جان سے عزیز پاپا کو ان کے اکلوتے بھائی سے جدا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اگر وہ شادی سے انکار کرتی تو دونوں بھائیوں کے بیچ ناراضی ہوجاتی۔

☆......☆

اس دن کے بعد سے عرج تین دن تک زیان ہاؤس نہیں گئی تھی اور نہ ہی صدف اس کے گھر آئی تھی مگر جب صدف سے رہا نہ گیا تو اسے فون کر کے گھر بلایا اور ساتھ ہی ساتھ دھمکی بھی دی کہ اگر آج تمہاری آمد نہیں ہوئی تو میں تیری شادی میں نہیں آؤں گی۔ عرج کو بھی سب کی بہت یاد آرہی تھی اسی لیے سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر زیان ہاؤس چلی آئی۔ آج امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے جلدی سو گئیں اور ایان کو بھی سلا دیا۔ زیان بھائی بھی آج کافی لیٹ ہوگئے، آئے نہیں ابھی تک۔ صدف چائے نکالتے ہوئے بتانے لگی اور پھر دونوں چائے لے کر چھت پر آگئیں۔ زیان تقریباً بیس پچیس منٹ بعد گھر آیا۔ نیچے کسی کو نہ پا کر فریش ہو کر سیدھا چھت پر چلا آیا۔

''ارے عرج! تم امریکہ سے کب آئیں؟'' زیان نے عرج کو تین دن بعد دیکھنے پر حیرانگی سے سوال کیا۔ پہلے تو عرج کچھ سمجھی نہیں پھر جب سمجھ آیا تو مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! اپنی دوست سے ناراضی ختم؟''

''جی بھائی......ختم!''
''کرنل انکل کیسے ہیں؟''
''ٹھیک ہیں بھائی! اوتو مجھے پاپا کو دوائی دینی تھی اور میں بھول گئی باتوں میں۔'' عرج کو ایک دم یاد آیا تو فوراً گھر جانے کے لیے اٹھی۔
''ارے بیٹھو! تو انکل کہیں گئے ہیں میں نے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔'' زیان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بتایا تو وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔
''بھائی! کھانا لاؤں آپ کے لیے۔'' صدف نے پوچھا۔
''نہیں میں نے کھانا باہر کھالیا تم چائے بنادو، اچھی سی۔''
''جی بھائی!'' کہتی ہوئی وہ چائے بنانے کے لیے اٹھ گئی۔
''عرج! مجھے تم سے ایک بات پوچھنی ہے۔'' زیان نے صدف کے جاتے ہی عرج سے کافی سنجیدہ لہجے میں کہا۔
''جی بھائی! پوچھیں۔''
''صدف بتا رہی تھی وہاب تمہیں پسند نہیں کرتا؟'' زیان نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے عرج کے چہرے پر پھیلے ہوئے سنجیدہ تاثرات کو نوٹ کیا۔
جواب میں عرج نظریں جھکا کر اپنے ہاتھ کے ناخن کو دیکھنے لگی۔
''عرج! تم اپنی ہر چھوٹی بڑی پرابلم مجھ سے شیئر کرتی ہو، تو پھر اپنی لائف کی اتنی بڑی پرابلم کے بارے میں تم نے مجھ سے ڈسکس کیوں نہیں کیا۔'' زیان نے عرج کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر سوال کیا۔
''کیونکہ میں آپ کا جواب جانتی ہوں زیان بھائی! عرج نے بھیگی پلکوں سے زیان کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''زیان بھائی! اگر میں آپ سے اپنی اور وہاب کی بات کروں گی تو آپ یہی کہیں گے کہ میں شادی سے انکار کردوں کیوں کہ مجھے پتا ہے کہ یہی میرے حق میں بہتر ہے۔ مگر میں شادی سے انکار نہیں کرسکتی بھائی اور نہ ہی آپ کی کوئی بات ٹال سکتی ہوں۔'' عرج کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کی آواز بھی بھیگ گئی تھی جسے زیان نے نوٹ کیا تھا۔
''مجھے تم سے اس ٹاپک پر بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' زیان جانتا تھا کہ اپنی محبت کو کھونا کس قدر تکلیف دیتا ہے، وہ خود بھی تو یہ تکلیف سہہ چکا تھا پھر وہ۔ عرج کو یہ تکلیف سہنے کا مشورہ کیسے دے سکتا تھا۔

☆......☆

''پاپا! یہ دودھ۔'' عرج نے دودھ سے بھرا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
''تھینک یو پاپا کی جان۔'' افضل صاحب نے گلاس اٹھاتے ہوئے پیار سے بیٹی کا شکریہ ادا کیا۔
''آج ہماری بیٹی اپنی دوست سے ملنے نہیں گی؟'' افضل صاحب نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔
''آج میرے پیارے پاپا گھر میں ہیں، میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں بھلا؟'' عرج نے افضل صاحب کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
''بیٹے! کل آپ کے بڑے پاپا کا فون آیا تھا۔'' افضل صاحب نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔
''اچھا......کیا کہہ رہے تھے بڑے پاپا؟'' عرج نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔

''کہہ رہے تھے ایک ڈیڑھ ہفتے میں اسلام آباد آرہے ہیں، بھابی کے ساتھ تمہاری تاریخ لینے۔ جو کام ہونا ہے اس میں دیر کیسی؟''

''پاپا اتنی جلدی۔'' عرج نے پاپا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے بیٹا! جلدی کیسی آپ کا BSC کمپلیٹ ہو گیا ہے۔ بس رزلٹ آنے کی دیر ہے اور میری جان زندگی کا کوئی بھروسہ بھی تو نہیں ہے۔ اسی لیے میں جلد از جلد اپنی گڑیا کو رخصت کر دینا چاہتا ہوں۔'' افضل صاحب نے پیار سے عرج کے گال کو چھوتے ہوئے کہا۔

''پاپا پلیز! ایسی باتیں نہ کریں، آپ کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' عرج لاڈ سے ان کے سینے سے لگتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! آج نہیں تو کل سب ہی کو جانا ہوتا ہے اور پھر میں نے اللہ سے تمہارے رخصت ہونے تک کی زندگی مانگی ہے۔ جس دن میری گڑیا اپنے گھر کی ہو جائے گی اس دن میں سکون سے مر سکوں گا۔''

''پاپا! اگر آپ نے آئندہ ایسی باتیں کی ناں تو میں شادی ہی نہیں کروں گی۔'' عرج نے پاپا سے الگ ہوتے ہوئے دھمکی دی جس سے افضل صاحب فوراً ہی ڈر گئے اور ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے خاموشی سے لیٹ گئے۔ عرج انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆

عرج آج صبح ہی سے بہت خوش تھی۔ آج اس کا بی ایس سی کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا اور اس نے اپنی کلاس میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی جو کہ وہ ہمیشہ ہی کرتی تھی اور ہر بار کی طرح اس بار بھی زیان کی طرف سے اس کا اور صدف کا سنڈے کا ڈنر باہر تھا۔ اس نے بہت منع کیا مگر زیان نے اس کی ایک نہیں سنی اور یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ بھائی کہتی ہو مگر بہن بن کر کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتیں اور اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ آج شام کو اس کے بڑے پاپا اور تائی جان شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آرہے تھے۔ اس نے کھانا بنایا اور سب نے خوب کھایا اور تعریف بھی کی۔ بڑے پاپا اور تائی جان ڈیٹ فکس کر کے اور ڈھیر سارا پیار کر کے رات کی فلائٹ سے ہی واپس چلے گئے تھے۔ شادی کی تاریخ ایک ماہ بعد کی رکھی گئی تھی۔ وقت بہت کم تھا اور کام بہت زیادہ افضل صاحب کو بڑی فکر ہو رہی تھی۔ عرج نے اپنے اور وہاب کے تعلقات کے بارے میں افضل صاحب کو کچھ نہیں بتایا تھا کہ کہیں وہ رشتہ نہ ختم کر دیں اور وہ اپنے پاپا کو کسی قسم کی ٹینشن بھی نہیں دینا چاہتی تھی۔

☆......☆

آنٹی، سائرہ آپی، زیان اور صدف سب ہی عرج کی شادی کا سن کر بہت خوش تھے کیوں کہ انہوں نے پہلی بار عرج کو اتنا خوش اور کھلا کھلا دیکھا تھا۔ زیان نے کرنل انکل کا بیٹا اور عرج کا بڑا بھائی بن کر شادی کی ساری ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لی تھی۔ سائرہ آپی بھی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ میکے آگئی تھیں۔ شادی کی ساری شاپنگ سائرہ آپی، صدف اور عرج نے مل کر ہی کی تھی۔ ان ساری تیاریوں میں ایک ماہ کیسے گزرا پتا ہی نہ چلا۔ عرج تین دن کا مایوں بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھوں میں صدف نے مہندی لگائی تھی اور وہاب کا نام بڑی خوب صورتی سے ہاتھ کے بیچ میں لکھا گیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ سائرہ آپی اور صدف کی چھیڑ چھاڑ بھی جاری تھی۔

عرج نے بڑے پیار سے آج پہلی بار زیان سے کچھ مانگا تھا۔ زیان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا کس قدر مان تھا اس کی آنکھوں میں۔

زیان اسے دیکھ کر مسکرایا اور بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

''میری دعا ہے عرج کہ تم ہمیشہ یوں ہی ہنستی مسکراتی رہو اور تمہارا شوہر تم سے بہت پیار کرے، آمین۔''

''تھینک یو زیان بھائی!'' عرج نے پیار بھرے لہجے میں شکریہ ادا کیا۔

زیان نے ایک الوداعی نظر اس پر ڈالی اور جانے کے لیے مڑا مگر عرج کی آواز پر رک کر اسے دیکھا۔

''زیان بھائی!''

''ہاں۔''

''پاپا کا بہت خیال رکھیے گا۔''

''میں کرنل انکل کا پورا خیال رکھوں گا اور تمہاری طرح ان کی ہر بات مانوں گا تم ٹینشن مت لو۔'' زیان نے ایک بار پھر عرج کے سر پر ہاتھ رکھ کر خوش رہنے کی دعا دی۔ اتنے میں ایک بچہ بھاگتا ہوا آیا۔

''زیان بھائی! زیان بھائی آپ کو کرنل انکل بلا رہے ہیں جلدی چلیں۔''

''ہاں میں آرہا ہوں۔''

''اچھا اب میں چلتا ہوں نکاح شروع ہونے والا ہوگا۔ شاید اسی لیے انکل بلا رہے ہیں۔'' زیان کہہ کر باہر چلا گیا اور عرج اس کے جانے کے بعد واپس صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔

☆......☆

زیان ڈریسنگ روم سے نکل کر اسٹیج کی طرف بڑھا جب ہی اس کی نظر افضل صاحب پر پڑی جو وہاب کا گریبان پکڑ کر اسے پوری طرح جھنجھوڑ رہے تھے اور زور زور سے اس پر چلا رہے تھے اور باقی لوگ ان میں بیچ بچاؤ کی ناکام کوشش میں مصروف تھے۔ زیان نے نہ سمجھی کے عالم میں جلدی سے اسٹیج پر چڑھ کر افضل صاحب سے دلہے کا گریبان چھڑانے کی کوشش کی زیان کو دیکھ کر ان کی گرفت کمزور پڑ گئی۔ وہاب نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک جھٹکے سے ان سے اپنا گریبان چھڑایا اور دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے غصے بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مجھے اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق جینے کا پورا حق ہے۔ کوئی میرے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتا، میں نے جس سے شادی کی ہے میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں اور مجھے نہیں لگتا کہ میں نے آپ کی بیٹی کے ساتھ کچھ غلط کیا ہے۔'' اس سے پہلے کہ افضل صاحب کچھ کہتے اکبر صاحب نے وہاب کے گال پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔

''تو شادی کر چکا تھا تو پہلے بولنا تھا ناں یہاں کیوں آیا ہم سب کی عزت اچھالنے معصوم بچی کا تماشا بنانے میری ایک بات کان کھول کر سن لے اگر تو نے اسے طلاق دے کر عرج سے شادی نہ کی تو میں تجھے جان سے مار دوں گا۔'' اکبر صاحب نے بولنے کے ساتھ ساتھ اس کے گال پر ایک اور تھپڑ مارا۔

''پاپا! میں الماس کو کسی صورت طلاق نہیں دوں گا۔ آپ کو جو کرنا ہو وہ کرلیں اور ویسے بھی میں نے کبھی عرج سے نہیں کہا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور نہ ہی کبھی ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہیں۔ وہی میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ عذاب بنا کر رکھ دیا ہے اس نے میری زندگی کو میں نے اس سے ایک بار نہیں

سو بار کہا تھا کہ میں اس سے پیار نہیں کرتا اور نہ ہی شادی کرنا چاہتا ہوں اگر آپ لوگوں کو یقین نہیں آتا تو پوچھیں عرج سے جا کر۔" وہاب غصے میں کہتا ہوا یہ تک بھول گیا کہ جس سے بات کر رہا ہے وہ اس کا سگا باپ ہے جس معصوم لڑکی کی عزت کی وہ دھجیاں اڑا رہا ہے وہ اس کے سگے چاچا کی بیٹی ہے اس کے اپنے خاندان کی بیٹی ہے۔

"کمینے دفع ہو جا یہاں سے۔ خبردار جو اپنی گندی زبان سے میری بیٹی کا نام لیا۔ بھائی صاحب آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس عورت کو طلاق دے کر یہ میری بیٹی سے شادی کر لے۔ ارے اب یہ سونے کا بن کر بھی میرے پاس آئے گا تب بھی میں اس پر تھوکوں گا بھی نہیں اپنی بیٹی کی شادی کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔"

"افضل مجھے معاف کر دے میرے بھائی مجھے نہیں پتا تھا کہ میں اپنے گھر میں ناگ پال رہا ہوں۔" افضل صاحب کی بات سن کر اکبر صاحب نے اپنے دونوں ہاتھ چھوٹے بھائی کے سامنے جوڑ دیے۔ تمام باراتی شرمندگی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ پورے ہال میں بدمزگی کا ماحول پھیل گیا۔

"پاپا! یہ کیا کر رہے ہیں آپ اس انسان سے معافی مانگ رہے ہیں جس نے آپ کو اتنا کچھ سنایا، آپ کے بیٹے کی اتنی انسلٹ کی آپ کو معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پاپا کیوں کہ غلطی ان ہی کی بیٹی کی ہے۔ وہ ہی میری محبت میں مری جا رہی تھی۔"

وہاب نے اکبر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اس سے پہلے وہ عرج اور اس کی سچی محبت کی اور توہین کرتا زیان نے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا اور تین چار تھپڑ اس کے گال پر لگائے۔

"گھٹیا انسان اب عرج کا نام تیری زبان پر نہیں آنا چاہیے، بس بہت ہو گیا اب نکل یہاں سے اس سے پہلے کہ میں دھکے مار کر تجھے یہاں سے نکالوں دفع ہو یہاں سے اور اپنی پوری بارات کو لے کر جا تو عرج کے قابل تھا ہی نہیں یہ تو عرج کی معصومیت ہے کہ اسے انسان اور شیطان میں فرق نظر نہیں آیا۔" زیان نے اس کا گریبان پکڑ کر اسٹیج سے نیچے دھکیلا۔

وہاب جاتے ہوئے بھی نفرت سے بھری ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالنا نہیں بھولا اور ساری بارات بھی اسی کے ساتھ واپس چلی گئی۔ ہال میں بس گنتی کے چند مہمان ہی رہ گئے جو اسٹیج کے آس پاس ہی موجود تھے۔ افضل صاحب نے اپنی اکلوتی بیٹی کی بارات اس طرح لوٹ جانے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"یہ کیا ہو گیا۔ یا خدا۔ یہ کیا کیا تو نے۔ اللہ میری بچی کی خوشیاں لٹ گئیں۔" افضل صاحب نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر شکوہ خدا سے کیا مگر ایک کھانسی کے جھٹکے نے انہیں بے حال کر دیا ان کے دل میں تیز درد اٹھا وہ دل پر ہاتھ رکھ کر گرنے ہی والے تھے کہ زیان نے انہیں تھام کر اسٹیج پر ہی لٹا دیا اور ان کا سر اپنی گود میں رکھ کر سینہ سہلانے لگا مگر ان کی کھانسی کو کسی صورت آرام نہ آیا اور منہ سے خون آنا شروع ہو گیا۔ زیان نے ایک پل ضائع کیے بغیر ایمبولینس کو فون کیا۔

"زیان میری بیٹی۔" اکبر صاحب نے زیان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس طرح کہا کہ گویا زیان کوئی فرشتہ ہو جو منٹوں میں سب ٹھیک کر دے گا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا انکل! آپ فکر نہ کریں۔" زیان نے ان کا ہاتھ گرم جوشی سے دبا کر انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا مگر افضل صاحب اس کی تسلی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی مسلسل اٹھنے والی کھانسی کو کنٹرول کرتے ہوئے ایک بار پھر اپنی بیٹی کے غم میں چور ہوتے ہوئے بولے۔

''زیان! میری معصوم بچی برباد ہوگئی اس کی بارات واپس لوٹ گئی۔ اس نے پہلے نہیں بتایا کہ وہ شادی شدہ ہے نکاح کے وقت بتایا ہے۔ میری بچی کی خوشیاں...... اس کے سارے ارمان ٹوٹ گئے زیان۔ اب کیا ہوگا اس کا؟'' افضل صاحب نے مسلسل کھانستے ہوئے بڑی مشکل سے اپنی بات مکمل کی۔ جب ہی زیان کے برابر میں بیٹھی صابرہ بیگم نے ہمدردی سے کہا۔

''کچھ نہیں ہوگا بھائی صاحب! آپ فکر نہ کریں عرج میری بیٹی جیسی ہے اس کی خوشیاں مجھے بھی بہت عزیز ہیں۔ عرج کی بارات لوٹ ضرور گئی ہے مگر وہ آج ہی اس گھر سے وداع ہوگی میرے زیان کی دلہن بن کر۔''

''امی یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔'' زیان جو کافی دیر سے امی کی باتیں حیرانگی سے سن رہا تھا اپنے نام پر ایک دم ہی صابرہ بیگم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں زیان! تمہیں ابھی عرج سے نکاح کرنا ہوگا۔''

''امی پلیز! چپ کر جائیں۔ بولنے سے پہلے سوچ تو لیں آپ کہہ کیا رہی ہیں۔ بہن ہے وہ میری۔'' اس سے پہلے کہ صابرہ بیگم کچھ کہتیں افضل صاحب نے اپنے دونوں ہاتھ زیان کے سامنے جوڑ دیے۔

''بیٹا! تمہارے سوا ایسا کوئی بھی نہیں ہے۔ جس پر میں بھروسہ کرسکوں۔ میرے بعد عرج کا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اسے اپنا نام دے دو، میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔'' افضل صاحب نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

''انکل! یہ کیا کررہے ہیں آپ؟'' زیان نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! میری یہ آخری التجا سن لو تمہیں خدا کا واسطہ ہے بیٹا مجھ پر یہ احسان کردو، یہ دنیا بہت ظالم ہے میری معصوم بیٹی کو اس دنیا کی گرم دھوپ سے بچالو اسے اپنے نام کی چھاؤں میں جگہ دے دو۔'' افضل صاحب نے ایک بار پھر اپنے ہاتھ زیان کے سامنے جوڑے تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ زیان ان کے بعد ان کی بیٹی کا مستقبل سنبھال سکتا ہے۔

''انکل! اس بارے میں بعد میں بات کرتے ہیں۔ ابھی آپ اسپتال چلیں، آپ کی طبیعت بگڑتی جارہی ہے۔'' زیان نے ان کی کھانسی میں اضافہ دیکھ کر ایک بار پھر انہیں اٹھانے کی کوشش کی۔

''نہیں زیان! مجھے پتا ہے۔ بیٹا کہ یہ میرا آخری وقت ہے بس تم ہاں کردو پھر میں سکون سے مرسکوں گا۔'' اکبر صاحب نے اپنے اندر کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا کیوں کہ ان کے دل کا درد مسلسل بڑھ رہا تھا اور کھانسی کے ساتھ ساتھ منہ سے آنے والے خون میں بھی مسلسل اضافہ ہورہا تھا۔ زیان کے لاکھ کہنے پر بھی افضل صاحب اسپتال جانے کے لیے کسی طور راضی نہیں تھے ان کی بگڑتی ہوئی کیفیت کو دیکھ کر یان کو ہار ماننی پڑی۔

''اوکے انکل! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آج عرج کو یہاں سے اپنے ساتھ اپنی بیوی بنا کر لے کر جاؤں گا۔ عرج آج سے میری ذمہ داری ہے اس کی خوشیاں میری ذمہ داری ہیں بس آپ جلدی سے اسپتال چلیں ایمبولینس ویٹ کررہی ہے۔'' زیان سے وعدہ لے کر افضل صاحب اسپتال جانے کے یے راضی ہوگئے۔ زیان بھی انہیں اسپتال بھیج کر مولوی صاحب کے پاس آگیا۔

☆......☆

عرج ڈریسنگ روم میں بیٹھی خوشی و غم کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ اپنے ہاتھوں پر لکھے وہاب کے نام کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ فل اے سی میں بھی اس کے اندر نہ جانے کیوں آگ سی لگی ہوئی تھی کسی انہونی کا سا احساس ہو رہا تھا اسے نہیں پتا تھا کہ باہر کیا ہوا ہے۔ اسے نہیں پتا تھا کہ جس انسان سے وہ اٹھارہ سالوں سے محبت کرتی آئی ہے جس کا وہ اٹھارہ سالوں سے انتظار کر رہی ہے وہ اسے پرایا کر کے جا چکا ہے۔ وہ تو تنہائی میں بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنی جان سے عزیز پاپا کو چھوڑ کر جا رہی تھی اپنے آئیڈیل بھائی کو، ایان کو، آنٹی کو اپنی بیسٹ فرینڈ کو سب کو، کتنا مس کرے گی وہ سب کو کیسے رہے گی وہ سب کے بناء۔ عرج کے خیالات اس وقت رکے جب نکاح خواں کے ساتھ تین انجانے مرد اور ارحم بھائی (سائرہ آپی کے شوہر) آنٹی، سائرہ آپی اور صدف ڈریسنگ روم میں داخل ہوئے۔ زیان بھی اندر آیا تھا مگر عرج گھبراہٹ کی وجہ سے اسے دیکھ نہ سکی۔ عرج صوفے پر سنبھل کر بیٹھ گئی۔ صابرہ بیگم، صدف اور سائرہ آپی بھی اس کے برابر میں ہی بیٹھ گئیں۔ جب کہ زیان عرج کے سامنے کھڑا اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

نکاح خواں نے نکاح پڑھوانا شروع کیا۔

عرج کے کانوں میں جیسے ہی زیان کا نام گونجا اسے اپنے کانوں پر شک ہوا مگر دوسری بار بھی زیان کا نام سن کر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا الفاظ تو جیسے کہیں گم ہی ہو گئے تھے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے ابھی باہر آ جائے گا۔ وہ ایک دم سن بیٹھی رہی۔ جیسے زندہ لاش ہو۔ آنٹی اور صدف نکاح خواں کے بار بار پوچھنے پر اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہی تھیں مگر عرج کے کانوں میں تو صرف ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔ زیان، زیان، زیان۔

زیان بھائی سے ڈھیر ساری دعائیں لی تھیں کچھ دیر پہلے ہی تو اس نے اپنے اور زیان کے رشتے پر بہن بھائی کی مہر لگائی تھی جسے وہ بچپن سے بھائی مانتی آئی تھی اسے شوہر کے روپ میں کیسے قبول کر لیتی؟ اس کے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اس کی شادی تو وہاب سے ہو رہی تھی پھر یہ زیان بھائی کا نام کیوں لے رہے ہیں؟

وہ اپنے ذہن میں خود ہی سے سوال کر رہی تھی مگر جواب کچھ نہیں تھا۔ وہ مسلسل ایک ہی کیفیت میں بیٹھی اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑے گئے دوپٹے کے پلو کو گھور رہی تھی۔ سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ صابرہ بیگم دلہن کو لال دوپٹہ اڑانا بھول گئیں تھیں جس کی وجہ سے سامنے کھڑا زیان اس معصوم لڑکی کے زرد پڑتے چہرے کو بغور دیکھ سکتا تھا۔ زیان کو اچانک ہی تھوڑی دیر پہلے کا منظر یاد آیا جب وہ ڈریسنگ روم میں آیا تھا اور عرج کو لال شرارے میں دلہن بنے دیکھا تھا جس پر وائٹ نگوں سے بڑی نفاست سے کام کیا گیا تھا اور ساتھ ہی وائٹ اینڈ ریڈ نگوں کی ہیوی جیولری، فل میک اپ کے ساتھ چہرے پر مسکراہٹ سجائے کس قدر حسین لگ رہی تھی۔ کتنی خوش لگ رہی تھی مگر اب...... زیان کی سوچوں کو اس کے بجتے ہوئے موبائل نے روکا۔

''ہیلو!'' ڈاکٹر ولید (زیان کا دوست) کا نمبر دیکھ کر اس نے فون Yes کیا۔

''زیان افضل انکل کی Death ہو گئی ہے۔

''Oh No۔'' زیان کو ایک جھٹکا لگا اور ایک نظر عرج کے چہرے پر ڈالی جسے ابھی ایک اور صدمہ سہنا تھا اور موبائل آف کر کے واپس پینٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

عرج کی خاموشی کے ساتھ ساتھ ڈریسنگ روم میں بھی بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عرج اب تک اسی کیفیت میں بیٹھی تھی کہ اسے اپنے سر پر کسی اپنے کے ہاتھ کی گرماہٹ محسوس ہوئی اس نے بے اختیار ہی گردن اٹھا کر دیکھا جہاں اکبر صاحب ایک بڑی سی سفید چادر اوڑھے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''پاپا!'' عرج کی آواز زیان سمیت تقریباً سب نے ہی سنی تھی اور گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا بھی تھا مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔

''بیٹا! آپ سے مولوی صاحب کچھ پوچھ رہے ہیں جواب دو۔'' اکبر صاحب نے اس کے آنسو اپنے انگوٹھے سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

جب کہ عرج انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھے ہی جا رہی تھی۔

''بیٹا! وہاب اچھا لڑکا نہیں تھا۔ زیان کو آپ کے پاپا نے آپ کے لیے چنا ہے۔ شاباش بیٹا روتے نہیں ہیں کہو قبول ہے۔ پاپا کی اچھی بیٹی ہے ناں۔ پاپا کی ہر بات مانتی ہے بولو چاند قبول ہے شاباش۔'' عرج نے بڑے پاپا کے کہنے پر قبول ہے کہا اور کچھ دیر بعد رخصت ہو کر زیان کے گھر آ گئی اسے نہیں پتا تھا کہ پیچھے پاپا ہیں یا نہیں۔



عرج صدف کے ہمراہ زیان کے کمرے تک آئی تھی اور پہلا قدم کمرے میں رکھتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بہت سارے کانٹے اس کے پیر میں چبھے ہوں اس نے درد کی شدت سے دونوں آنکھیں کس کے بند کیں اور آنکھوں میں موجود سیلاب کو بہایا۔ صدف نے اسے ایک کاٹن کا سوٹ پکڑایا اور Rest کرنے کا کہہ کر چلی گئی۔ کیونکہ اس سے اپنی دوست کی یہ حالت دیکھی نہیں گئی۔ عرج نے کچھ دیر بعد آنکھیں کھول کر پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس سے اور برداشت نہ ہوا تو گھٹنوں کے بل گر کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلند آواز میں رو کر اپنے اندر جلتی آگ کو بجھانے کی کوشش کرنے لگی۔ جب کہ زیان گھر آ کر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے چھت پر آ گیا۔ تاکہ کھلی ہوا میں تھوڑا سکون محسوس کر سکے، زیان چھت پر آیا تو دونوں ہاتھ اپنی پینٹ کی جیب میں ڈال کر اِدھر اُدھر ٹہلنا شروع کر دیا۔ اپنی اور عرج کی کچھ دیر پہلے ہونے والی گفتگو، کرنل انکل کا اس کے آگے ہاتھ جوڑنا، ولید کا فون، عالیہ سے اس کی محبت، شادی اور پھر موت، ایان سے عرج کا پیار اور پھر سب سے آخر میں عرج کا معصوم چہرہ۔ اس نے تھک کر ایک لمبا سانس خارج کیا اور بینچ پر بیٹھ کر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر آنکھیں بند کیں۔ جب ہی صابرہ بیگم کا ہاتھ اپنے کاندھے پر محسوس کر کے ایک نظر ان پر ڈالتے ہوئے دوبارہ اسی طرح بیٹھ گیا۔

''زیان! تمہیں اس وقت اپنے کمرے میں ہونا چاہیے عرج کو تمہاری ضرورت ہے۔'' صابرہ بیگم نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ جب کہ زیان نے ان کی بات کے جواب میں اپنی نظریں سامنے رکھی Table پر ہی مرکوز رکھیں۔

''زیان! مجھے پتا ہے تم شادی نہیں کرنا چاہتے تھے پر بیٹا اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ اللہ نے عرج کے لیے تمہیں ہی چنا تھا۔ عرج اس وقت بہت برے وقت سے گزر رہی ہے۔ اسے تمہاری ہمدردی کی ضرورت ہے۔ تمہاری محبت کی ضرورت ہے بیٹا! جاؤ اس کا درد بانٹو جا کر وہ بہت معصوم بچی ہے مجھے یقین ہے تم اسے سنبھال لو گے اس کے چہرے پر واپس مسکراہٹ لے آؤ گے۔'' صابرہ بیگم نے بیٹے کی

خاموشی کو دیکھ کر ایک بار پھر عرج کے پاس جانے کو کہا۔ زیان چپ چاپ بنا ان کی طرف دیکھے اٹھ کر کمرے میں چلا آیا۔

آج وہ پہلی بار اپنے کمرے میں جانے سے پہلے گھبرا رہا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر آہستہ سے دروازہ بند کیا پھر ایک نظر اس پر ڈالی جو بیڈ کے پاس بیٹھی بیڈ کی چادر اپنے نازک ہاتھوں میں مضبوطی سے دبائے سسکیاں لے رہی تھی۔ جسے کمرے میں مسلسل سناٹے کی وجہ سے زیان نے بھی باآسانی سنا تھا۔ عرج کی زیان کی طرف سے پیٹھ تھی اور شاید وہ زیان کی آمد سے بھی بے خبر تھی۔ زیان نے ایک دکھ بھری نظر اس پر ڈالی اور بولنے کے لیے لفظوں کو ترتیب دی۔

"عرج۔" زیان کی آواز جیسے ہی اس کے کانوں سے ٹکرائی وہ اپنے دکھوں کی دنیا سے باہر آ کر اپنی سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی مگر کوئی جواب نہ دیا۔ زیان اس سے تقریباً کچھ قدم کے فاصلے پر کھڑا بنا اس کی طرف دیکھے گویا ہوا۔

"عرج جو بھی ہوا اس کے لیے پلیز مجھے معاف کر دو۔ وہاب نے ہمیں عین ٹائم پر بتایا کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے۔ عرج سچویشن ہی کچھ ایسی تھی کہ میں نکاح کے لیے انکار نہیں کر سکا۔" زیان نے رک کر اسے بتایا اور کرنل انکل کی ڈیتھ کا بتانے سے گریز کیا تاکہ وہ اس وقت اور پریشان نہ ہو۔ عرج خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"عرج! تم جانتی ہو کہ میں عالیہ سے اب بھی بہت محبت کرتا ہوں۔ شاید...... میں کبھی بھی تمہیں عالیہ کی جگہ اور...... ایک بیوی کے حقوق نہیں دے پاؤں۔" عرج اب بھی چپ تھی پورے کمرے میں صرف زیان کی آواز اور عرج کی سسکیاں ہی گونج رہی تھیں۔

"کافی رات ہو گئی ہے تم چینج کر کے ریسٹ کر لو۔" زیان نے اسے مسلسل خاموش دیکھ کر rest کرنے کا کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر اسٹڈی روم میں چلی گئی۔

☆......☆

صبح سات بجے کے ٹائم سائرہ آپی اور صدف ناشتہ لے کر کمرے میں آئیں۔ زیان بھی ساری رات نہیں سویا تھا۔ اسی لیے پہلی بار ناک کرنے پر ہی دروازہ کھول کر فریش ہونے چلا گیا۔ عرج کہاں ہے؟" اسے جاتا دیکھ کر سائرہ آپی نے پوچھا۔

"وہ اسٹڈی روم میں ہے۔" زیان نے نظریں چراتے ہوئے کچھ شرمندگی سے جواب دیا۔

وہ فریش ہو کر آیا تو دیکھا سائرہ آپی اب تک ناک کر رہی ہیں۔

"زیان! یہ دروازہ کیوں نہیں کھول رہی ٹھیک تو ہے۔" سائرہ آپی نے پریشان ہو کر زیان سے پوچھا مگر اس سے پہلے زیان کوئی جواب دیتا عرج نے دروازہ کھول دیا۔

عرج اب تک دلہن کے لباس میں تھی۔ البتہ حلیہ کافی حد تک چینج ہو گیا تھا اس کی سوجھی ہوئی آنکھیں اس بات کا ثبوت تھیں کہ وہ ساری رات روتی رہی ہے۔ جن پر سے میک اپ بھی ڈھل چکا تھا۔ بندیہ نے جھومر کی جگہ لے لی تھی جب کہ جھومر کاندھے پر جھول رہا تھا۔ دوپٹہ سر پر نہ ہونے کے برابر ٹکا ہوا تھا۔ باقی سارا کاندھے اور فرش پر تھا بالوں کی کئی لٹیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ زیان نے ایک نظر اس کے وجود پر ڈال کر سائرہ آپی کو باہر آنے کا اشارہ کیا جب کہ صدف اس کی یہ حالت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو لیے

اسے ڈریسنگ چیئر پر بٹھا کر اس کی جیولری اتارنے لگی۔
''زیان! کرنل انکل کی ڈیتھ باڈی آگئی ہے۔'' سائرہ آپی نے باہر آکر اسے بتایا۔
''جی آپی! مجھے پتا ہے میں وہیں جارہا ہوں آپ عرج کو ابھی کچھ نہیں بتایئے گا۔ اسے کچھ نہیں پتا۔''
''ہممممم ٹھیک ہے۔'' سائرہ آپی مختصر جواب دے کر کمرے میں آگئیں۔

☆......☆

سائرہ آپی اور صدف اسے پنک کاٹن کا سوٹ پہنا کر عرج کے گھر لے آئیں پنک سوٹ زیب تن کیے سوجھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ گوری رنگت جو مسلسل روئے جانے کی وجہ سے گلابی ہوگئی تھی۔
عرج نے سائرہ آپی اور صدف کے ہمراہ جیسے ہی اپنے گھر میں قدم رکھا سامنے بڑے سے صحن میں چارپائی پر لیٹے ہوئے شخص کو وہ پہچان ہی نہ پائی کیوں کہ اس شخص نے سر سے پاؤں تک سفید چادر ڈھکی ہوئی تھی۔ عرج کا دل ایک دم ہی اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کے پورے جسم میں سنسناہٹ شروع ہوگئی چہرے کا رنگ ایک دم ہی اڑ گیا۔ آنکھوں میں ایک بار پھر سیلاب اتر آیا اس کا دل بہت ڈر رہا تھا۔ وہ مرے مرے قدموں سے اس وجود تک آئی۔ ڈرتے ڈرتے اس کے چہرے سے چادر ہٹا کر ایک سیکنڈ میں ہی پلٹ گئی اور دونوں ہاتھوں سے اپنے دل کو تھاما جو باہر ہی آنے والا تھا۔ اس کے بعد اسے اور کچھ سنائی نہ دیا۔ وہ بے ہوش ہو کر گری تھی مگر اس کے وجود کو گرنے سے پہلے ہی زیان نے تھام لیا۔

☆......☆

عرج کو چار دن بعد ہوش آیا تو وہ صابرہ بیگم سے لپٹ کر خوب روئی اپنے پاپا کو دیکھنے کی بہت ضد کی مگر مرے ہوئے لوگ واپس نہیں آیا کرتے اس کی حالت کو دیکھ کر سب ہی کو رونا آرہا تھا۔ صابرہ بیگم نے اس کی ماں بن کر اسے خوب سمجھایا۔ حوصلہ دیا۔ پیار دیا وہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی مگر اس کے چہرے پر مسکراہٹ اب تک نہ لوٹی تھی۔ اسے ہوش میں آئے ایک ہفتے سے زیادہ ہوگیا تھا۔ اس کے لاکھ منع کرنے پر بھی صابرہ بیگم اسے کھانا کھلاتیں مگر وہ دو یا تین نوالوں سے زیادہ نہ کھاتی عرج نے صابرہ بیگم کو زیان کے کمرے میں سونے کے لیے بھی انکار کر دیا تھا، جسے صابرہ بیگم نے عرج کی حالت دیکھتے ہوئے وقتی طور کے لیے مان لیا تھا۔

☆......☆

آج افضل صاحب کے انتقال کو ایک ماہ ہوگیا تھا۔ سائرہ آپی اور ان کے شوہر اپنے دونوں بچوں (مون اور مانی) کے ساتھ زیان ہاؤس آئے ہوئے تھے۔ آج زیان اسپتال سے لیٹ آیا تھا۔ اسی لیے تینوں بچے سو گئے تھے۔ عرج سمیت باقی سب بھی ڈنر پر موجود تھے جب ہی سائرہ آپی نے امی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
''امی! میں سوچ رہی تھی اب جو سنڈے آرہا ہے، اس کو گھر میں ایک چھوٹا سا فیملی فنکشن رکھ لیتے ہیں زیان اور عرج کا ولیمہ بھی ہو جائے گا اور عرج کو زیان کے روم میں شفٹ کر دیں گے۔'' زیان نے چونک کر سائرہ کو دیکھا اور فوراً ہی خود کو نارمل کرتے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہوا جب کہ عرج نیچے نظریں کیے پلاؤ میں چمچہ چلاتی رہی۔
''ہاں بیٹا! یہ تو بہت اچھا سوچا تم نے۔ زیان تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں۔'' صابرہ بیگم نے

سوالیہ نظروں سے زیان کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''نہیں امی! جیسا آپ لوگ ٹھیک سمجھیں۔'' زیان نے مختصر جواب دیا۔
''ارے آنٹی! اسے کیا اعتراض ہوگا اس کی بیوی اس کے روم میں شفٹ ہو جائے گی اس کے لیے تو خوشی ہی کی بات ہے ناں۔'' ارحم بھائی نے معنی خیز نظروں سے زیان کو دیکھتے ہوئے کہا جس کے جواب میں زیان نے مسکرا کر انہیں اور پھر اپنے برابر میں چپ چاپ بیٹھی عرج کو دیکھا۔

☆......☆

آج سنڈے تھا سائرہ آپی صبح سے ہی آئی ہوئی تھیں، کیوں کہ صدف کو دعوت کے لحاظ سے کھانا بنانا نہیں آتا تھا۔ اس لیے کھانے کا اہتمام سائرہ آپی نے ہی کیا تھا۔ زیان کے دوست ولید کی فیملی اور سائرہ آپی کے سسرال والے بھی آنے والے تھے۔
عرج نے میرون کلر کی فراک اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ بڑا سادہ دوپٹہ سلیقے سے سر پر اوڑھا ہوا تھا جو اس کے لیے صدف نے ہی پسند کیا تھا۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے، کانوں میں میچنگ ایئر رنگ اور لائٹ میک اپ کے ساتھ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ جب کہ زیان بھی بلیو جینز کے ساتھ وائٹ شرٹ میں کافی ہینڈسم لگ رہا تھا۔ بھی نے ان کے کپل کی بہت تعریف کی تھی اور سب ہی نے خوب انجوائے بھی کیا تھا مگر اس دوران عرج کے چہرے پر خاموشی اور اداسی نمایاں تھی۔ وہ صرف خود سے پوچھے جانے والے سوالات کا ہی جواب دے رہی تھی۔ زیان بھی کافی سنجیدہ تھا مگر سب سے مسلسل بات چیت بھی کر رہا تھا۔
آج صبح سے ہی زیان کو اپنے روم میں آنا منع تھا۔ کیوں کہ صدف اور سائرہ آپی نے اس کا روم ڈیکوریٹ کیا تھا۔ پورے کمرے کو گلاب کی پتیوں اور چنبیلی کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔
کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سائرہ آپی سمیت سارے مہمان ہی چلے گئے تھے۔ مہمانوں کے جانے کے بعد صابرہ بیگم بھی اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ زیان بھی کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ جب ہی عرج نے صابرہ بیگم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔
''عرج! تم یہاں اس وقت......!'' صابرہ بیگم نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''جی امی! میں ایان کو لینے آئی تھی۔'' عرج نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا (صابرہ بیگم کے کہنے پر عرج نے انہیں امی بولنا شروع کر دیا تھا) اور وہ اندر آ کر ایان کو اٹھانے لگی۔
''بیٹا! آج اسے یہیں سونے دو۔''
''امی! میں سلالوں گی اسے اپنے پاس۔''
''ہاں بیٹا! ضرور سلا لینا مگر آج اسے یہیں سونے دو، ورنہ یہ تنگ کرے گا تمہیں۔''
''امی پلیز! مجھے ایان کو لے جانے دیں۔'' عرج نے آرام سے کہتے ہوئے اجازت طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔ تو انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے اجازت دے دی اور وہ ایان کو گود میں اٹھائے زیان کے کمرے میں آ گئی۔
اس نے سجے ہوئے کمرے کا جائزہ لیا تو خود سے ہی شرما گئی۔ اس نے جیسے ہی سوئے ہوئے ایان کو صوفے پر لٹایا اس کے ایئر رنگ ایان کے گال پر چبھے اور تکلیف کی شدت سے اس نے رونا شروع کر دیا۔ عرج نے ایک لمحہ ضائع کیے بنا اپنے دونوں ایئر رنگ اتار کر فرش پر رکھے اور ساتھ ہی ساتھ چوڑیاں اور کنگن

بھی کہ کہیں چوڑیوں کی کھنک سے ایان کی نیند پھر خراب نہ ہو جائے اور روتے ہوئے ایان کو اپنی آغوش میں لے کر چپ کرانے کی کوشش کی اسی دوران اس کا دوپٹہ سر سے سرک کر کاندھے پر آگیا۔ مگر ایان کو چپ کروانے کی وجہ سے اس نے نوٹ ہی نہ کیا۔

عرج اسے چپ کروانے میں مصروف تھی زیان کمرے میں داخل ہوا سجے ہوئے کمرے کو دیکھ کر اس کی حالت بھی عرج سے مختلف نہیں تھی زیان ایک نظر عرج پر اور پھر اس کی بکھری ہوئی چیزوں پر ڈال کر فریش ہونے چلا گیا۔ واپس آیا تو وہ ایان کو سلا کر صوفے پر لٹا چکی تھی اور خود بھی ایان کے پاس ہی آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹی تھی۔

☆......☆

عرج اب کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ گھر کے سارے کام اس نے اپنے ذمے لے لیے تھے مگر صابرہ بیگم نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ تم کھانا بنانے کے سوا اور کوئی کام نہیں کرو گی۔ صفائی صدف کیا کرے گی عرج سب کا بہت خیال رکھتی تھی۔ ایان تو پہلے ہی اس کا عادی تھا مگر اب تو وہ اس کے بنا رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ صابرہ بیگم سے چھپکے سے وہ صدف کا بھی کافی ہاتھ بٹایا کرتی تھی کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ اس کی دوست کتنی کام چور ہے۔ وہ زیان کا بھی بہت خیال رکھتی تھی۔ اس کا ہر کام وقت سے پہلے کر دیتی تھی۔ کم گو تو وہ پہلے ہی تھی مگر اب کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی۔ عرج اور زیان ایک دوسرے کو بہت کم مخاطب کرتے تھے۔ کوئی بہت ضروری بات ہوتی تو زیان اسے مخاطب کرتا اور عرج بنا اس کی طرف دیکھے جواب دے دیتی۔ شادی کے بعد سے اب تک عرج نے زیان کو صرف دو بار ہی مخاطب کیا تھا اور پھر خود ہی شرمندہ ہو گئی تھی جب اس نے ایک بار سب کے سامنے زیان کو (زیان بھائی) کہہ کر بلایا۔ سب نے ہی چونک کر اسے دیکھا۔ زیان بھی کافی شرمندہ ہوا وہ سب کی حیرت انگیز نظروں سے بچنے کے لیے جلدی سے اپنے روم میں آگئی۔

آج بھی سب ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھے۔ ایان سو چکا تھا۔ صابرہ بیگم نے اس سے کچھ پوچھا اور اس نے کہا ''زیان بھائی کو پتا ہوگا۔'' مگر ٹی وی کی آواز کی وجہ سے وہ سن ہی نہ سکیں جب کہ سامنے بیٹھے زیان نے بخوبی سنا تھا اور اسے گھورتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ جب وہ اس کے لیے دودھ لے کر کمرے میں آئی تو وہ بیڈ پر نیم دراز لیٹا ہوا کوئی فائل پڑھنے میں مصروف تھا۔ عرج دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر واپس پلٹی جب ہی زیان کی آواز پر رکنا پڑا۔

''عرج! یہ کیا تم بھائی بھائی کرتی رہتی ہو۔ I kno ہمارے بیچ Husband and wife جیسی کوئی ریلیشن شپ نہیں ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم مجھے اب بھی زیان بھائی زیان بھائی کہہ کر مخاطب کرو۔'' زیان نے اسے ایک ہی سانس میں ڈپٹا وہ بنا کچھ کہے چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆

عرج اور زیان کی شادی کو ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا مگر دونوں کے درمیان اب تک تکلف قائم تھا۔ زیان پہلے سے کافی چپ چپ رہنے لگا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیا ہو رہا ہے۔ جب اس نے عرج کو اپنی زندگی میں شامل کیا تھا تو اس نے سوچا تھا کہ وہ کبھی بھی اسے ایک بیوی کے روپ میں قبول نہیں کر پائے گا مگر اب عرج کا اس سے بات نہ کرنا، اس کے ساتھ غیروں کی طرح احتیاط سے رہنا کافی تکلیف دہ رہا تھا۔ پہلے ان دونوں کے درمیان جو بھی رشتہ تھا پر اب تو وہ اس کا شوہر تھا۔ اس کے لیے محرم تھا، عرج نے کبھی

اس سے اپنے حقوق نہیں مانگے تھے مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اب تک وہاب سے محبت کرتی ہے بلکہ اسے تو دکھ تھا کہ اس نے اتنے برے انسان کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

☆......☆

آج عرج صبح سے ہی کافی تھکی ہوئی تھی۔ سائرہ آپی اور ارحم بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ اچانک ہی پکنک کا پروگرام بنا تو ارحم بھائی نے سب کو ساتھ چلنے کی آفر کی۔ صدف اور ایان نے تو فوراً ہی یہ آفر قبول کرلی مگر عرج نے طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے ایکسکیوز کیا۔ صابرہ بیگم بھی جانے کے موڈ میں نہیں تھیں مگر سائرہ آپی نے آج شاید انہیں ساتھ لے جانے کی ٹھان رکھی تھی۔ اسی لیے عرج کو چھیڑنے کے لیے بولی۔

''ارے امی جان! کبھی تو اچھی ساسوں کی طرح بہو بیٹے کو اکیلے چھوڑ دیا کریں۔ عرج بے چاری کسی مقصد سے رک رہی ہے اور آپ ہیں کہ گھر میں رک کر اس کے سارے ارمانوں پر پانی پھیرنے کا سوچ رہی ہیں۔''

''ایسی بات نہیں ہے آپی! میری واقعی میں طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' عرج نے جھجکتے ہوئے صفائی پیش کی تو سائرہ آپی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی جب کہ صابرہ بیگم کچھ سوچتے ہوئے جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔

سب کے جانے کے بعد عرج روم میں آئی تو اسے تھکن محسوس ہوئی اس نے بیڈ کے کنارے پر لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کیں تو تھکن کی وجہ سے اس کی آنکھ لگ گئی۔

زیان اسپتال سے گھر آیا تو کسی کو نہ پاکر فریش ہونے سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔ عرج کو پرپل کاٹن کے تھری پیس سوٹ میں اپنے بیڈ پر سوتا دیکھ کر اسے نہ جانے کیوں خوشی محسوس ہوئی۔ وہ عرج کو گہری نگاہوں سے دیکھتا ہوا فریش ہونے چلا گیا۔ فریش ہو کر اس نے اپنے لیے خود کھانا گرم کیا اور کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آ کر بیڈ کی دوسری جانب لیٹ گیا۔

بیڈ ہلنے سے عرج کی آنکھ کھلی۔ زیان کو اپنے برابر میں لیٹا دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور ماتھے پر سے پسینہ صاف کرتے ہوئے لاؤنج میں چلی آئی۔ زیان جو ابھی ٹھیک سے لیٹ بھی نہیں پایا تھا فوراً ہی اٹھ کر بیٹھا اور اپنے برابر میں خالی بیڈ کو دیکھ کر دانت پیس کر رہ گیا اور تھوڑی دیر بعد خود بھی اٹھ کر باہر آ گیا۔

''سب لوگ کہاں ہیں؟'' زیان نے عرج سے پوچھا جو اپنے لیے چائے بنانے میں مصروف تھی۔

''ارحم بھائی اور سائرہ آپی کے ساتھ گئے ہیں۔'' عرج نے ایک نظر اس پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''کہاں؟'' زیان نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

''ڈنر پر اور پارک وغیرہ بھی جائیں گے۔'' عرج نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''تم نہیں گئیں؟'' زیان نے مزید بات کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں۔'' عرج نے مختصر جواب دیا۔

''کیوں؟''

''ویسے ہی۔ کھانا لگا دوں آپ کے لیے۔'' عرج نے بات ختم کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے کھا لیا جب تم سو رہی تھیں۔'' زیان کے بتانے پر عرج کو شرمندگی محسوس ہوئی۔

''آپ اٹھا دیتے مجھے۔''

''تم سوتے ہوئے اتنی پیاری لگ رہی تھیں کہ اٹھانے کا دل ہی نہیں چاہا۔'' زیان نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچا مگر اس سے پہلے کہ یہ بات زبان پر آتی اس نے فوراً ہی اپنی سوچ کو جھٹکا۔
''چائے میرے لیے بھی بنا دینا میں چھت پر جا رہا ہوں۔''

☆......☆

''یہ کیا ہو رہا ہے مجھے، میں کیوں عرج کی طرف کھنچ رہا ہوں۔ میں عرج کے بارے میں ایسا کیوں سوچ رہا ہوں۔ کیونکہ وہ بیوی ہے میری۔ اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچوں گا تو پھر کس کے بارے میں سوچوں گا۔ مگر میں نے اسے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اسے بیوی کا درجہ نہیں دے پاؤں گا مگر کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ حقیقت تھوڑی بدلتی ہے۔ کیا عروج بھی میرے بارے میں ایسا سوچتی ہوگی۔'' دل نے پھر سوال کیا۔
''عرج اپنی ذمہ داریاں کتنی اچھی طرح نبھا رہی ہے وہ ایان کا کتنا خیال رکھتی ہے۔ کیا میرا فرض نہیں بنتا اسے خوش رکھنے کا، اس کے بھی تو کتنے ارمان ہوں گے جو میری وجہ سے ادھورے ہیں۔''
زیان چھت پر کھڑا گارڈن کا جائزہ لیتے ہوئے دل و دماغ کی چھڑی جنگ میں مصروف تھا کہ عرج چائے کا کپ لیے چھت پر آئی اور چائے اس کے ہاتھ میں تھما کر واپس پلٹ گئی جب کہ زیان چائے ہاتھ میں تھامے واپس اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔

☆......☆

زیان اور عرج کی شادی کو دو سال ہو گئے تھے اور ایان ساڑھے تین سال کا ہو گیا تھا۔ عرج نے اسے اسکول بھی لگا دیا تھا۔ زیان کو کسی کام سے امریکہ جانا پڑ رہا تھا۔ امی نے عرج اور ایان کو ساتھ لے جانے پر کافی زور دیا مگر عرج نے ایان کے اسکول کا بہانہ کر کے انکار کر دیا۔
زیان کو گئے ہوئے پانچ ماہ ہو گئے تھے۔ اس عرصے میں زیان نے عرج کو بہت مس کیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ عرج نے اس کے دل میں بیوی کی جگہ لے لی ہے اور وہ بہت خوش تھا۔ آج اسے پاکستان واپس آنا تھا۔ سائرہ آپی اور ارحم بھائی بھی اسے پک کرنے ایئرپورٹ آئے تھے۔ زیان کی فلائٹ دو بجے کی تھی جو کہ خوش قسمتی سے وقت پر پہنچ گئی تھی۔ ایان اسے دیکھتے ہی بھاگتا ہوا اس سے لپٹ گیا اس نے بھی ایان کو خوب پیار کیا اور ایک ایک کر کے سب کے گلے ملا۔ عرج سے ملتے وقت اس کی گھبراہٹ زیان نے باقاعدہ نوٹ کی تھی اور اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ گھر آیا تو بہت تھکا ہوا تھا۔ فریش ہو کر فوراً ہی سو گیا۔ ایان بھی ایئرپورٹ سے واپسی پر کافی تھک گیا تھا اس لیے وہ بھی اسی کے پاس سو گیا۔ نو بجے کے وقت زیان کی آنکھ کھلی تو کمرے میں فل اے سی کی ٹھنڈک کے ساتھ ہلکی ہلکی لائٹنگ ہو رہی تھی۔ وہ موبائل میں ٹائم دیکھ کر اٹھ گیا۔ اٹھنے کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر بھوک کی شدت سے اسے اٹھنا پڑا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آیا تو ایان بھی اٹھ چکا تھا۔ اس نے ایان کا منہ ہاتھ دھلوا کر اس کے بالوں میں برش کیا اور اسے پیار کرتے ہوئے بیڈ سے نیچے اتارا۔
''ایان! ماما کو بولو پاپا کو بہت تیز بھوک لگ رہی ہے جلدی سے کھانا لے کر اوپر آجائیں۔''
''او کے پاپا۔'' ایان بھاگتا ہوا فوراً ہی نیچے چلا آیا اور عرج کو زیان کا میسج دیا، عرج سائرہ آپی سے باتوں میں مصروف تھی۔ اس کی بات سن کر کچن میں چلی آئی اور کھانا گرم کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد ہی وہ دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی اور زیان کو دیکھ کر بری طرح جھینپ گئی۔ زیان پینٹ اور بنیان میں کھڑا

موبائل چارج پر لگا رہا تھا۔ عرج نظریں چراتی ہوئی کھانا ٹیبل پر رکھ کر جانے لگی۔
''تم کھانا نہیں کھاؤ گی؟'' زیان نے شرٹ پہنتے ہوئے کہا۔
''ہم سب نے کھالیا۔'' عرج نے اس کی طرف دیکھے بنا ہی جواب دیا۔
''اچھا جب تک میں کھا رہا ہوں یہاں بیٹھ جاؤ۔'' زیان نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عرج خاموشی سے اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔
''کیسی ہو؟'' زیان نے بریانی اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک ہوں۔'' عرج نے بھی اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔
''آپ کا کام کیسا رہا؟''
''اچھا رہا، تمہیں بہت مس کیا۔'' زیان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسکائی بلیو کاٹن کے تھری پیس سوٹ میں کاندھوں پر دوپٹہ ٹکائے وہ کافی پرکشش لگ رہی تھی۔
''تم نے مجھے مس کیا؟'' زیان نے عرج کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ عرج اس کے سوال کو اگنور کر کے اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔
''تم کچھ بتا رہی تھیں فون پر صدف کے پرپوزل کے بارے میں۔'' زیان نے عرج کی گھبراہٹ دور کرنے کے لیے ٹاپک چینج کیا۔
''جی سائرہ آپی! کی جٹھانی کے بھائی کا پرپوزل آیا تھا ان کا اپنا فلیٹ ہے شازین نام ہے۔ جب سائرہ آپی کی شادی ہوئی تھی تو وہ سعودیہ گیا ہوا تھا۔ اس لیے شاید آپ نہیں جانتے۔'' عرج نے تفصیل سے بتایا وہ صدف کے لیے کافی خوش لگ رہی تھی۔
''جاب کیا ہے اور دیکھنے میں کیسا ہے؟''
''انجینئر ہے اور دیکھنے میں بھی بہت کیوٹ ہے۔ مجھے تو بہت پسند آیا۔'' عرج نے خوشی سے بتایا۔
''تمہیں شرم نہیں آ رہی شوہر کے سامنے غیر مرد کی تعریف کرتے ہوئے۔'' زیان نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔
''جی...... وہ......'' عرج نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اس سے پہلے ہی زیان بول پڑا۔
''مذاق کر رہا ہوں یار! اب میرے سامنے کسی کی اتنی تعریف کرو گی تو جیلسی تو ہو گی ناں۔''
''اچھا خیر یہ بتاؤ امی نے کیا جواب دیا۔'' زیان نے اس کا سیریس چہرہ دیکھا تو خود بھی سیریس ہو گیا۔
''امی نے کہا ہے جب آپ آجائیں گے تو آپ سے مشورہ کر کے جواب دیں گی۔'' عرج سنجیدگی سے کہتی ہوئی جانے کے لیے اٹھ گئی زیان بھی اسی کے ساتھ نیچے چلا گیا۔

☆......☆

زیان کو واپس آئے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ وہ سب کے لیے گفٹ لایا تھا جو سب کو بہت پسند آئے تھے اور عرج کے لیے ڈائمنڈ کا سیٹ جو سب ہی کو بہت پسند آیا تھا۔ آج وہ لوگ صدف کی بات پکی کر کے آئے تھے۔ سب ہی کافی تھکے ہوئے تھے ان لوگوں نے شادی کی تاریخ بھی چھ ماہ بعد کی رکھی تھی۔ زیان اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا اور ایان کو بھی لیٹا لیا تھوڑی دیر بعد عرج بھی دونوں کے لیے دودھ کے گلاس لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ آج اس نے وائٹ اینڈ پرپل آرگنڈی کا سوٹ پہنا تھا۔ بالوں کو کیچر

میں قید کررکھا تھا اور زیان کا لایا ہوا ڈائمنڈ کا سیٹ پہنے وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔ زیان نے اس کے چمکتے چہرے کو باخوبی دیکھا تھا اور دل ہی دل میں اپنی قسمت پر ناز کیا تھا۔

عرج نے اس کا گلاس ٹیبل پر رکھ کر اور ایان کو دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھما کر شیلف میں سے ایان کا نائٹ سوٹ نکالا اور پھر جھک کر اس کے ٹوائز اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھے۔ اس دوران وہ مسلسل زیان کی نظروں کے حصار میں ہی رہی مگر اس نے نوٹ نہیں کیا۔

''پاپا آج ماما کتنی پیاری لگ رہی ہیں ناں؟'' ایان نے عرج کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہممم م بہت زیادہ۔'' زیان نے بھی اس کی بات کی تائید کی۔

''ماما! آج میں پاپا کے پاس ہی سوؤں گا۔'' ایان نے عرج کے ہاتھ میں دودھ کا خالی گلاس پکڑاتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔'' عرج نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ماما! آپ بھی یہیں سو جائیں ناں پلیز۔'' ایان نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے لاڈ سے کہا۔

''نہیں بیٹا! ماما کو بیڈ پر نیند نہیں آتی آپ سو جاؤ۔'' عرج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ماما جب پاپا نہیں تھے تو آپ بیڈ پر ہی سوتی تھیں۔'' ایان نے معصومیت سے کہتے ہوئے ناراضی کا اظہار کیا۔ جب کہ عرج کے چہرے پر سنجیدگی و شرمندگی کی ملی جلی کیفیت نمودار ہوئی۔

''ماما پلیز! سو جائیں نا مجھے آپ کے بغیر نیند نہیں آتی۔'' ایان نے عرج کے خاموش چہرے کو دیکھ کر ایک بار پھر ریکسوئٹ کی۔

''ایان......!''

''سو جاؤ ناں۔ کھا نہیں جاؤں گا میں تمہیں۔'' اس سے پہلے عرج کچھ کہتی زیان نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ چپ چاپ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی جب کہ زیان اور ایان دونوں لیٹ چکے تھے۔

''مجھے بہن چاہیے۔''

''بہن......!''

''ہممم م......''



چھ مہینے پر لگا کر گزر گئے۔ صدف کی شادی کی تیاریاں کمپلیٹ ہو چکی تھیں۔ آج اس کی مہندی تھی۔ صبح سے ہی مہمان آئے ہوئے تھے۔ سارے گھر کی ذمہ داری عرج کے کاندھوں پر تھی۔ عرج سب کام سے فری ہو کر اوپر اپنے کمرے میں تیار ہونے آ گئی۔ ایان کو پہلے ہی تیار کر چکی تھی۔ زیان بھی تیار ہو کر نیچے جا چکا تھا۔ جب سے زیان امریکہ سے واپس آیا تھا اس میں کافی چینج آ گیا تھا۔ وہ کافی خوش خوش رہنے لگا تھا۔ عرج سے بالکل نارمل بات کرتا، جیسے وہ دونوں ایک نارمل لائف جی رہے ہوں۔ عرج تیار ہوتے ہوئے مسلسل زیان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ زیان کو کیا ہوا ہے۔ اس کا بدلہ بدلہ روپ عرج کو حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ زیان اسے بیوی کا درجہ دے سکتا ہے اور نہ ہی وہ سوچنا چاہتی تھی کیوں کہ زیان نے پہلے ہی دن ساری بات کلیئر کر دی تھی۔ ''اس نے صرف کرنل انکل کے کہنے پر شادی کے لیے ہاں کی ہے۔ پھر کیوں وہ مجھ سے اس طرح Behave

کر رہے ہیں۔ کیا...... کیا وہ مجھ سے...... نہیں کبھی نہیں وہ صرف عالیہ سے محبت کرتے ہیں، میرے ذہن میں یہ بات آئی کیسے؟ مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے بالکل بھی نہیں۔'' اس نے ایک پل کے لیے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کو جھٹکا اور آئینے میں خود کا جائزہ لے کر نیچے آ گئی۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے زیان کی نظر اس پر پڑی تھی۔ مہندی کلر کی فراک اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ ایک کاندھے پر ڈالے ہاتھوں میں بھری بھری چوڑیاں اور بالوں کو بھی آج کیچر سے آزاد رکھا گیا تھا۔ لائٹ میک اپ اور نازک سی جیولری کے ساتھ ہاتھ میں مہندی کی تھال اٹھائے تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے ایک نظر بھی زیان پر نہیں ڈالی تھی۔ جو اسی کی نظر کا منتظر تھا۔ لڑکے والے بھی آ چکے تھے۔ عرج نے تمام بڑوں کو سلام کیا اور ان سے دعائیں وصول کرتی ہوئی صدف کے روم میں چلی آئی۔ جہاں مہندی کے فنکشن کے ساتھ ساتھ ناچ گانا بھی ہو رہا تھا۔ جب کہ پیچھے کھڑا زیان دانت پیس کر اس بند دروازے کو دیکھتا رہ گیا۔

''عرج! میرا موبائل نہیں مل رہا تم دیکھ دو پلیز۔'' زیان سے رہا نہ گیا تو عرج کے پیچھے کمرے میں آ کر دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

''ڈریسنگ ٹیبل پر ہی ہے چارج ہو رہا ہے۔'' عرج نے وہیں بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

''یار نہیں مل رہا اسی لیے تو تمہیں بول رہا ہوں دیکھ دو روم میں آ کر۔'' زیان کے تھکے تھکے چہرے کو دیکھتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور زیان بھی اسی کے پیچھے مسکراتے ہوئے آیا۔

''میں نے یہیں لگایا تھا چارج پر۔'' عرج نے ڈریسنگ ٹیبل پر موبائل نہ پا کر زیان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو دروازہ لاک کرتے ہوئے اسی کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

''I kno Dear تم نے یہیں رکھا تھا مگر اب یہاں نہیں ہے کیوں کہ میں نے یہاں سے اٹھا لیا تھا۔'' زیان نے عرج کی کمر پر اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے اس کے چہرے پر آئی لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' عرج کی حیرانگی کچھ کم ہوئی تو اس نے خود کو زیان کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی۔

''اپنی بیوی کو پیار کر رہا ہوں جان!'' زیان نے اس کی کوشش کو رد کرتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے خود سے قریب کیا تو عرج کے دونوں ہاتھ اس کے چوڑے سینے پر جا لگے۔ عرج کی حیرانگی میں مزید اضافہ ہونے لگا اور ماتھے پر پسینے کے چھوٹے چھوٹے قطرے نمودار ہوئے۔ اس نے کبھی بھی زیان سے اس قسم کی توقع نہیں کی تھی وہ حیرت سے اسے تک رہی تھی اور زیان اس کی حیرت و گھبراہٹ کو مزید انجوائے کر رہا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ اس کی پھولی سانسوں کو بھی سن سکتا تھا۔ زیان نے اپنے پیار کی پہلی مہر اس کے ہونٹوں پر ثبت کی تو عرج کے دل کی دھڑکن تھم گئی وہ ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔

زیان نے سن کھڑی عرج کے کانوں میں سرگوشی کی تو وہ نظریں جھکا گئی اور اپنے دھڑکتے دل پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

''آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔ مجھے ڈر تھا کہ تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ اسی لیے میں نے نظر کا ٹیکا لگا دیا اب میری بیوی کو کسی کی نظر نہیں لگے گی۔'' زیان نے ایک بار پھر اسے خود سے قریب کیا۔

''مجھے چھوڑ دیں پلیز۔'' عرج نے نظریں چراتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔

''تمہیں چھوڑنے کے لیے تھوڑی تم سے نکاح کیا ہے میری جان۔ لیکن نیچے سب انتظار کر رہے ہیں اس لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ نیکسٹ ٹائم نہیں چھوڑوں گا۔'' زیان مسکراتے ہوئے ایک الوداعی نظر اس کے وجود پر ڈال کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر رک کر ایک نظر ڈریسنگ ٹیبل کا سہارا لے کر کھڑی عرج پر ڈالی۔

''سنو!'' زیان کی آواز پر عرج نے ایک نظر زیان کو دیکھا اور اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر فوراً ہی نظریں ہٹا لیں۔

''جلدی سے نیچے آجاؤ۔'' زیان مسکراتے ہوئے کہہ کر نیچے چلا گیا اور عرج بھی خود کو ریلیکس کر کے بیس منٹ بعد نیچے چلی آئی۔

☆......☆

مہندی کے بعد سے اب تک عرج نے زیان سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو کام میں مصروف رکھتی۔ رات کو بھی زیان کے سو جانے کے بعد کمرے میں جاتی اور صبح اس کے اٹھنے سے پہلے نیچے چلی جاتی۔ ان دنوں عرج کافی چپ چپ رہنے لگی تھی۔ جب کہ زیان بہت خوش وہ اس سے اکیلے میں بات کرنے کے موقع تلاش کرتا مگر وہ اس کے سارے ارمانوں پر پانی ڈال دیتی وہ رات کو کافی دیر تک جاگ کر اس کے اوپر آنے کا انتظار کرتا مگر وہ اوپر نہ آتی۔ آج بھی وہ اوپر آئی تو ایان اور زیان دونوں سو چکے تھے، آج وہ کافی تھکی ہوئی تھی کل صدف کی بارات تھی۔ اس نے ساری تیاریاں رات کو ہی کر کے رکھ لیں تھیں۔ وہ سونے کے لیے لیٹی تو تھکن کی وجہ سے فوراً ہی نیند آگئی۔ صبح اذان کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی دوبارہ سونے کی بہت کوشش کی مگر نیند نہیں آئی تو اٹھ کر فریش ہونے چلی گئی۔ اسے پتا تھا کہ زیان گیارہ بجے سے پہلے نہیں اٹھے گا اسی لیے دوپٹہ صوفے پر ہی چھوڑ دیا تھا۔

وہ باتھ روم میں تھی جب ہی زیان کے موبائل کی بیل بجی ولید کا نمبر دیکھ کر اس نے فون Yes کیا اور ایان کی نیند خراب ہونے کا سوچ کر بیڈ سے اٹھ کر صوفے پر لیٹ کر بات کرنے لگا۔

''ہیلو سوری یار! صبح صبح تجھے ڈسٹرب کیا ایکچوئلی میں ایک گھنٹے بعد انگلینڈ کے لیے نکل رہا ہوں۔ اسپتال تم دیکھ لینا۔''

''او کے کوئی بات نہیں، آج تو بارات ہے صدف کی انشاء اللہ چکر لگاؤں گا مگر تم کیوں جا رہے ہو اتنی جلدی میں سب خیریت تو ہے ناں؟''

''ہاں یار سب خیریت ہے کچھ ارجنٹ کام ہے بس اسی لیے اچانک جانا پڑ رہا ہے چل پھر بات کرتے ہیں ابھی میں لیٹ ہو رہا ہوں۔''

''او کے میرے لائق کوئی کام ہو تو بتانا۔

''ہاں ضرور خدا حافظ۔''

زیان نے فون آف کر کے رکھا تب ہی عرج بالوں کو کیچر میں قید کر کے باہر آئی، زیان کو جاگتا ہوا دیکھ کر اس کے قدم رک گئے اور زیان جو ابھی واپس سونے کے موڈ میں تھا عرج کو دیکھ کر اس کی نیند اڑ گئی عرج نے دوپٹے کی تلاش میں نظریں گھمائیں تو زیان کے پاس پڑا نظر آیا۔ وہ اس کی نظروں سے بچنے کے لیے شیلف کی طرف بڑھی تا کہ دوسرا دوپٹہ اوڑھ لے مگر ٹیبل سے پاؤں ٹکرانے کی وجہ سے زیان کے سینے پر جا گری۔ زیان نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

''اللہ دیتا ہے تو چھپڑ پھاڑ کر ہی دیتا ہے جانی! کتنے دن سے تم مجھ سے بھاگ رہی تھیں ناں اور دیکھو آج تم میری بانہوں میں آہی گئیں۔'' زیان نے مسکراتے ہوئے اس کے سر سے تولیہ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''چھو...... چھوڑیں۔'' عرج نے التجائی آواز میں کہا مگر زیان اس کی التجا کو نظر انداز کر کے اس کے گیلے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔

''پلیز مجھے جانے دیں ایان اٹھ جائے گا۔'' عرج نے پھر خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔

''کوئی بات نہیں جان! ہم اسے سمجھالیں گے۔'' زیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیا کر رہے ہیں؟'' عرج نے ایک بار پھر اسے یاد دلانا چاہا کہ وہ صرف عالیہ سے محبت کرتا ہے مگر زیان کے جواب نے اسے مزید کچھ کہنے سے قاصر کر دیا۔

''محبت ہو گئی ہے مجھے تم سے اور اس سے کہیں زیادہ کرنے کا حق رکھتا ہوں میں۔'' زیان نے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو بے یقینی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''عرج! ہمارا نکاح ہوا ہے چاہے سچویشن جو بھی تھی مگر اب ہم ہسبینڈ اور وائف ہیں۔ ہمارا کل گزر چکا ہے۔ عرج پھر کب تک ہم دونوں اپنے Past کو جیتے رہیں گے؟ مجھے اپنا Past نہیں Present اور Future جینا ہے۔ تمہارے ساتھ۔ میرا تم پر حق ہے عرج اور میں اپنا حق وصول بھی کر سکتا ہوں مگر میں صرف تمہاری خوشی اور رضا مندی چاہتا ہوں۔'' زیان نے سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا جہاں اس کے گیلے بالوں کی چھینٹے اس کے گالوں پر شبنم کا کام کر رہی تھیں۔ زیان نے اپنے ہونٹوں سے اس کے ماتھے اور گالوں پر سے ان شبنمی بوندوں کو صاف کیا۔ عرج نے اس بار اسے نہ روکا اس کی بند آنکھوں سے آنسو کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہوئے۔ زیان نے پہلے اس کی بند آنکھوں اور پھر سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آئے نمکین آنسوؤں کو اپنے ہونٹوں میں جذب کیا۔

''عرج! آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ ہم کتنے قریب ہیں کہ ایک دوسرے کی سانس کو بھی سن سکتے ہیں۔'' زیان نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی تھی مگر جاگتی آنکھوں سے اس حسین پل کو دیکھنے کی وہ ہمت نہ کر پائی۔

''عرج بیٹے! دروازہ کھولو۔'' صابرہ بیگم کی آواز پر عرج نے آنکھیں کھول کر گیٹ کی طرف دیکھا اور فوراً اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ زیان کا مردانہ وجود ہٹا پائی تو بے بسی سے زیان کو دیکھنے لگی۔ زیان نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کے چہرے کو دیکھا اور پھر سائیڈ میں ہو کر اسے اٹھنے کے لیے جگہ دی۔

عرج تیزی سے اٹھ کر گیٹ کی طرف بڑھی مگر زیان کی آواز پر رک کر اسے دیکھا جو دوپٹہ اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔

''یہ تو لے لو۔'' عرج نے اس سے دوپٹہ لے کر دونوں کاندھوں پر سلیقے سے ڈالا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆

بارات خیریت سے نمٹ گئی تھی۔ البتہ بارات کے دن عرج سے بہت سے کام خراب ہوئے تھے اسے بار بار زیان کی باتیں یاد آتیں تو دل تیزی سے دھڑکنے لگتا۔ سب کو لگا تھکن سے طبیعت خراب ہے اسی لیے صابرہ بیگم نے اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود آرام کرنے اس کو کمرے میں بھیج دیا۔

☆......☆

آج ولیمہ تھا۔ اس کی ولیمے کی شاپنگ زیان نے خود اپنی پسند سے کی تھی۔ وہ کچن میں سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ جب زیان کچن میں چلا آیا۔

''عرج!'' زیان نے فریج میں سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے اسے پکارا۔

''جی۔'' عرج نے چائے نکالتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آج تم سائرہ آپی کے ساتھ پارلر چلی جانا۔'' زیان نے اس کے سامنے گلاس میں پانی نکالتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' عرج اپنے اس بے تکے سوال پر شرمندہ ہوتے ہوئے فوراً بولی۔

''میرا مطلب ہے کہ میں گھر پر ہی تیار ہو جاؤں گی۔''

''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ آج تم وہیں سے تیار ہو اور بہت دل سے تیار ہو۔'' زیان نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بتایا اور اس کی وضاحت کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔

''ویسے ایک خاص وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ میں آج اپنے اور تمہارے درمیان سے اس تکلف کی دیوار کو گرانا چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ ایک نئی اور خوشیوں بھری زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ عرج تم خوش ہو ناں؟'' زیان نے عرج کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔'' عرج نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا مگر زیان کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر سمجھ گئی۔

''میں...... سب کو چائے دے کر آتی ہوں۔''

''لاؤ میں لے جاتا ہوں ورنہ گرا دو گی۔'' زیان نے اس کے کانپتے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے چائے کی ٹرے لی۔

''ویسے تم دنیا کی پہلی بیوی ہو جو اپنے ہی شوہر سے اتنا شرماتی ہو۔'' زیان نے اس کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا اور ایک الوداعی نظر اس پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

☆......☆

ولیمہ خیریت سے نمٹ گیا تھا۔ ایان سمیت تمام بچہ پارٹی نے خوب انجوائے کیا۔ صدف اور شازین کے کپل کے ساتھ ساتھ تمام لوگوں نے عرج اور زیان کے کپل کی بھی بھرپور تعریف کی۔ صابرہ بیگم نے بھی دونوں کی بلائیں لیں۔ وہ لوگ رات کو دو بجے کے قریب گھر پہنچے۔ صدف بھی دو تین دن رکنے کی غرض سے ساتھ ہی آ گئی تھی۔ ایان بہت تھکا ہوا تھا اسی لیے راستے میں ہی سو گیا۔ زیان نے گاڑی پارک کر کے عرج کی گود سے سوئے ہوئے ایان کو لیا اور اسے جلدی اوپر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جب کہ صدف اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔

عرج آدھے گھنٹے بعد اپنے روم میں آئی تو اس کا خیال تھا کہ زیان تھکا ہوا ہے سو گیا ہوگا لیکن جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو بیڈ پر نیم دراز لیٹے ہوئے زیان کو اپنا ہی منتظر پایا۔ زیان کی نظریں خود پر جمی دیکھ کر اس کے قدم رکے دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ زیان کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سی گرین اینڈ میرون ساڑھی میں جس کے بارڈر پر نفیس گولڈن کام ہوا تھا۔ کھلے ہوئے ریشمی بال کمر پر جھول رہے تھے۔ گلے میں نازک سا سیٹ اور اس کے نیچے زیان کا گفٹ کیا ہوا گولڈ کا چین لاکٹ جس پر (زیان) لکھا ہوا تھا کانوں میں بالیاں اور اوپر کے کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس ہاتھوں میں بھری ہوئی چوڑیاں پہنے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ زیان نے سر تا پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

عرج، زیان کی نظروں سے بچنے کے لیے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی اور گلے سے سیٹ اتارنے لگی۔
زیان نے آہستہ سے ایان کا ہاتھ اپنے سینے سے ہٹایا اور آستین فولڈ کرتا ہوا دروازہ بند کر کے عرج کی طرف آیا اور ہاتھ کی بیچ کی انگلی سے اس کے ریشمی بالوں کو آگے کر کے آئینے میں اس کا جائزہ لیتے ہوئے سیٹ اتارنے لگا۔
عرج نے آئینے میں سے ایک نظر اپنے برابر میں کھڑے شخص کو دیکھا بلیک پینٹ اینڈ آف وائٹ شرٹ میں وہ کس قدر ہینڈسم اور خوبرو نوجوان لگ رہا تھا۔ کتنی عزت تھی۔ اس کے لیے عرج کے دل میں اسے تو پتا بھی نہیں چلا کہ یہ عزت پیار میں کب بدل گئی۔ اسے صرف اتنا پتا تھا کہ شادی کے بعد سے اب تک اس نے اس انسان کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے اپنے پیارے پاپا سے الگ ہونا پڑا تھا۔ اسے تو خود پر حیرت تھی کہ اس نے اتنے برے انسان کو اتنی شدت سے کیوں چاہا۔ وہ اس کمرے میں صرف اور صرف ایان کی ماں بن کر آئی تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کبھی زیان کو شوہر کا اور زیان اسے بیوی کا درجہ دے پائے گا۔ مگر آج وہ ایان کی ماں کے ساتھ ساتھ کسی کی بیوی بھی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم زیان کو دیکھ رہی تھی جب ہی شیشے میں زیان نے اسے دیکھا تو اس نے جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ زیان اس کے گلے اور کانوں کو جیولری سے آزاد کر چکا تھا۔ زیان نے اسے دونوں کاندھوں سے تھام کر چیئر پر بٹھایا اور خود بھی پاس رکھی چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس کی نازک کلائی تھام کر ایک ایک چوڑی اتارنے لگا۔
"تمہیں پتا ہے عرج! عالیہ کو سجنے سنورنے کا بہت شوق تھا۔" زیان نے عرج کی چوڑیاں اتارتے ہوئے کھوئے کھوئے انداز میں بتایا۔ عرج نے کچھ چونک کر زیان کو دیکھا اس وقت عالیہ کا ذکر پھر چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔
"میں کبھی بھی عالیہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا عرج! ہم دونوں ایک ساتھ بہت خوش تھے۔ ہم نے کتنے سارے خواب دیکھے تھے۔ مجھے اس کا بولنا، اس کا ہنسنا مسکرانا اس کی بچکانہ حرکتیں سب بہت پسند تھیں۔ تمہیں پتا ہے اسے کبھی بھی میرے ہاتھ پر سر رکھے بنا نیند نہیں آتی تھی۔" زیان اپنی دھن میں مگن بول رہا تھا اس سے بے خبر کہ سامنے بیٹھی عرج کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔
عرج نے آنکھوں میں آئی نمی کو اپنے اندر اتارا اور زیان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بچی ہوئی چوڑیوں کو ایک جھٹکے سے اتارتے ہوئے کہا۔
"یہ سب آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟" آج سے پہلے زیان جب بھی عالیہ کی باتیں بتاتا عرج بہت شوق اور دل سے سنتی تھی مگر آج پہلی بار اسے عالیہ کا ذکر ناگوار گزر رہا تھا۔ آج پہلی بار اس نے عالیہ سے جیلسی فیل کی۔
زیان نے مسکراتے ہوئے عرج کو دیکھا وہ یہی تو چاہتا تھا کہ عرج، عالیہ سے جیلسی فیل کرے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔
زیان نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ ایک بار پھر تھام لیا اور آیوڈیکس نکال کر اس کے ہاتھ پر لگائی، جہاں سے چوڑی چبھنے کی وجہ سے خون کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہوئے تھے۔
"جلن ہو رہی ہے؟" زیان نے معنی خیز انداز میں عرج سے پوچھا۔
"بہت زیادہ۔" عرج نے فوراً جواب دیا مگر دوسرے ہی لمحے زیان کی مسکراہٹ دیکھتے ہوئے شرمندگی

سے گویا ہوئی۔

''ہاتھ میں۔''

''تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ دل میں۔'' زیان نے معنی خیز انداز میں عرج کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

زیان نے خاموش بیٹھی عرج کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہونٹوں سے لگایا۔ عرج نے آنسو بھری آنکھوں سے زیان کو دیکھا۔

''عرج! جب تم میری زندگی میں داخل ہوئیں تو مجھے نہیں پتا تھا کہ میں تم سے اتنی محبت کرنے لگوں گا، میں نے عالیہ کے سوا کسی اور کا تصور بھی نہیں کیا تھا مگر نکاح کے بعد جب جب میری نگاہ تم پر جاتی تو میں ہمیشہ یہی سوچتا تھا کہ تم میری بیوی کی حیثیت سے اس گھر کی بہو ہو، ایان کی ماں ہو اور صدف، سائرہ کی بھابی ہو اور مجھ ہی سے لاتعلق ہو۔ تم میری طرف دیکھتی بھی نہیں تھیں اور میری ہر چیز کا اتنا خیال رکھتی تھیں شاید اسی لیے...... اسی لیے مجھے تمہاری ایسی عادت ہوگئی کہ مجھے تمہاری غیر موجودگی کا امریکہ میں شدت سے احساس ہوا۔ دل کہتا تھا کہ اب تم بیوی ہو تو مجھے یہ رشتہ قبول کر لینا چاہیے مگر دماغ میں صرف عالیہ...... میں پاگل سا ہونے لگا۔ پھر عالیہ میرے خواب میں آئی اور اس نے صرف یہ کہا کہ ''زیان آپ عرج کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔'' بس پھر جب میں واپس آیا تو مجھے تم میں صرف اور صرف میری بیوی نظر آئی۔ یار پلیز وہ پل واپس لے آؤ جب تم اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات مجھ سے شیئر کرتی تھیں، عرج کتنے دن سے تم نے مجھ سے بات نہیں کی۔ کتنے دن سے میری طرف دیکھا تک نہیں۔ میں ان لمحات کو بہت مس کرتا ہوں۔'' زیان اپنی بات ختم کر کے عرج کے جواب کا انتظار کر رہا تھا کہ عرج کا ضبط ٹوٹ گیا اور اس نے زیان کے کاندھے سے لگ کر بے تحاشا رونا شروع کر دیا۔

''میں بھی بہت مس کرتی ہوں جب بابا کی ڈیتھ ہوئی تو میں آپ کے کاندھے پر سر رکھ کر رونا چاہتی تھی۔ وہاب کی بہت ساری شکایتیں کرنی تھیں آپ سے۔ آپ نہیں جانتے یہ وقت میں نے کتنی مشکل سے کاٹا ہے۔ آپ نہیں جانتے میں کتنا روئی ہوں۔ آپ کے ساتھ ایک روم شیئر کرنا کتنا مشکل تھا میرے لیے، میں بالکل ٹوٹ گئی تھی۔ تھک گئی تھی، میں مر جانا چاہتی تھی۔ مجھے صرف ایان نے سنبھالا ہے اس کی محبت ہے مجھ سے آپ کا سامنا کرنے کی ہمت آتی تھی۔ میرے پاس کوئی رشتہ بھی نہیں تھا زیان، میں بالکل اکیلی تھی۔''

''عرج! مجھے تمہارے ہر دکھ کا اندازہ تھا۔ تمہاری ہر تکلیف کا احساس تھا، تمہاری آنکھ میں آنسو کو میں دیکھ سکتا تھا۔ پر تمہیں ہمت دینے کے لیے مجھ میں بھی ہمت نہیں تھی یار اور اس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں تم سے معافی مانگتا ہوں، پر اب میرا وعدہ ہے کہ تمہاری آنکھ میں کوئی آنسو نہیں آئے گا۔ کبھی بھی نہیں۔'' زیان نے اس کے نرم رخساروں کو اپنے انگوٹھے سے صاف کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس کی لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے شوخ نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

''میں...... چینج کر لیتی ہوں۔'' عرج سے اس کی آنکھوں کی شوخی چھپ نہ سکی اسی لیے فوراً کھڑی ہوئی مگر زیان نے فوراً ہی اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

''میڈم! آپ کی طرف اظہار محبت ابھی باقی ہے۔''

''سر! جب محبت ہو جائے تو اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' عرج نے بھی اسی کے انداز میں اتراتے

ہوئے جواب دیا جس پر زیان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا کیوں کہ اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔
"It`s means you love me." میں بھی کیسا سوال کر رہا ہوں اتنا Handsome بندہ Husband کے روپ میں ملے گا تو محبت تو ہو ہی جائے گی نا؟" زیان نے اپنے کالر کو چھوتے ہوئے اس انداز میں کہا کہ سامنے کھڑی عرج بے ساختہ مسکرادی۔ زیان نے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا مسکراتا چہرہ تھام کر اس کے ماتھے پر بوسہ لیا۔
"ہمیشہ مسکراتی رہا کرو بہت پیاری لگتی ہو۔"
"آپ کے ساتھ رہوں گی تو ہمیشہ مسکراتی رہوں گی۔" عرج نے اپنا سر زیان کے کاندھے پر ٹکایا تو زیان نے اسے اپنی باہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا۔
"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا عرج کہ ہماری زندگی میں یہ پل بھی آسکتا ہے مگر اللہ پاک اس رشتے میں خود ہی فیلنگ ڈال دیتا ہے، ہے ناں؟" عرج نے مختصر جواب دیا۔
"اچھا اب مجھے چینج کرنے دیں مجھے الجھن ہو رہی ہے اس ساڑھی میں۔"
"تو کرلو میں نے کب روکا ہے؟ تمہارا ہی دل نہیں کر رہا مجھے چھوڑنے کے لیے۔" زیان نے عرج کو ستانے کے لیے اکتاہٹ سے کہا جس پر عرج نے اسے گھورا اور جانے کے لیے مڑی مگر زیان نے اسے ہاتھ پکڑ کر شیشے کے سامنے کیا اور اس کی کمر پر اپنے بازو حمائل کر کے کاندھے پر اپنی ٹھوڑی ٹکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔
"ویسے یار! واقعی ہی ہمارے کپل کا جواب نہیں سب ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔"
"آپ کو کوئی شک تھا کیا؟" عرج نے بھی مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ اور ساتھ ہی بڑی نزاکت سے خود کو چھڑاتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔
"میری منہ دکھائی کا گفٹ کہاں ہے؟"
عرج؟" زیان نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا کیوں کہ اب تک اس نے اس سے کچھ بھی نہیں مانگا تھا اور اس وقت اس کے پاس کچھ دینے کے لیے تھا بھی نہیں۔
"آپ کو ہی بڑا ارمان تھا ناں کہ میں آپ سے کچھ مانگوں، تو اب مانگ رہی ہوں یہ تو میرا حق ہے اور آپ کو دینا پڑے گا۔"
"یار! یہ کیا بات ہوئی پہلے بتانا چاہیے تھا ناں ابھی تو میں کچھ نہیں لایا۔"
"تو کوئی بات نہیں کل لے آیئے گا۔ ابھی ویسے بھی مجھے بہت نیند آرہی ہے۔ گڈ نائٹ۔" عرج نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ عرج کے اس انداز پر زیان نے کچھ نہیں کہا اور اس کی طرف ایک نظر دیکھتا رہا۔ عرج بھی اس کو دیکھتی ہوئی چینج کرنے چلی گئی اور وہ چپ چاپ آکر بیڈ پر لیٹ گیا کیوں کہ منہ دکھائی تو اس کا حق تھا اور اس کے مانگنے پر زیان کو خوشی ہوئی تھی مگر اس موقع پر مانگنا......!!
"آج چھوڑ رہا ہوں کل نہیں چھوڑوں گا۔" زیان یہ سوچتے ہوئے سو گیا۔
......☆......

ناولٹ

ملے جب بھی تم

افضال صاحب اور اکبر صاحب پانچ بھائی بہن تھے۔ جن کے والدین جہان فانی سے عرصے پہلے کوچ کر چکے تھے اور تینوں بہنیں ماشاءاللہ اپنے اپنے گھروں میں خوش حال زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ساتھ



ہی پانچوں بہن، بھائیوں میں محبت بھی مثالی تھی، یہی نہیں بلکہ ان کے بچوں میں بھی آپس میں انتہا کا میل جول تھا۔کوئی کسی کی تکلیف برداشت نہ کرتا۔

افضال صاحب ان میں سب سے بڑے تھے۔ ان کے چار بچے راحیل، منیزہ، آیت اور ندا تھے۔ اکبر صاحب کے تین بچے حازق، حاشر اور الوش تھے۔افضال صاحب اور اکبر صاحب بھائی تو تھے ہی ساتھ ہی انہوں نے اپنے بچوں کی نسبت آپس میں طے کر رکھی تھی۔ راحیل کو بچپن سے ہی الوش کے نام سے منسوب کر دیا گیا تھا جب کہ حاشر اور ندا زندگی

کے ہر مقام پر ایک ساتھ رہے تو ان کی دوستی بھی بڑھ گئی تھی اور جلد ہی ان کی شادی کے دن بھی قریب تھے۔ تینوں پھوپیاں بمع اہل و عیال ان کے گھر تشریف لا چکی تھیں۔ سب سے بڑی پھپھو راحت سلمان اس وقت اپنے دونوں بچوں حدیبہ اور سجاد کو لیے شادی کی تیاری میں مگن تھیں اور ماہم رضوان بھی اپنے بیٹے سبحان کو گھر پر چھوڑ کر اپنی بڑی بہن راحت کے ساتھ بازاروں میں خوار ہو رہی تھیں اور دونوں ہی روبینہ خالد پر اپنے بچوں کی ذمے داری ڈال کر شاپنگ میں خاصی مگن تھیں۔ روبینہ ایک تو کم عمر تھیں



دوسرا سب ہی بچوں سے ان کی کافی دوستی تھی مگر ان کی اکلوتی چار سالہ بیٹی نے ان کو گھن چکر بنا کر رکھ دیا تھا۔
گھر میں تو جیسے ایک طوفان برپا تھا۔ زبیدہ افضال اور افروز اکبر بچوں کے شور شرابے پر بہت خوش تھیں جب کہ روبینہ تنگ آ کر کہہ اٹھیں۔
''تم سب انسان کے نہیں بلکہ کسی اور ہی مخلوق کے بچے لگ رہے ہو۔ ذرا جو انسانوں والی کوئی بات ہو تم لوگوں میں۔'' انہوں نے سر ہاتھوں میں تھام کر کہا۔
''کہہ سکتی ہیں۔ بھئی آخر کو آپ ہی کے بھائی کی اولاد ہیں۔'' یہ حازق تھا۔ جو کہ بھائیوں اور بہنوں میں سب سے زیادہ ہوشیار تھا۔ روبینہ پھپھو جو سر تھامے بیٹھی تھیں۔ اس کے جواب پر منہ کھولے اسے ہی تک رہی تھیں اور باقی سب بیٹھے ہنس ہنس کر دوہرے ہو گئے تھے۔
''حازق تم...... تمہیں میں چھوڑوں گی نہیں آنے دو بھائی کو بتاتی ہوں کہ ان کے لاڈلے صاحب زادے کیا فرما رہے ہیں۔'' روبینہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
''پھپھو آپ مجھ پر کیوں الزام لگا رہی ہیں یہ تو آپ نے خود کہا ہے کہ ہم کسی اور ہی مخلوق کے بچے ہیں۔'' حازق نے اس کی بات دہراتے ہوئے کہا تھا۔
''ہاں پھپھو حازق بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' یہ منیزہ تھی جو حازق کی اکلوتی چچی کے نام سے مشہور تھی۔ جو حازق کے لیے کچھ برا نہیں سن سکتی تھی۔
''ہاں ٹھیک کہا منیزہ نے پھپھو۔'' اب کہ سب ہی نے یک زبان ہو کر کہا اور پھپھو تو کہہ کر پچھتائیں تھیں۔ تب ہی ہال میں آئے افضال صاحب اور اکبر صاحب پر ان کی نظر پڑی۔
''ماموں جان کیا حال ہے؟'' یہ سجاد تھا جو تھا تو بہت سلجھا ہوا مگر جب حازق کے ساتھ ہوتا تو کوئی بھی یہ بات نہ مانتا کہ سجاد کم گو قسم کا لڑکا ہے۔
''کیا بات ہے ماموں کے بھانجے صاحب آج کیسے اپنے ماموں کا حال احوال یاد آ گیا؟'' اکبر ماموں نے اسے مسکراتے ہوئے کہا۔
''بس ماموں! آ ہی گیا خیر آپ بتائیں کہ ہم سب نے کیا کیا کام سنبھالنے ہیں؟'' اب کے وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا تھا۔
''بیٹا جی! ہم تو عمر کے اس دہانے پر پہنچ گئے ہیں جہاں دماغ کام کرتا ہے۔ نہ گھٹنے۔ اس لیے شادی کی تیاری کی ساری ذمہ داری اب تم سب نے مل کر اٹھانی ہے سمجھے۔'' افضال ماموں مسکراتے ہوئے بولے۔
''جی ماموں جان! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' سجاد نے سر جھکاتے ہوئے ایک ادا سے کہا۔
''سب ہی کزن سن لیں کام کرنا ہے تو ہمیں سب کو ساتھ ہی کرنا ہے۔ ندا آپی اور الوش آپی آپ دونوں ہی نے مکمل آرام کرنا ہے کیوں کہ آپ تو دلہن ہیں۔'' سجاد کہتا کہتا پھپھو کے ساتھ بیٹھی ندا اور الوش کی طرف مڑا تھا۔ جو شرم سے گلابی ہو رہی تھیں۔
''اور اب میں بتاؤں گا کہ کون سی ٹیم نے کیا کیا کام کرنے ہیں۔'' سب ہی لڑکوں اور لڑکیوں کی نظر اسی پر جمی تھی۔
''حازق کی ٹیم باہر کے سارے کام نمٹائے گی اور میری ٹیم گھر کے سارے کام سنبھالنے گی۔ اب حازق اور میری ٹیم میں کون کون ہوگا یہ ڈی سائیڈ کرتے ہیں۔'' سجاد آگے کچھ کہتا حازق فوراً بول اٹھا۔
''آیت میری ٹیم میں ہوگی۔'' سب نے حازق کے بولنے پر اس کی طرف دیکھا جب کہ سجاد مسکرا رہا تھا۔ جیسے جانتا ہو کہ حازق یہی کہنے والا تھا۔
''کیوں کوئی مجھ سے بھی تو پوچھے کہ مجھے کس ٹیم میں رہنا ہے۔ مجھے پتا ہے، تم ٹیم کے کپتان بن کر مجھ پر رعب جھاڑنے کے خواب دیکھ رہے ہو مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔'' آیت منہ بناتے ہوئے بولی۔ حازق اور آیت کی دوستی ہونا بالکل ایسا تھا جیسے زمین اور آسمان کا آپس میں مل جانا۔

''اُف......آیت! اب حازق بھائی اتنے بھی برے نہیں ہیں۔ تم اب اپنا منہ بند رکھنا اگر شادی کے کاموں میں پارٹ لینا ہے تو۔'' منیزہ نے ایک بار پھر حازق کی وکالت کر کے آیت کو غصہ دلا ڈالا مگر وہ سجاد کے خاموش ہو جانے والے اشارے کو دیکھ کر غصہ پی گئی۔ انو سجاد ایک بار پھر بول اٹھا۔

''ٹھیک ہے آیت، حازق کی ٹیم ممبر، حدیبیہ اور حاشر بھائی تمہاری ٹیم میں ہوں گے حازق۔'' حازق کی طرف اشارہ کیا جس پر اس نے حامی میں گردن ہلادی۔

''یہ تم ڈیسائیڈ کرو کہ تم نے باہر کے کام نمٹانے ہیں یا گھر کے۔'' سجاد اب حازق کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''میں شاپنگ کے لیے نہیں جاؤں گی۔'' حازق کے جواب دینے سے پہلے ہی آیت نے کہہ دیا۔

''ہم بازار کے کام کریں گے، میرا مطلب ہے باہر کے کام ہم کریں گے۔'' حازق جو گھر کا کہنے والا تھا آیت کی بات پر اپنا ارادہ بدلتا ہوا بولا تھا۔ جس پر آیت سلگ کر بولی۔

''دیکھا سجاد بھائی اسی لیے آپ کو کہا تھا کہ مجھے آپ کی ٹیم میں رہنا ہے۔'' آیت کا دل چاہا ابھی رونے بیٹھ جائے مگر اپنا مذاق نہیں بنوانا چاہتی تھی۔

''کوئی بات نہیں آیت! اپنی بہنوں کے لیے تم اسے برداشت کرلو اللہ اجر دے گا۔'' سجاد کے سیریس لہجے میں کہی آخری بات پر سب ہی ہنس دیئے۔ خود آیت کو بھی ہنسی آگئی اور حازق اب سجاد کو گھور رہا تھا۔

☆......☆

شادی کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ آیت اور حازق کی لڑائیاں بھی عروج پر تھیں۔ حازق جس کام کا کہتا آیت صاف انکار کر دیتی، پھر حازق اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا یہ کہہ کر۔

''کرنا ہے تو کرو ورنہ یہ کام کوئی اور نہیں کرے گا اگر عین وقت پر کوئی بھی گڑبڑ ہوئی تو ذمے دار تم خود ہو گی۔'' اور پھر مجبوراً آیت کو ہی کام کرنا پڑتا۔ بھی کام وقت پر ہو رہے تھے۔ اب بھی آیت اور حازق مال میں جیولری کی خریداری کر رہے تھے بلکہ حازق تو کھڑا تپ رہا تھا، کیوں کہ آج انہیں سارے ضروری کام نمٹانے تھے اور آیت بڑی مگن سی شادی میں پہننے والے ڈریس کی میچنگ جیولری خرید رہی تھی۔

''یار حد ہے ہمیں اور بھی کام ہیں اور تم پچھلے آدھے گھنٹے سے اس فضول کام میں مگن ہو۔'' حازق کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

''تمہیں کام کرنے ہیں تو جاؤ کرو میں تو ابھی کچھ اور جیولری بھی خریدوں گی۔'' آیت کی زبان نے جلتی پر تیل چھڑکنے والا کام کیا تھا۔ حازق غصے سے اس کا ہاتھ پکڑتا لفٹ تک لے آیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' آیت، حازق کی اس حرکت پر دہاڑی تھی۔

''ذرا اپنے والیم کو کم رکھیے میڈم یہ آپ کا گھر نہیں شاپنگ مال ہے اور ابھی مجھے شرافت سے یہ بتاؤ کہ ندا آپی اور الوش آپی کے شرارے پہلے لینے ہیں یا گفٹ دینے والے ڈریسز لینے ہیں پہلے؟'' حازق اپنا موڈ بہتر بناتے ہوئے بولا تھا تب ہی آیت کو بھی سنجیدگی اختیار کرنی پڑی۔

''پہلے کچھ ڈریسز خرید لیتے ہیں پھر شرارے اور ان کی میچنگ جیولری پک کریں گے۔'' آیت کے مشورے پر سر ہلاتا حازق لفٹ کے رکنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی منٹ میں وہ مال کے تھرڈ فلور پر آگئے تھے اور ایک گھنٹے میں کئی سوٹ خرید کر شرارے پک کرنے چل دیے تھے۔ حازق کو وہاں ہی گرین اور پرپل کنٹراس میں سلور ہلکے کام والا ایک شرارہ بہت پسند آیا۔ اس نے آیت سے نظر بچاتے ہی وہ شرارہ خرید لیا۔ وہ جانتا تھا آیت اگر دیکھ لیتی تو ہزار سوال کرے بغیر نہ رہتی۔ وہ بھی شراروں کی پیمنٹ کر کے باہر نکلا ہی تھا کہ آیت پیچھے سے آتے ہوئے بولی۔

''میں تھک گئی ہوں اور بھوک بھی لگی ہے۔ پلیز کچھ کھلا دو ورنہ یہیں میرا دم نکل جاتا ہے۔'' آیت نے اتنے معصوم انداز میں کہا تھا کہ حازق کو اس پر ترس آ گیا۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے۔'' وہ فرمانبرداری دکھاتا ہوا لفٹ کی اور چل دیا۔ حازق اور آیت بھرے ہوئے شاپنگ بیگز ہاتھ میں لیے لفٹ میں کھڑے تھے۔ تب ہی اچانک ایک جھٹکے سے لفٹ رکی۔ وہ دونوں سیکنڈ اور فرسٹ فلور کے بیچ لفٹ رکنے سے پھنس چکے تھے۔

''یہ کیا ہوا ہے حازق؟'' آیت نے ڈری ڈری آواز سے پوچھا۔

''لگتا ہے لفٹ رک گئی۔'' حازق نے اس کی ڈری سی صورت دیکھ کر مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب...... کیا اب ہم نہیں نکل سکتے؟'' اس نے سہم کر حازق کی طرف دیکھا۔

''ہاں نکل سکتے ہیں اگر کسی سے مدد مانگ لیں تو......'' وہ اب لطف لیتے ہوئے بولا۔

''اچھا تو فون کرو ناں کسی کو، تم ایسے کیوں کھڑے ہو؟'' آیت نے تپ کر کہا۔

''کیوں کہ نہ موبائل اس وقت تمہارے پاس ہے اور نہ ہی میرے موبائل میں چارجنگ ہے۔ اب تو بس اس لفٹ کے چلنے کا انتظار ہی کر سکتے ہیں۔'' حازق جانتا تھا آیت موبائل گھر سے باہر لے کر نہیں نکلتی تھی۔ تب ہی مصنوعی فکر مندی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

''میرا دل کر رہا ہے تمہارا موبائل تمہارے سر پر ہی دے ماروں بالکل تمہاری طرح فضول ہے تمہارا موبائل۔'' آیت غصے سے لال ہونے لگی تھی۔

''چلو اب خاموش رہو اور بیٹھ جاؤ یہیں فرصت سے۔'' حازق بڑے ہی سکون سے نیچے بیٹھ چکا تھا اور آیت کو بھی مجبوراً وہیں بیٹھنا پڑا تھا۔

''پلیز کچھ کرو میرا دم نکل جائے گا ورنہ۔'' اس نے حازق کو دیکھتے ہوئے التجا کی تھی۔

''مجھے دیکھو میں تو بالکل ٹھیک ہوں پھر تمہارا کیوں دم نکل جائے گا؟'' حازق نے حیرت سے اسے تکتے ہوئے کہا۔

''کیوں کہ میں لڑکی ہوں۔'' آیت نے معصومیت سے اس کی گولڈن براؤن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ویسے تم مانو یا نہ مانو اس وقت تم ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ بات تسلیم کر رہی ہو کہ لڑکیاں نازک ہوتی ہیں۔'' حازق نے مزے لیتے ہوئے کہا۔

''پلیز تم کبھی تو سیریس ہو جایا کرو حازق! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اب کے آیت کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

''اور مجھے بڑا مزا آ رہا ہے تمہیں روتا دیکھ کر۔'' اس نے پیر پھیلاتے ہوئے کہا۔ انہیں لفٹ میں پھنسے آدھا گھنٹا گزر چکا تھا۔ آیت اب سسکیوں سے رونے لگی تھی۔

''کیا رونے سے تم اس رکی ہوئی لفٹ کو چلا سکتی ہو؟'' حازق نے نہایت فضول سا سوال کیا تھا۔ جس پر آیت نے اسے گھورا تھا۔

''نہیں! اگر ایسا ہو سکتا ہے تو دونوں مل کر خوب سارا روتے ہیں۔'' حازق نے چھیڑ کر کہا۔ جس پر آیت ناک سکیڑ کر رہ گئی اور آیت کی اس حرکت پر حازق کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''ارے یار! میں سیریس ہو جاتا ہوں مگر تم پہلے رونا بند کرو۔ تم تو صرف لڑتے ہوئے اچھی لگتی ہو۔ اب رونا نہیں ورنہ میں اسی طرح بیٹھا رہوں گا اور پھر ہم کسی وقت یہیں بیٹھے بیٹھے دم گھٹنے سے مر جائیں گے اور جب لوگ ہمیں باہر نکالیں گے تو کہیں گے دیکھو دو پیار کرنے والے لفٹ میں جان دے بیٹھے۔'' حازق نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''بکواس بند کرو اپنی اور کرو کچھ اب۔'' اس نے

بھڑکتے ہوئے کہا اور حازق نے اپنی جیب سے موبائل نکالتے ہوئے کوئی نمبر ملایا۔ آیت کو اس کا آدھے گھنٹے پہلے والا جھوٹ یاد آیا۔ حازق اب فون کان پر لگا چکا تھا۔

''تم نے مجھ سے جھوٹ......'' وہ آدھی بات سے زیادہ نہ بول سکی۔ حازق نے اسے خاموش کرانے کے لیے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور کچھ دیر غصہ کرنے کے بعد وہ فون بند کر چکا تھا۔ فون بند کرتے ہی اس نے آیت کے منہ سے ہاتھ ہٹایا تھا۔

''ہاں اب کہو۔'' شاپنگ بیگز ہاتھ میں پکڑتا اب وہ کھڑا ہو چکا تھا۔

''تم نے جھوٹ کیوں کہا کہ تمہارا موبائل چارج نہیں۔'' آیت نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں کہ مجھے مزا آرہا تھا تمہیں روتا دیکھ کر۔'' حازق نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم بہت بدتمیز ہو حازق!'' آیت شاپنگ بیگز اٹھاتے ہوئے بولی۔

''ہاں اور پاگل بھی۔'' حازق نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا مگر آیت تک اس کی آواز پہنچ گئی تھی۔ آیت نے حیرت سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ لفٹ ایک بار پھر چل چکی تھی اور دس منٹ بعد وہ دونوں گراؤنڈ فلور پر پہنچ چکے تھے مگر آیت اب اپنی سوچ میں الجھ سی گئی تھی۔ حازق نے اسے مخاطب کیا۔

''کیا کھائیں گی میڈم آپ؟''

''کچھ نہیں، میں تھک گئی ہوں اب گھر چلو۔'' آیت نے گم صم انداز میں جواب دیا۔ حازق نے حیرت سے اسے دیکھا پھر کندھے اچکا کر سیدھا مال سے باہر نکل آیا۔ آیت بھی اس کی تقلید میں چلتی چلی گئی۔

☆......☆

سب ہی اپنے اپنے کاموں میں نہایت مگن تھے مگر آیت بے زاری گھر میں کسی بھی کام کو لے کر بیٹھتی تو گھنٹوں اسی کام کو کھوئے کھوئے انداز میں لیے بیٹھی رہتی۔ ابھی بھی اسے گھر میں سجاوٹ کے کام میں منیزہ نے اپنے ساتھ لگالیا تھا مگر اس کی مسلسل خاموشی سب ہی کو حیرت میں ڈال رہی تھی۔ منیزہ اسے کافی دیر خاموش کھڑی دیکھتی رہی مگر آیت اسی طرح کھوئی سی اپنے کام میں مصروف تھی جیسے وہ یہاں ہو ہی نہیں بالآخر منیزہ نے خاموشی کو توڑ ہی ڈالا تھا۔

''آیت کیا بات ہے؟ اتنے دن سے خاموش کیوں ہو؟ پتا ہے سب ہی تمہاری اس بے زاری اور خاموشی سے حیران ہوئے جارہے ہیں۔'' منیزہ نے فکرمندی سے پوچھتے ہوئے اس کے سامنے والی کرسی سنبھالی۔

''تو ہونے دو حیران میں کیا کرسکتی ہوں۔ میں تو خود الجھی بیٹھی ہوں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا پھول دھاگے میں پروتے ہوئے کہا۔

''ہیں، کیا مطلب؟'' منیزہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ منیزہ اور آیت بہن سے بڑھ کر آپس میں بہت اچھی دوست تھیں۔ جب ہی آیت نے بلا جھجک اپنی الجھن بتا ڈالی۔

''ہاں منیزہ! کچھ دنوں سے میں حازق کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ وہ بہت عجیب بی ہیو کررہا ہے آج کل۔'' اس دن لفٹ میں اس نے جھوٹ کہا تھا اس کا موبائل چارج تھا۔ پھر بھی اس نے آدھا گھنٹہ میرا برباد کیا اور پھر دن بہ دن وہ بہت سیریس بھی ہوتا جارہا ہے۔ تم سے ٹھیک سے بات کرتا ہے مگر میں اگر بات کروں تو ٹھیک سے میری بات کا جواب تک نہیں دیتا۔ ہمیشہ کوئی ایسی بات کرتا ہے جس پر مجھے غصہ آجاتا ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولتی چلی گئی جب کہ منیزہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''ایسے کیا مسکرا رہی ہو؟'' آیت نے منیزہ کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہی دیکھ رہی ہوں جو تم نہیں دیکھنا چاہتیں۔''

منیزہ نے شوخ نظروں سے دیکھا تھا۔
''کیا کہنا چاہتی ہو ٹھیک سے کہو۔'' آیت نے تپ کر کہا۔
''ایک تو تم فوراً غصے میں آجاتی ہو۔'' منیزہ کا ایک دم ہی موڈ خراب ہو گیا تھا۔
''تم بتا رہی ہو یا نہیں؟'' آیت نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
''ارے بھئی حازق بھائی تم سے محبت کرنے لگے ہیں۔'' منیزہ نے آگے آتے ہوئے رازدارانہ انداز میں بتایا۔
''تم پاگل ہو گئی ہو، وہ مجھے تنگ کرتا ہے اور تم بول رہی ہو وہ محبت کرتا ہے۔'' آیت نے اس کی بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا۔
''وہ اس لیے تنگ کرتے ہیں کہ تم برا مانتی ہو اور غصہ کرتی ہو۔'' منیزہ نے اسے سمجھایا تھا۔
''تم بھی ناں بالکل غلط سوچتی ہو۔'' آیت نے بات کو مذاق میں اڑا دیا تھا۔
''ٹھیک ہے تم بھلے نہ مانو اب میں بھی نہیں سمجھاؤں گی تمہیں۔'' منیزہ برا مانتے ہوئے واپس اپنے کام میں لگ گئی تھی مگر آیت کی سوچ کے بالکل نئے در کھول گئی تھی۔

☆......☆

شادی کا ہنگامہ اپنے عروج پر تھا۔ آج ندا اور راحیل کی مایوں کا فنکشن تھا اور اگلے دن حاشر اور الوش کی مایوں کا فنکشن ہونا تھا۔ سب ہی ہلے گلے میں پوری طرح مگن تھے۔ حازق بھی ہر کام اور رسم میں آگے سے آگے تھا جب کہ آیت سب کو دور کھڑے دیکھ رہی تھی۔ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ حازق کب اس کے برابر آ کھڑا ہوا تھا۔
''کیا ہوا تم کیوں اجڑا چمن بنی یہاں کھڑی ہو؟'' حازق بظاہر سیریس تھا مگر اس کا موڈ آیت کو تنگ کرنے کا تھا۔

''تم سے مطلب میں چاہے اجڑا چمن بنوں یا کچھ اور تم اپنے کام سے کام رکھو۔'' آیت نے نہایت بے رخی سے کہا۔
''تم پریشان ہو؟'' اب کے حازق نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''پلیز حازق مجھے پریشان مت کرو اس وقت۔'' آیت نے تڑخ کر کہا۔
''آیت پلیز! مجھے بتاؤ کیا بات ہے کیوں پریشان ہو تم میں وعدہ کرتا ہوں تمہارا ساتھ دوں گا۔'' حازق کو اب کے صحیح معنوں میں آیت کی پریشانی کا احساس ہوا تھا۔ پر آیت جواب دیئے بغیر ہی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
''آیت! تم اس طرح نہیں جا سکتیں تمہیں مجھے بتانا پڑے گا۔'' حازق اس کے پیچھے بھاگا تھا۔
''پلیز حازق مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ غصے سے چیخی تھی۔
''تم بتاتی کیوں نہیں ہو کہ آخر بات کیا ہے؟'' حازق نے اب کے غصے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔
''کیوں بتاؤں تمہیں۔'' اب کے وہ تھکتے ہوئے بولی تھی۔
''کیوں کہ دوسرے کو بتا کر دل ہلکا ہوتا ہے۔'' حازق نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔
''حازق! میں پاپا کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔ پاپا کو ایک دم بزنس میں بہت بڑا نقصان ہو گیا اور یہ بات راحیل بھائی بھی نہیں جانتے نہ پاپا انہیں شادی کے موقع پر کچھ بتائیں گے۔ وہ تو کسی کو بھی نہیں بتائیں گے مگر وہ بہت پریشان ہیں ابھی تو بہت سے بلز پے کرنے ہیں۔ پاپا یہ سب اکیلے کیسے کریں گے مگر میں جانتی ہوں وہ اس وقت بہت پریشان ہیں۔'' آیت تھک چکی تھی۔ یہ بات اپنے اندر چھپائے چھپائے تب ہی حازق کے زور دینے پر رو

پڑی اور وہ بات جو اسے کئی دن سے پریشان کیے ہوئے تھی حازق کو بتا ڈالی۔
''تم فکر مت کرو، رو نہیں میں بابا سے بات کرتا ہوں۔ اس بارے میں۔'' اب کے حازق پرسکون ہو چکا تھا۔ آج آیت نے پہلی بار اسے اپنی پریشانی بتائی تھی۔ وہ خوش بھی تھا مگر اب اسے اس کا ساتھ دینا تھا کسی بھی طرح۔
''نہیں تم چچا جان سے کچھ نہیں کہو گے۔ اگر بابا نے چچا جان سے کہنا ہوتا تو وہ خود کہہ دیتے۔ انہوں نے نہیں کہا تو میں بھی نہیں کہہ سکتی۔'' آیت نے حازق کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
''ٹھیک ہے نہیں بتا رہا مگر تم خود بتاؤ اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی اور طریقہ ہے تایا جان کی ہیلپ کرنے کا۔'' حازق نے اس کے ہاتھ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں ایک طریقہ ہے میرے پاس، چلو میرے ساتھ۔'' آیت اسے اپنے ساتھ لیے اپنے کمرے میں چلی آئی اور دروازہ بند کرتے ہوئے مڑی، حازق کو اس کی حرکت پر بڑی حیرت ہوئی۔ آیت اپنی پریشانی میں یہ تو بھول ہی گئی تھی کہ اسے اور حازق کو اگر کسی نے ایک کمرے میں بند دیکھ لیا تو کیا کیا باتیں بنیں گی۔
''حازق ہم سب لڑکیوں نے ندا آپی اور الوش آپی کی برأت کے لیے بہت سے سرپرائز پلین کر رکھے تھے اور ہمارے پاس اماؤنٹ بھی اچھا خاصا ہے۔ کیوں ناں ہم سب کو بتا کر یہ پیسے پاپا کو دے دیں۔'' آیت نے اسے اپنا ارادہ بتا ڈالا۔
''ہاں آئیڈیا تو بہت اچھا ہے تم جا کر تایا جان کو یہ پیسے دو اور میں سب کو بلا کر بتا دیتا ہوں۔'' حازق جلد از جلد اس کے کمرے سے نکلنے کی سوچ رہا تھا۔ تبھی قدم آگے بڑھا دیئے۔
''مگر ابھی کیسے باہر تو سب لوگ ہیں۔'' آیت کو ایک نئی پریشانی لاحق ہوئی۔
''ارے تم نہیں رکو میں تایا جان کو بھیجتا ہوں۔'' حازق اسے وہیں چھوڑ کر بہت احتیاط سے باہر آ چکا تھا کہ اگر کوئی اسے اکیلے آیت کے کمرے میں دیکھ لیتا، تو گھر میں وبال آ جاتا۔ باہر آتے ہی تایا جان اسے مہمانوں کے ساتھ کھڑے دکھ گئے تھے۔ حازق ان کے پاس جا کر بولا۔
''تایا جان آیت آپ کا اپنے روم میں انتظار کر رہی ہے اسے شاید کوئی کام ہے۔''
''میرا انتظار کر رہی ہے۔'' تایا جان نے اسے حیرت سے دیکھا تھا اور حازق کی حامی میں گردن ہلاتے ہی مسکراتے ہوئے آیت کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ حازق بھی ان کے جاتے ہی باقی لڑکیوں کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆

''پاپا! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' آیت نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔
''جی پاپا کی جان کہو۔'' پاپا نے بہت پیار سے کہا تھا۔
''پاپا! میں جانتی ہوں آپ نے اب تک کسی سے اپنی پرابلمز شیئر نہیں کیں اور کریں گے بھی نہیں مگر کچھ دن پہلے میں نے آپ کی بات سن لی تھی۔ آپ ماما کو بتا رہے تھے کہ آپ کو بہت نقصان ہو گیا ہے اور ابھی آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ پاپا یہ میرے پاس کچھ اماؤنٹ ہے جو سب لڑکیوں نے آپی کی شادی کے لیے جمع کیے تھے مگر یہ پیسے آپ رکھ لیں پاپا۔'' آیت اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوئی تو پاپا حیرت سے بولے۔
''بیٹا! یہ آپ سب بچوں کے پیسے ہیں۔ یہ میں نہیں لے سکتا۔''
''نہیں پاپا! اگر آپ یہ پیسے نہیں لیں گے تو ہم بھی یہ پیسے نہیں رکھیں گے۔ ایسے پیسوں کا کیا فائدہ کہ ضرورت کے وقت کسی کام نہ آ سکیں۔'' آیت برا مانتے ہوئے بولی اور افضال صاحب کو اپنی حساس سی

بٹی پراس وقت بڑا پیار آیا۔

''ٹھیک ہے یہ میں رکھ لیتا ہوں۔'' افضال صاحب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''لیکن میری پھر ایک بات مانو گی آپ۔'' افضال صاحب نے مزید کہا آیت جو اپنے پاپا کے پیسے لینے پر خوش تھی مسکرا کر بولی۔

''جی پاپا! کہیے، ایسا ہو سکتا ہے میں اپنے پاپا کی بات نہ مانوں۔''

''بیٹا! میں آپ سے بہت دن سے یہ بات کہنا چاہتا تھا مگر وقت نہیں ملا۔ مجھے حازق بہت پسند ہے بیٹا۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے میں اس شادی میں ہی آپ کی اور اس کی منگنی کرنا چاہتا ہوں۔ اب آپ سوچ سمجھ کر اپنا فیصلہ مجھے بتا دینا۔ آپ کا جواب ہاں میں ہو یا نہ میں۔ مجھے دونوں صورتوں میں منظور ہو گا۔ کیوں کہ میں صرف اپنی بیٹی کی خوشی چاہتا ہوں۔'' انہوں نے دوستانہ لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔ آیت جسے ذرا امید نہ تھی کہ اس کے پاپا اس سے اس ٹاپک پر بھی بات کر سکتے ہیں۔ وہ شرم سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

''پاپا! آپ میرے لیے جو فیصلہ کریں گے میرے بھلے کے لیے کریں گے اگر آپ کو حازق اس لحاظ سے پسند ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' آیت نے سر جھکا کر تابعداری سے کہا۔

''میں بہت خوش ہوں بیٹا کہ میری دونوں بیٹیوں نے میرا مان رکھا ہے۔ اللہ نے مجھے بہت پیاری اور فرمانبردار بیٹیاں عطا کی ہیں۔ اس مالک کائنات کا بہت شکر ہے۔'' افضال صاحب نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

☆......☆

حازق سب ہی لڑکیوں کو بتا چکا تھا اور سب ہی نے آیت کے فیصلے کو سراہا تھا۔ تب ہی آیت مسکراتے ہوئے افضال صاحب کے ساتھ باہر آتی نظر آئی اور سب ہی لڑکیوں کی طرف بڑھ گئی۔ جب کہ افضال صاحب وہیں اپنے دوستوں کو کمپنی دینے لگے تھے۔

مایوں کا مزا اب دوبالا ہو گیا تھا۔ آیت ہر گیم میں پیش پیش تھی اور حازق ہر تھوڑی دیر میں اس کو چھیڑتا مگر اب حازق کا چھیڑنا اسے برا نہیں لگ رہا تھا۔

پھر سب سونے کی غرض سے اپنے کمروں میں گھس گئے۔ جب کہ آیت کو شدت سے بھوک کا احساس ہوا تو وہ کچن کی طرف بڑھ گئی جہاں حازق پہلے سے موجود بریانی اور روسٹ سے انصاف کر رہا تھا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' آیت کے منہ سے بے اختیار ہی نکلا۔

''دیکھ نہیں رہا یہ خوشی کے مارے آنکھوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔'' حازق نے اس کے بے تکے سوال پر تپ کر کہا۔

''تم ٹھیک سے بات کیوں نہیں کرتے مجھ سے؟ کیا میں تمہیں اتنی بری لگتی ہوں؟'' آیت نے بریانی پلیٹ میں نکالتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

''اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے! یہ سچ ہے۔'' حازق پلیٹ پر جھکا بریانی کھا رہا تھا۔ جب کہ آیت نے رک کر اسے بغور دیکھا تھا لیکن حازق کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی فکر نہیں تھی۔

''اچھا پھر تم نے اس دن لفٹ میں مجھ سے جھوٹ کیوں کہا تھا۔ اگر اتنی بری لگتی ہوں تو آنسو کیوں صاف کیے تھے میرے؟'' آیت نے بے خیالی میں ہی سوال کیا تھا۔ اب کے حازق نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ آیت پلیٹ پر نظر جمائے کھانا تو خاک کھا رہی تھی بلکہ چاولوں کے بیچ میں چمچہ گھما رہی تھی۔

''وہ......وہ تو مجھے تمہیں رلانا تھا جب تم روئیں تو مجھے تم پر ترس آ گیا۔'' حازق نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

''چلو مان لیتے ہیں کہ تمہیں ترس آ گیا تھا اس وقت کیوں پریشان ہوئے تھے مجھے پریشان دیکھ کر یا

روتا دیکھ کر کیوں ہیلپ کی تھی میری؟'' آیت نے ایک بار پھر سوال کیا۔ ''ارے وہ تو میں تایا جان کے لیے پریشان ہو گیا تھا ان کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔ ان کا کہا سر آنکھوں پر۔'' حازق نے بہت چہک کر کہا۔

''تایا جان کی ہر بات سر آنکھوں پر۔ وہ جو بھی کہیں گے۔ تم مان جاؤ گے؟'' آیت نے پلکوں پر آئی نمی کو اپنے اندر اتار لیا تھا۔ بھوک بالکل مر چکی تھی اس کی۔

''ہاں میں تایا جان کی کبھی کوئی بات نہیں ٹال سکتا۔'' حازق ایک بار پھر پلیٹ پر جھک گیا تھا مگر آیت کھانا ایسے ہی چھوڑ کر جانے لگی تھی۔

''ارے کھانا تو کھاتی جاؤ۔'' حازق نے آواز لگائی۔

''تمہیں کیا میں کھا کر مروں یا بھوکی، تم سے مطلب۔'' آیت غصے سے کہتی پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی۔

''پاگل لڑکی تم کیا جانو کہ میں نے کیوں لفٹ میں جھوٹ کہا۔ کیوں تمہاری پریشانی میں تمہارے آنسو دیکھ کر پریشان ہوا نا سمجھ لڑکی۔'' حازق مسکراتا ہوا کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

☆......☆

رات جب وہ حازق کے پاس سے آئی تو رات کے تین بج رہے تھے مگر لیٹنے کے بعد بھی نیند کا کہیں کوئی نام و نشان نہ تھا۔ ساری رات ایک ہی سوال اس کے دماغ میں گردش کر رہا تھا۔

''کیا حازق پاپا کی خوشی کے لیے مجھ سے شادی کے لیے ہامی بھرے گا۔'' رات کے کسی پہر یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگی وہ خود نہ جان سکی۔ ہوش تو جب آیا جب حازق کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''محترمہ آیت صاحبہ! اٹھ جائیے اگر آپ کو یاد ہو تو رات آپ نے ایک چیلنج کیا تھا۔'' حازق اس کے سر پر کھڑا چیخ رہا تھا۔

''اف کیا ہے، صبح صبح ہی سر پر سوار ہو گئے ہو۔'' آیت نے کمبل منہ تک اوڑھتے ہوئے کہا۔

''محترمہ کہیں ایسا نہ ہو آپ ابھی سے چیلنج ہار جائیں۔'' حازق نے کمبل اس کے منہ سے کھینچتے ہوئے کہا اور اب کے آیت کو مجبوراً اٹھنا ہی پڑا تھا۔

''ٹائم کیا ہو رہا ہے؟'' آیت نے آنکھیں مسلتے ہوئے پوچھا۔

''صبح کے پانچ بج رہے ہیں۔ اٹھو اور وضو کر کے نماز ادا کرو۔'' حازق نے آج کے دن کا پہلا حکم دیا۔ جس پر آیت کو کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ سو خاموشی سے اٹھ گئی اور وضو کر کے نماز ادا کرنے لگی۔ نماز کے بعد آیت کا حازق سے سامنا ناشتے کی ٹیبل پر ہی ہوا تھا۔ جہاں سب ہی خاموشی سے ناشتے میں مصروف تھے مگر آیت کا دل حازق کی رات والی باتوں میں ہی کہیں اٹکا تھا۔

''آیت ناشتہ کیوں نہیں کر رہیں بیٹا۔'' اکبر صاحب نے اسے کھوئے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''کچھ نہیں چچا جان بھوک نہیں ہے مجھے۔'' آیت نے پلیٹ کھسکاتے ہوئے جواب دیا۔

''لگتا ہے چیلنج کو سوچ کر ہی بھوک اڑ گئی۔'' حازق نے لقمہ دیا۔ آیت نے اس بار کوئی جواب نہ دیا۔ ناشتے کے فوراً بعد ہی حازق کے حکم شروع ہو چکے تھے۔ جسے وہ خاموشی سے پورا کر رہی تھی جس پر سب ہی حیران اور پریشان تھے۔ حازق نے بھی اسے غصہ دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر آیت تو ایسا لگا جیسے کوئی روبوٹ ہو۔ جس نے اپنے کان بند کر رکھے ہوں۔

''آیت جاؤ میرے ابھی والے کپڑے استری کر کے لاؤ۔'' آیت کمال مہارت سے بیویوں والا حکم سن کر خاموشی سے اٹھی اور حازق کے کپڑے جو پہلے سے استری شدہ تھے دوبارہ استری کرنے لگی وہ واپس آ کر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ حازق نے ایک نیا حکم جاری کر دیا۔

''اف...... میں بہت تھک گیا ہوں۔ باتھ لے کر فریش ہو جاؤں۔ آیت اپنے ہاتھ سے میرے لیے کافی بنا کر میرے روم میں رکھ دو۔''

حازق کے اس حکم پر منیزہ اور سجاد نے حیرت سے حازق کو دیکھا تھا۔ آیت کافی بنانے کچن میں جا چکی تھی اور حازق اپنے کمرے میں آ گیا اور جلدی جلدی باتھ لے کر نکلا اور ٹراؤزر پہنے گلے میں ٹاول ڈالے اپنے بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ آیت اندر داخل ہوئی تو اس کی نظر حازق کے اس حلیے پر پڑتے ہی جھک گئی جب کہ حازق اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر کافی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر مڑی تھی کہ حازق نے فوراً اس کی کلائی تھام لی۔ آیت ایک جھٹکے سے اس کی طرف مڑی تھی اور وہ اس کے مقابل کھڑا اسے ہی تک رہا تھا۔

''ہاتھ چھوڑو میرا۔'' آیت نے آہستہ سے کہتے ہوئے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں چھوڑوں گا بلکہ میں تو دروازہ بھی لاک کرنے کی سوچ رہا ہوں۔'' حازق نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ آیت اس کی نظروں کی تپش سے بچنے کے لیے سر جھکائے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''کیا مطلب ہے؟'' آیت نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بھئی تم جب میرا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے جا کر کمرہ لاک کر سکتی ہو تو میں کیوں نہیں۔'' حازق نے شوخ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے کب......'' آیت کے دماغ میں جھماکا سا ہوا تھا۔

''اوہ...... میرے خدا میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا میں کیا غلطی کر گئی تھی۔'' آیت نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''اب جب کافی اپنے ہاتھ سے بنا کر لائی ہو تو مجھے پلا بھی دو۔'' حازق نے تو اب حد ہی کر ڈالی تھی۔

''کیوں تمہارے کیا ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں؟'' آیت کا دماغ پل میں گھوما تھا۔

''آج تم یہی سمجھ لو ڈیئر۔'' حازق دوبارہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا تھا۔

''تمہیں کافی پلائے گی میری جوتی۔'' آیت پیر پٹخ کر جانے کے لیے مڑی تھی۔

''ٹھیک ہے تم ہار چکی ہو۔ چیلنج اگر تمہیں یاد ہو تو۔'' حازق سکون سے کافی کپ لیتے ہوئے بولا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور بھاڑ میں جائے تمہارا چیلنج۔'' وہ فراٹے بھرتی وہاں سے نکل گئی تھی جب کہ حازق سکون سے مسکرا رہا تھا۔

☆......☆

رات مایوں کے فنکشن میں اس نے حازق سے بات کرنا تو دور اسے دیکھا تک نہ تھا۔ جب وہ فنکشن کے اختتام پر تھک کر سونے کی غرض سے اپنے کمرے میں آئی تو بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس کی نظر ایک پیکٹ پر پڑی جو خوب صورتی سے گفٹ پیک کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی ایک چٹ بھی تھی جو غالباً نہیں یقیناً اسی کے لیے تھی۔

اس نے پہلے گفٹ پیک کھولا۔ اس میں اس کے فیورٹ کلر کا کام دار شرارہ، ہم رنگ جیولری اور چوڑیوں کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چٹ اٹھائی جس پر لکھا تھا۔

''برأت میں یہی ڈریس پہنو گی میں اس خاص دن میں تمہیں اور خاص دیکھنا چاہتا ہوں، میری نک چڑی بلی۔'' آیت وہیں بیٹھی اس تحریر کو پڑھتی رہی، اسے شاید یقین نہیں ہوا تھا۔

''یہ ڈریس حازق لایا ہے میرے لیے نہیں وہ کیوں لائے گا۔'' ایک دل کہتا ہاں اور ایک کہتا نا۔

''مگر نک چڑی بلی تو حازق ہی کہتا تھا، بچپن میں مجھے مگر اب تو کافی ٹائم سے یہ و ڈ نہیں کہا میرے لیے۔'' سوال جواب اور سوچوں کے کئی در ایک ساتھ کھل گئے تھے۔ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹی

تھی۔ صبح بھی نماز سے فارغ ہو کر اس نے حازق سے پوچھنے کا سوچا تو نہ وہ ناشتے کی ٹیبل پر اسے دکھا اور نہ ہی گھر میں۔ وہ اپنی سوچوں اور خوش گمانیوں میں الجھی پورا دن گھر میں اسے ہی ڈھونڈتی رہی اور شام میں وہ دشمن جان دکھا بھی تو سب کے بیچ گھیرا ہوا بیٹھا چائے پینے میں مصروف تھا۔ وہ چاہ کر بھی اسے آواز نہ دے پائی اور پھر سب کزنز آیت کو اپنے ساتھ باہر لے آئیں۔ وہ غائب دماغی سے سب کے بیچ بیٹھی تھی۔ وہ دو گھنٹے کی بیوٹیشن کی محنت پر پہلے سے بھی کئی زیادہ خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ حازق ہی انہیں پارلر سے پک کرنے آیا تھا مگر آیت کے علاوہ کوئی تیار نہیں ہوا تھا۔ تو مجبوراً آیت کو اکیلے ہی جانا پڑا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ سوچنے لگی تھی کہ حازق سے اس بارے میں کیسے بات کرے۔ تب ہی حازق نے والہانہ انداز میں اسے حیرت سے تکتے ہوئے شعر پڑھا۔

''تیرے دیدار پہ کبھی جو میرا اختیار ہوتا
یہ روز روز ہوتا یہ بار بار ہوتا''

آیت اس کی آواز میں گم سی ہو گئی تھی اور اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ بے خیالی میں کتنی دیر سے اس طرح دیکھتی رہی، جب حازق نے اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر کہا۔

''کیا خیال ہے محترمہ! نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟ اس میں مجھے کوئی شک نہیں کہ میں بہت حسین ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نظر ہی لگا دو مجھے۔'' حازق فرضی کالر جھاڑتے ہوئے بولا۔ جیسے خوب صورت ہونے میں اس کا اپنا ہاتھ ہو۔

''نری خوش فہمی۔'' آیت نے اپنی خجالت چھپانے کے لیے دوسری طرف منہ پھیر کر کہا۔

''ہاہا...... جلنے والے تو ساری عمر جلتے ہی رہیں گے۔'' حازق نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ آدھا سفر طے ہونے کے بعد آیت بہت ہمت مجتمع کرتی بولی۔

''حازق! ایک بات پوچھوں۔'' انداز بالکل نارمل تھا۔

''ہاں پوچھو۔'' حازق نے اسٹیئرنگ رائٹ سائیڈ پر گھماتے ہوئے کہا۔

''یہ شرارہ تم نے میرے روم میں رکھا تھا؟'' آیت حازق کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''ہیں...... کیا مطلب تم کب سے میرے لیے اتنی اہم ہو گئیں کہ میں تمہیں یہ ڈریس دوں گا اور سچ کہوں تو جو بھی ایسی کوئی حرکت کرے گا میری نظر میں اندھا ہی ہوگا۔'' حازق نے اس کے سوال پر اچھی طرح بے عزتی کر ڈالی تھی اور آیت دوسرے ہی پل اپنی بے عزتی پر جل بھن کر خاموش ہو گئی۔

ہال پہنچتے ہی دونوں ساتھ ہی ہال میں داخل ہوئے آیت روانگی سے چلتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے پیروں سے ایک بکے ٹکرایا، اس سے پہلے آیت بکے اٹھاتی حازق نے اس سے پہلے ہی بکے اٹھا لیا اور اس کا معائنہ کرنے لگا۔ آیت بھی حیرت سے حازق کے ہاتھ میں پکڑا بکے بہت غور سے دیکھ رہی تھی کہ حازق نے اس کے اندر سے چٹ نکالی۔

چاند ستارے پھول اور خوشبو
یہ تو سارے پرانے ہیں
تازہ تازہ کلی کھلی ہے
ہم اس کے دیوانے ہیں

''میں ہال میں آپ کا منتظر ہوں۔'' حازق نے چہک چہک کر چٹ پڑھی تھی۔

''ارے واہ آپ کے اندھے عاشق یہاں تک رسائی حاصل کر چکے۔'' حازق نے مزے سے لقمہ دیا۔

''بکواس بند کرو۔ یہ میرے لیے نہیں ہے۔'' آیت نے حازق کے ہاتھ سے بکے لیتے ہوئے کہا۔ تبھی حازق نے چٹ موڑتے ہوئے پڑھا۔

''اسپیشلی فور نک چڑی بلی۔'' آیت نے حازق کی طرف دیکھا۔

''ارے یہ کون ہے جو تمہیں اتنی اچھی طرح جانتا ہے۔'' حازق نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' آیت نے گم صم ہو کر جواب دیا۔

''چلو پھر آپ کے اندھے عاشق کو تلاش کرتے ہیں۔'' حازق نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ آیت بھی اس کے ساتھ ہولی۔ ہال میں داخل ہوتے ہی اس کا استقبال پھولوں سے کیا گیا تھا۔ جب کہ ہال میں چاروں اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تبھی اس کا کسی نے ہاتھ پکڑا اور آگے کی سمت لے گیا۔

''کک......کون ہے؟'' آیت نے گھبرا کر پوچھا۔

''ایک بار اور دیکھ کر آزاد کردو مجھے
آج بھی تیری پہلی نظر کی قید میں ہوں''

کسی نے دھیمے سے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی، وہ اس آواز کو اچھی طرح پہچانتی تھی کہ اچانک ہال برقی قمقموں سے جھلملا گیا تھا اور سامنے کھڑا حازق اسے مسکراتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

''حازق تم......اور یہ سب کیسے۔'' خوشی کے مارے اس کی زبان سے الفاظ ادا نہ ہو پا رہے تھے کیوں کہ جو کچھ تیاری وہ ندا اور الوش کی شادی کے لیے سوچے بیٹھی تھی اسے اپنے سامنے دیکھ کر بہت حیران تھی۔ تبھی پیچھے سے سب ہی کزنز نے زور و شور سے کہا۔

''سرپرائز۔'' افضال صاحب اس کے قریب آتے ہوئے بولے۔

''بیٹا! شادی کی تیاریاں تو پہلے ہی ہو چکیں تھیں میں تو اس لیے پریشان تھا کہ تمہاری انگیجمنٹ شادی سے پہلے کی جائے یا بعد میں، پھر یہ مسئلہ بھی اکبر اور حازق نے مل کر حل کر دیا تھا۔'' افضال صاحب نے اس کی پیشانی پر بوسا دیا تھا۔ آیت نے حازق کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تھینک یو حازق!'' آیت نے نم پلکوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے پاگل لڑکی! اب کیوں آنسو بہا رہی ہو۔ اچھا دیکھو میں بہت بار خود کو اندھا عاشق کہہ چکا ہوں۔ ایک بار مجھے دل سے ہینڈسم عاشق کہہ دو۔'' حازق نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا اور آیت اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

''اچھا ویسے نام اتنا بھی برا نہیں ہے۔ تم نے مجھے بہت ستایا ہے، میں تمہاری کبھی یہ خواہش پوری نہیں کروں گی۔'' آیت نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی اب لڑنے نہ لگ جانا۔ پہلے رنگ پہنا دو۔ ایک دوسرے کو۔'' سجاو نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی یہ اسی خوشی کے ماحول میں پہلے حازق اور آیت کی انگیجمنٹ ہوئی اور کچھ دیر بعد ہی ندا کا حاشر سے اور الوش کا راحیل سے نکاح پڑھایا گیا تھا۔

''اب کیا سوچ رہی ہو؟'' حازق نے آیت کو خیالوں کی دنیا میں گم دیکھ کر کہا۔

''یہی کہ ان دونوں کی جوڑی/کتنی پیاری لگ رہی ہے اور میں ایک اندھے عاشق کے ساتھ کیسی لگوں گی؟'' آیت نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔

''اچھا نک چڑی بلی یہ تو میں شادی کے بعد بتاؤں گا کہ اندھے عاشق کیسے لگتے ہیں۔'' اسے حازق کی آنکھوں میں صاف شرارت ناچتی دکھائی دے رہی، تبھی وہ پلکیں جھکا گئی۔

''مجھے قید کرلو اپنے عشق میں
مجھے عشق میں ڈوب جانے کی اجازت دے دو''

حازق نے اس کی سماعتوں کے قریب دلکش آواز میں شعر پڑھا تھا جس پر شرم سے سرخ ہوتی آیت کی پلکیں تک لرزنے لگی تھیں اور حازق یہ خوب صورت منظر دیکھ کر سرشار ہو گیا تھا۔ وہ خوش تھا آج کی رات عشق کی کئی کشتیاں پار لگ چکی تھیں جس میں ایک کشتی آیت اور حازق کے نام کی تھی۔

......☆......

مریم شاہ بخاری

افسانہ

میرے نام لکھ کوئی شام سہانی

سورج اپنی آخری جھلک دکھلاتا ہوا دور درختوں کی اوٹ میں غروب ہو رہا تھا۔ خزاں اپنی تمام تر مایوسیوں سمیت درد بھری کہانی کہتے ہوئے ہر ذرے پر حاوی تھی۔ خزاں رسیدہ شجر افسردہ کھڑے پھر سے گل بہار کے منتظر تھے۔ ہر شے پر عجیب بیزاری اور اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ایک چھوٹے سے صحن میں حورین زمین پر



آلتی پالتی مارے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی خوب صورت جھیل سی نیلگوں آنکھوں میں کرب کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ وہ اشکوں کی دلگیر بارش میں بھیگ رہی تھی۔ کوئی بھی نہ تھا جو اس کے درد کا مداوا کرتا، اس کو دکھوں کی دھوپ سے بچا کر اپنے پیار کی چھاؤں مہیا کرتا، اسے اپنے گرد چھائے مایوسیوں کے اندھیرے میں کوئی امید کی کرن نہ سجھائی دے رہی تھی۔

''حورین!'' اس کی بڑی بہن تحریم نے اسے پکارتے ہوئے حورین کے شانوں پر ہاتھ دھرا۔

''کیوں تم رو رو کر خود کو ہلکان کیے جا رہی ہو؟'' تحریم نے دکھ سے اس کو دیکھا تھا۔ آنسوؤں سے تر چہرہ دکھ کا غماز لیے ہوئے تھا۔

''آپی! پھر آپ لوگ مجھے ایک بار ہی کیوں جان سے نہیں مار دیتے۔ کیوں مجھے تڑپ تڑپ کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ کیا بگاڑا ہے میں نے آپ سب کا؟ کاش بابا جان زندہ ہوتے۔ کم از کم میرے ساتھ یہ سلوک تو نہ ہوتا۔'' وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔

''میری جان! اس میں تمہارا ہی تو فائدہ ہے۔'' تحریم نے محبت سے اس کے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

''کیا..... میری بھلائی میرا فائدہ۔'' اسے ایک جھٹکا سا لگا تھا۔

''دو بنگلوں اور ایک کار کے عوض مجھے فروخت کیا جا رہا ہے میرا اماں جایا، میرا بیوپاری بن رہا ہے۔ میری ماں میری قیمت لگا رہی ہے۔ اس میں کیا فائدہ ہے میرا بتائیے مجھے آپی؟'' اس کی نشیلی آنکھوں میں کرب و اذیت کے سائے ہلکورے لے رہے تھے۔ اس کی ویران نگاہوں میں ادھورے سپنوں کی ٹوٹی ہوئی کرچیاں تھیں۔

''تقدیر نے میرے ساتھ کتنی ستم گری کی ہے۔ میرے اپنوں نے آپی مجھے بے مول کر دیا ہے۔ میری روح پہ تازیانے لگائے ہیں۔ میرے زخموں کا مداوا کون کرے گا۔ میری خوشی..... میرا مان..... اعتبار..... سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ سب کچھ میں کیا کروں۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے پھر سے بلک اٹھی تھی۔

☆......☆

حورین کا تعلق ایک مڈل کلاس طبقے سے تھا۔ اس کا گھرانہ پانچ افراد ماں، باپ، دو بہنیں اور ایک بھائی پر مشتمل تھا۔ باپ کچھ عرصہ پہلے روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن چکا تھا۔ اس کا بھائی آذر اس سے دو برس بڑا تھا جب کہ تحریم ان کی بڑی بہن اور شادی شدہ تھی۔ حورین انگلش میں ماسٹر کرنے کے ساتھ ساتھ جاب بھی کرتی تھی۔ وہ اپنی آدھی سے زیادہ تنخواہ ماں کو دیتی اور باقی رقم وہ اپنی فیس کتابوں پر لگا دیتی اس کا باپ کریم الدین ایک معمولی سرکاری کلرک تھا۔ وہ ریٹائرڈ کیا ہوا کہ زندگی سے بھی ریٹائرڈ ہو گیا۔ اس کی معمولی سی لگی بندی پنشن سے بہ مشکل گھر کا چولہا ہی جلتا۔ شکر تھا کہ سر چھپانے کے لیے ان کا اپنا ذاتی گھر تھا۔ جو چار کمروں، کچن اور باتھ روم پر مشتمل تھا۔ آذر نے بمشکل ایف اے تک پڑھا اور تعلیم کو خیر آباد کہہ دیا۔ سب نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح مزید تعلیم حاصل کرلے مگر وہ انکار پر ہی ڈٹا رہا۔ آخر تنگ آکر سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ آذر نے کوئی ہنر سیکھنے کے بجائے آوارہ گردی کی راہ ڈھونڈی اور برے دوستوں کی محفل میں اٹھنے بیٹھنے لگا۔ لڑکیوں کے پرس چھیننا اور گن پوائنٹ پر ویران جگہوں پر مسافروں کو لوٹنا اس کا دلچسپ مشغلہ تھا کئی بار پولیس کے ہتھے چڑھے مگر باز پھر بھی نہ آئے۔ ایک روز ان لوگوں نے سیٹھ جمیل آفندی کے گھر ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ منصوبہ کے مطابق وہ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ ابھی وہ گھر کی چیزوں پر ہاتھ صاف ہی کر رہے تھے کہ سیٹھ جمیل آفندی کی بیوی نے چوروں کو دیکھ لیا اس نے چپکے سے اپنے بیٹے کو جگا کر اٹھا دیا۔ اس نے خطرہ بھانپتے ہوئے سیکیورٹی الارم بجا دیا۔ آنا فانا تین چار گارڈز اندر آ گئے۔ وہ سب بوکھلا کر فرار ہو

گئے۔ افراتفری میں ایک گارڈ نے گولی چلا دی۔ جو بھاگتے ہوئے آذر کی ٹانگ پر لگی۔ وہ درد کو برداشت نہ کرسکا اور وہیں بیٹھتا چلا گیا۔ گارڈز نے اسے پکڑا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔ جہاں پولیس والوں نے آذر کی خوب مرمت کی۔ اس کے باقی ساتھی امیر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے گھر والوں نے فوراً پولیس والوں کو دے دلا کر جان چھڑا لی تھی جب کہ وہ مارا گیا۔

کسی نے آذر کے گھر والوں کو اطلاع دی تو ماں بے چاری روتی پیٹتی سیٹھ جمیل آفندی کے بنگلے پر گئی اور معافیاں مانگنے لگی۔ اس کے ساتھ حورین بھی تھی۔ روئی ہوئی نیلگوں آنکھوں میں جانے کیسا طلسم تھا کہ سیٹھ جمیل آفندی اپنا دل ہار بیٹھا۔ اس نے انہیں تسلیاں دے دلا کر واپس بھیج دیا۔ خود پولیس اسٹیشن کا رخ کیا جہاں اس نے آذر کو ضمانت پر اس شرط پر رہا کروایا کہ وہ اپنی بہن کی شادی اس سے کروادے تو وہ اس کے نام دو بنگلے، کار اور کاروبار کے لیے 50 لاکھ کی رقم بھی دے گا۔ آذر نے فوراً ہامی بھرلی۔ جمیل آفندی نے خفیہ طور پر اس کی نگرانی کے لیے کچھ آدمی مقرر کر دیئے اگر وہ حورین کی شادی اس سے نہ کرواتا تو وہ دوبارہ ساری زندگی کے لیے جیل چلا جاتا۔ آذر نے کسی نہ کسی طرح ماں کو منالیا البتہ تحریم آڑے آگئی۔ اس سے حورین کا رونا دھونا بالکل نہ دیکھا جا رہا تھا۔

''اماں! آپ یہ سراسر زیادتی کر رہی ہیں حورین کے ساتھ، کیوں آپ اس کا مستقبل برباد کرنا چاہتی ہیں۔ خدا کی پناہ اس سے دوگنی عمر کا ہے وہ شخص اور خیر سے شادی شدہ جوان بچے کا باپ، کچھ تو خیال کریں اماں۔'' تحریم پھٹ ہی تو پڑی تھی۔ پر حورین کی اماں اور بھائی کی آنکھوں پر لالچ کی سیاہ پٹی بندھ چکی تھی۔ انہیں دولت کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا حورین نے بہت احتجاج کیا واسطے دیئے۔ چیخی چلائی لیکن سب بے سود اس کا آفس جانا بند کروا دیا گیا اور اس کی پڑھائی بھی چھڑوا دی گئی کہ اپنے گھر جا کر کرتی رہنا۔ اس نے خود کو مارنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن ہونا تو وہی تھا جو اس کی ماں اور بھائی طے کر چکے تھے۔

☆......☆

رات کو جب حورین کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو تحریم ایک بار پھر اپنی ماں کے پاس آ بیٹھی۔

''اماں! کیا واقعی آپ نے حورین کی شادی جمیل صاحب سے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

''ہاں! بالکل شادی کے تمام انتظامات مکمل کر چکے ہیں۔ ٹھیک ایک ہفتے بعد دونوں رشتہ ازدواج میں بندھ جائیں گے دیکھنا حورین بہت خوش رہے گی۔ بڑے سے بنگلے میں۔''

''اماں! یہ شادی تو نہ ہوئی پھر نیلامی ہوئی ناں آپ اپنی بیٹی کو قربانی کا بکرا بنا رہی ہیں اپنے بیٹے کے لیے۔'' تحریم کو غصہ آ گیا تھا۔

''لو قربانی کیسی۔ راج کرے گی وہاں راج۔ یہ دولت کی ریل پیل ہوگی۔ لمبی سی گاڑی میں جب وہ بیٹھ کر یہاں آیا کرے گی تو محلے والے حسد سے جل بھن جایا کریں گے۔'' وہ فخر سے بول رہی تھیں۔

''اماں! بس کرو دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔''

''چپکی بیٹھی رہ تحریم! میں تو پچھتا رہی ہوں تجھے ایک معمولی سے ملازم کے ساتھ بیاہنے پر۔ دو وقت کی روٹی بمشکل پوری کرتا ہے اور اوپر سے مہنگائی اف توبہ۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولیں۔

''اللہ کا شکر ہے اماں! دو وقت ہی سہی مگر پیٹ تو بھر جاتا ہے ناں بھوکے ننگے تو نہیں یہ دولت تو آنی جانی چیز ہے مجھے نہیں ہوس زر کی۔'' وہ غصے سے تنتناتی ہوئی حورین کے کمرے میں آ گئی۔ وہ بستر پر بیٹھی اشک ریزی کر رہی تھی تحریم نے تڑپ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

☆......☆

''نہ ہی قسمت کو آزما سکتی ہوں اور نہ ہی اس کے لکھے کو مٹا سکتی ہوں۔'' حورین غمزدہ سی مایوں کا جوڑا پہنے بیٹھی تھی۔

''میری کوئی حیثیت کوئی وقعت نہیں۔ میرے اپنے مجھے قربان کر کے اپنے لیے محل کھڑے کر رہے ہیں کیا ان کے اندر ذرہ بھر انسانیت نہیں رہی۔ کیا میرے اپنوں کے خون اس قدر سفید ہو گئے ہیں انہیں ایک جیتا جاگتا وجود نظر ہی نہیں آرہا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی لڑی کی صورت بہہ نکلے تھے۔ شادی کے بعد حورین یکسر بدل گئی تھی۔ وہ چہکتی مہکتی لڑکی جانے کہاں گم ہو گئی تھی؟ اس کی زندہ دلی اور شگفتگی اور خاندان بھر میں مشہور تھی۔ پر اب لبوں پر خاموشی کا ایسا قفل لگایا تھا کہ ضرورت کے وقت بھی بمشکل بولتی تھی۔ اس کا حسن تو اب بھی غضب کا تھا مگر شادابی کہیں کھو گئی تھی۔ اس کی نیلگوں آنکھوں میں ویرانی نے ڈیرے جما لیے تھے۔ اپنی خواہشات اور احساسات کا گلا گھونٹ کر انہیں اندر ہی کہیں دفن کر دیا تھا۔

☆......☆

جب سے حورین کی شادی جمیل آفندی سے ہوئی تھی اس کی سوتن نگہت اور اس کا نوجوان بیٹا تیمور اسے بالکل بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ان کا رویہ حورین کے ساتھ نہایت حقارت آمیز ہوتا تھا۔ خاص طور پر تیمور تو اپنی نفرت کا اظہار کھلم کھلا کرتا رہتا نہ صرف یہ کہ وہ جمیل صاحب کے کان بھی اس کے خلاف خوب بھرتے۔ نگہت بیگم تو انہیں حورین سے متنفر کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ وہ جان کر بھی انجان بنی رہتی۔ سب کچھ دیکھ کر اور سن کر بھی خاموش رہتی حالانکہ اپنی تذلیل پر بھی زبان نہ کھولتی بس اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھی۔ شادی کا بندھن تو اس سے جبراً قبول کروایا گیا تھا۔ وہ بھلا کب یہ سب چاہتی تھی۔ نگہت بیگم اور اس کے بیٹے کو زیادہ فکر اس جائیداد کی تھی جو جمیل آفندی نے حورین اور اپنے ہونے والے بچے یا بچی کے نام کر رکھی تھی۔ تیمور کے تن بدن میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ جب وہ حورین پر اپنے باپ کے التفات کو بڑھتے دیکھتا تو غصے سے کھول کر رہ جاتا۔ وہ دن رات انتقام لینے کے نت نئے طریقے سوچتا رہتا۔ آخر اس کے شیطانی دماغ میں ایک منصوبہ آ ہی گیا تھا حورین سے اس کے آنے والے بچے سے جان چھڑانے کا۔

☆......☆

حورین امید سے تھی۔ نئے مہمان کی آمد میں ابھی چند ماہ ہی رہ گئے تھے اس کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی تھی۔ گائناکولوجسٹ نے اسے مکمل بیڈ ریسٹ کا کہا تھا۔ کیوں کہ وہ بہت کمزور تھی۔ نگہت بیگم کے سینے پر تو سونپ لوٹ رہے تھے جب کہ جمیل صاحب بہت خوش تھے آخر جو بھی تھا آنے والا یا والی ان کی اولاد کہلاتی۔ حورین شدت سے آنے والے مہمان کی منتظر تھی۔ یہ سوچ کر کہ شاید اس کے آنے سے اس کے زخموں کا کچھ مداوا ہو سکے۔ اس کی خزاں رسیدہ زندگی میں بہار آجائے۔ وہ اپنے وجود کو ایک بڑی سی چادر میں چھپا کے رکھتی تھی۔ بہت کم اپنے کمرے سے باہر نکلتی۔ اسے تیمور کی نظروں سے خوف آتا تھا حورین کو اس کی نگاہیں کچھ اچھی معلوم نہ ہوتیں۔ جانے کیوں وہ سہم سی گئی تھی جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ بہت برا۔

☆......☆

حورین ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے پر اندرونی کرب کی بڑی گہری چھاپ تھی۔ اس کے صبیح گالوں پر آنسو شبنم کی طرح لڑھک رہے تھے۔ قسمت کی ستم ظریفی پر نوحہ کناں بیٹھی ہوئی تھی جب تیمور گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ اس کی نظر حورین پر پڑی تھی جو ارد گرد سے بے نیاز جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ ایک لمحے کو تو اس کے فسوں خیز حسن نے جیسے اس کو اپنا اسیر ہی کر لیا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس کو اپنی نفرت یاد آگئی۔ تو وہ انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ اس نے کچھ سوچ کر اپنا ڈیجیٹل موبائل کمرہ نکالا اور حورین کی تصویر اتار لی۔ اس کے ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

☆......☆

"حورین! اپنا بہت سا خیال رکھنا، مجھے معلوم ہے تمہیں یہاں میری ضرورت پڑ سکتی ہے۔ پر مجھے جانا ہو گا مجبوری ہے ورنہ......" جمیل آفندی اس کے سرہانے بیٹھا اسے اطلاع دے رہا تھا۔ اسے بزنس ڈیلنگ کے سلسلے میں ابوظہبی جانا تھا۔

"جمیل پلیز! آپ مت جائیے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہو۔" وہ خوفزدہ سی بہت دلگیر لگ رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ بس ایک ہفتے کی تو بات ہے۔ ہو سکا تو جلد آنے کی کوشش کروں گا سمجھو ناں میں یہ سب اپنے لیے تو نہیں کر رہا ناں۔" وہ حورین کو سمجھاتے ہوئے بولا تو اس نے ہمیشہ کی طرح سر تسلیم خم کر دیا۔ جمیل آفندی نے لبوں پر مسکراہٹ سجا کر ہولے سے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

☆......☆

وہ ایک انتہائی گھناؤنی اور بدصورت تاریک رات تھی کہ جب وہ اندر سے دروازہ لاک کرنا بھول گئی۔ تیمور نے چپکے سے دروازے کو دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اس کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ دروازہ آہستگی سے بند کر کے وہ حورین کے قریب آ گیا۔ اس نے جھٹکے سے چادر کھینچ کر دور پھینکی تو وہ گڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی تیمور نے اسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ حورین کی آہیں اور چیخیں لبوں پر ہی دم توڑ گئیں۔ چھ ماہ حاملہ حورین نیم بے ہوش ہو گئی تو تیمور نے اسے یونہی چھوڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆

نگہت بیگم پیاس کی شدت سے بیدار ہوئیں تو سائیڈ ٹیبل پر پڑا جگ خالی پا کر کچن کا رخ کیا جیسے ہی وہ کچن سے باہر نکلیں تو انہوں نے تیمور کو نہایت عجلت میں حورین کے کمرے سے نکلتے دیکھا تو وہ ٹھٹھک گئیں کسی انہونی کا احساس انہیں چونکا گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی حورین کے کمرے کی طرف لپکی تھیں۔ وہاں کے منظر نے جیسے ان کے قدموں تلے زمین ہی نکال لی تھی۔ وہ چوکیدار کو آوازیں دیتی الٹے قدموں واپس بھاگیں مان کی سوتن نیم بے ہوش خون میں لت پت پڑی تڑپ رہی تھی۔ انہوں نے اس خیال سے کہ مبادا ان پر کوئی الزام نہ آئے جاں بہ لب حورین کو جیسے تیسے اسپتال پہنچا دیا اور خود ان کے گھر والوں کو فوراً اسپتال پہنچنے کا کہہ کر گھر لوٹ آئیں۔

☆......☆

بیٹی کی حالت دیکھ کر حورین کی والدہ ذکیہ بیگم کا بی پی شوٹ کر گیا۔ انہوں نے کیا سوچا تھا اور کیا ہوا؟ اپنے ہی ہاتھوں بیٹی کی زندگی برباد کر ڈالی۔ ڈاکٹرز نے انہیں دعا کے لیے کہا تھا۔ بچہ دم توڑ چکا تھا جب کہ وہ خود کومہ میں چلی گئی تھی اس کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ دو ماہ دس دن ڈاکٹرز کی سرتوڑ کوششوں اور ماں کی دعاؤں سے وہ کومہ سے باہر نکل آئی تھی۔ تحریم اور ذکیہ بیگم نے وہیں ویٹنگ روم میں مصلیٰ بچھا کر شکرانے کے نوافل ادا کیے تھے۔ آذر بھی اپنی بیوی ہانیہ کے ہمراہ اسپتال دوڑا چلا آیا۔ وہ اپنے سابقہ رویوں پر بے حد نادم تھا حورین سے بار بار معافی مانگ رہا تھا۔ حورین بھی بھائی کے گلے لگ کر بہت شدت سے رو دی۔

☆......☆

جمیل آفندی ابوظہبی سے لوٹے تو ایک قیامت ان کی منتظر تھی۔ تیمور نے حورین کی تصویریں ان کے سامنے لا پھینکیں۔

"یہ دیکھیے اپنی بیوی کے کارنامے بہت مان تھا آپ کو اس پر۔" اس نے نفرت انگیز انداز میں باپ کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔ جمیل آفندی نے سوالیہ نظروں سے نگہت کو دیکھا تو اس نے کندھے اچکا دیے۔ جمیل آفندی نے تصویریں نکال کر دیکھیں تو صدمے سے گنگ رہ گئے۔ حورین نازیبا حالت میں ایک نوجوان کے گلے کا ہار بنی ہوئی تھی۔ تصویر میں صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ پرفیکٹ ہے۔ جمیل کا رنگ شرم اور غصے سے لال ہو گیا تھا۔ نگہت نے تصویر دیکھی تو حورین کے کردار کے متعلق مزید گوہر فشانی

کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمیل صاحب نے بغیر کسی تردد کے حورین کو طلاق بھجوادی حق مہر کی رقم سمیت۔ نگہت بیگم نے شکر کیا کہ راستے کا کانٹا صاف ہوا۔ ادھر تیمور اپنی کامیابی پر اپنے دوستوں کے ہمراہ جشن منا رہا تھا۔

☆......☆

حورین کے ساتھ اس حادثے کو بیتے تین سال کا عرصہ بیت گیا۔ اس دوران آذر کے جڑواں بچے ان کے گھر کی رونق بڑھانے چلے آئے۔ اسوہ اور حمائل کی آمد حورین کے لیے بہت خوش کن ثابت ہوئی وہ ننھے منے جیتے جاگتے کھلونے پا کر بہت مسرور تھی۔ ہانیہ کے پاس بچے صرف فیڈ کے لیے یا پھر سونے جاتے۔ باقی ساری رات دن وہ حورین کے پاس رہتے۔ وہ خوش دلی سے ان کے چھوٹے چھوٹے کام سرانجام دیتی۔ تحریم کے میاں کو کمپنی کی طرف سے دو سال کے لیے مسقط بھیجا جا رہا تھا۔ تحریم بہت خوش تھی آخر اس کا صبر رنگ لایا تھا۔ حورین نے اسے دل سے مبارک باد دی تھی۔ شہریار نے مسقط جا کر بہت محنت کی اور کمپنی سے درخواست کی کہ اسے یہیں رہنے دیا جائے کمپنی والوں کو ایسے باعتبار شخص کی ضرورت تھی سو انہوں نے منظور کرلی کچھ ہی عرصے کے بعد شہریار نے تحریم اور بچوں کو بھی مسقط ہی بلوالیا۔ ذکیہ بیگم کا انتقال ہوچکا تھا۔ حورین، آذر اور ہانیہ کے ساتھ رہ رہی تھی۔ ہانیہ کی انتھک کوششوں اور محنت سے وہ دوبارہ زندگی کے خوب صورت لمحوں کو انجوائے کرنے لگی تھی۔ ہانیہ کے بے حد اصرار پر اس نے اپنا ایم اے انگلش کمپلیٹ کیا اور اس کے بھائی برہان کے آفس میں اچھی پوسٹ پر کام کرنے لگی۔ برہان احمد ایک خوبرو 32 سالہ مرد تھا۔ اس کی پہلی شادی اپنی خالہ کی بیٹی سے ہوئی تھی جو بچے کی پیدائش کے دوران وفات پا گئی تھی۔ گھر والے اس پر دوسری شادی کے لیے مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے مگر وہ انکار کرتا رہا۔ حورین کو دیکھنے کے بعد اسے اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔ برہان احمد کو وہ دل و جان سے بھا گئی تھی اس نے فوراً ہانیہ سے بات کی۔

برہان کے منہ سے حورین کا نام سن کر وہ بہت خوش ہو گئی۔ اس نے آذر سے بات کی تو اس نے حورین سے مشورہ کرنے کا کہا تھا۔ ہانیہ ہنسی۔

"یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہانیہ حورین کو منا لے گی۔" اس نے چٹکی بجائی تو آذر مسکرا دیا۔

☆......☆

"میں حورین کریم الدین! جس نے اپنی زندگی کے بہت تلخ ایام گزارے ہیں۔ جس کے کانچ سے نازک خوابوں کو لہولہان کیا گیا ہے اس کا قصور نہ ہوتے ہوئے بھی اسے سزا دی گئی۔ اس کے معصوم بچے کو جان سے مارا گیا جس کے ماتھے پر ذلت و رسوائی کا داغ لگایا گیا۔ بھلا میں اتنی خوش قسمت کیسے ہو سکتی ہوں کہ برہان احمد جیسے نفیس شخص کا ساتھ پاسکوں میں آنے والے وقت سے خوف زدہ ہو جاتی ہوں۔ اپنی قسمت سے نالاں ہوں نہ جانے کیا ہوگا؟ کہیں میرے وجود پر چھائی نحوست برہان احمد کو بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی ہانیہ میری بھابھی نہیں بلکہ بہترین دوست میرے پاس سے اٹھ کر گئی ہے۔ وہ بہت رنجیدہ ہے۔ اس کی گود میں برہان احمد کا گیارہ ماہ کا ننھا بچہ بھی تھا۔ جو ممتا کو پانے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ اسے کیا خبر اس کی ماں تو رہی ہی نہیں ابھی بھی اس کے رونے کی آواز میرے کانوں میں آرہی ہے۔ جانے ایسا کیا ہے کہ میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔ میں اس معصوم کو ماں کی ممتا سے محروم نہیں کرسکتی۔ میں اسے اندھیروں میں نہیں دھکیل سکتی۔ لگتا ہے خدا نے میرا بیٹا مجھے واپس لوٹا دیا ہے۔ کیا میں دوبارہ اپنے بچے کو مار دوں، نہیں...... نہیں میں جا رہی ہوں ہانیہ کو اپنا فیصلہ سنانے۔ میں برہان احمد کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں۔ آپ سب میرے لیے دعا کیجیے گا کہ میرا خدا اب مجھے کسی اور آزمائش میں نہ ڈالے اور میری قسمت میں اب تو کوئی شام سہانی لکھ دے۔

......☆......

سحر مبین

افسانہ



سردیوں کی ایک سرد اور برفیلی رات میں، پروفیسر حاجی ثناء اللہ کے گھر آنکھ کھولنے والا ان کا اکلوتا سپوت چندے آفتاب، چندے ماہتاب محمد عفان یعنی میں، راقم التحریر خود تھا۔ ابا جی کی عمران

دنوں ہی قدرے ڈھل گئی تھی۔ یعنی میں شادی کے کئی سالوں بعد پیدا ہوا تھا۔ ابا جی ایک گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے اور امی جان، میری ولادت کے وقت ہی خدا کو پیاری ہوگئی تھیں۔ گھر میں صرف میں اور ابا جی ہوتے تھے۔ مشہور تھا کہ وہ ایک ایماندار پروفیسر تھے۔ مجھے ان کے ساتھ بیتا ایک ایک پل یاد ہے۔ کیوں کہ کہا جاتا ہے کہ انسان اپنا بہت اچھا اور بہت برا وقت کبھی نہیں بھول سکتا۔ موخر الذکر والا معاملہ میرے ساتھ تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ دنیا کا سب سے بدنصیب ترین بیٹا میں خود یعنی محمد عفان ہوں۔ میرے نزدیک میری بدنصیبی کی کئی وجوہات تھیں۔

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ابا جی دوسرے اباؤں کی طرح مجھے ڈیڈ کہنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ میرے دوست جب اپنے والد صاحب کو ڈیڈ، ڈیڈی یا پاپا کہتے تو میرے اندر بھی ایک حسرت سی جنم لیتی۔ کیوں کہ میں اسے خواہش ہرگز نہیں کہوں گا۔ خواہش تو وہ ہوتی ہے جس کے پورا ہونے کی



موہوم سی بھی امید ہو، جب کہ یہ حسرت تو ایسی تھی جو سرے سے ہی پورا نہیں ہونا تھی۔ میں بھی ابا جی کو ابا جی ہی کہتا۔

مجھے یاد ہے کہ ان دنوں میں فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا اور ابا جی کے ساتھ ہی ان کے کالج جایا کرتا تھا۔ قریبی گاؤں میں ایک بہت ہی بڑا میلہ لگا ہوا تھا۔ یہ میلہ تین دن تک رہتا تھا میں زندگی میں کئی بار چوری چھپے یہ میلہ دیکھ چکا تھا۔ اس برس بھی دل میں گدگدی سی ہو رہی تھی۔ پہلے کے دو دن گزر چکے تھے اور مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ میں بھی میلے میں گھوم پھر آؤں وجہ وہی بھونڈی سی...... ابا جی نے پہلے ہی وارن کر رکھا تھا کہ فرسٹ ایئر کے پیپر نزدیک ہیں اور میں......یعنی محمد عفان کالج ٹائم کے بعد گھر سے باہر ہرگز نہ پایا جاؤں۔ میں ابا جی سے بہت ڈرتا تھا۔ کبھی ان کی کسی بات کو رد نہیں کیا تھا۔ مجال تھی کہ کوئی لفظ منہ سے نکالتا۔ ابا جی کو میری پڑھائی کے سلسلے میں بہت فکر ہوئی تھی۔ وہ مجھے بھی پڑھاکو اسٹوڈنٹ کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے اور یہ جانے ابا جی کا ڈر تھا یا میں واقعی ذہین تھا جو میں ہمیشہ اول درجہ حاصل کرتا۔

بات ہو رہی تھی میلے کی، میلے کا تیسرا یعنی آخری دن تھا۔ بریک کے بعد میں کلاس روم میں آیا تو دیکھا۔ سوائے میرے یعنی محمد عفان کے کوئی ذی روح کلاس روم میں نہیں ہے۔ پتہ چلا کہ سبھی پیریڈ چھوڑ چھاڑ کر میلے کا آخری دیدار کرنے گئے ہیں۔ میں غصے سے بھنا کر ابا جی کے آفس پہنچ گیا۔ دل کر رہا تھا کہ کوئی چیز اٹھا کر اپنے سر میں مار لوں، بھلا دنیا کا فضول ترین انسان میں ہی بچا تھا جو اکیلا ہی کتابیں رٹتا رہتا، جانے کیوں دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ ابا جی کے آفس میں چند پروفیسر بیٹھے تھے۔ میں نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر دیکھا تھا۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ میں زیادہ انتظار کیے بغیر ہی اندر داخل ہو گیا کیوں کہ پروفیسرز حضرات آفس سے باہر نکل آئے تھے۔

''ابا جی! کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ مجھے بھی میلے میں جانے دیتے۔ پوری کلاس چلی گئی ہے اور میں یہاں بونگوں کی طرح اِدھر اُدھر جھانکتا پھر رہا ہوں۔'' میں نے داخل ہوتے ہی ایک شکوہ داغا تھا۔ ابا جی نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''بیٹا! بونگوں کی طرح پھرنے کی کیا ضرورت ہے، بیٹھ کر پڑھو۔ جس مضمون میں کوئی کنفیوژن ہے اس کے پروفیسر سے سمجھو یہ تو تمہارے پاس بہت اچھا ٹائم ہے۔ امتحان سر پر ہیں۔ تیاری کرو۔'' میں سمجھا یا نہ سمجھا، بس مجھے ان کی بات ایک طنز ہی لگی تھی۔ میں حسب توقع چڑ گیا تھا۔

''ابا جی! ایک دن پڑھنے سے تو میں دنیا فتح کر لوں گا۔ ہوں، بک ورم ہی بنانا چاہتے ہیں ناں آپ مجھے لڑکے تو پہلے ہی کہتے ہیں محمد عفان بک ورم۔'' میرا لہجہ جیسا بھی تھا آواز دھیمی ہی تھی اور دھیمی آواز کی وجہ سے ہی میں ہمیشہ بچ جاتا تھا۔ وہ سن کر بھی نظر انداز کر دیتے تھے کیونکہ اونچی آواز کو ہمیشہ ہی گستاخ تصور کیا جاتا ہے اور دھیمی آواز کو سعادت مندی۔

''تو کہتے ہیں تو کہتے رہیں۔ آوارہ مزاج لڑکوں کے ساتھ نہ گھلو ملو تو نہ تمہیں کہیں دنیا کی باتوں پر کان دھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔'' میں ان کا آہستہ مگر قدرے سختی سے کہا گیا جملہ بمشکل ہضم کرتا ہوا غصے میں ہی باہر نکل گیا۔ میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔

لڑکے میلے کے قصے سناتے رہے اور میں بے دلی سے سنتا رہا۔ دودھ سے مجھے چڑ تھی اور ابا جی ہر رات کو دودھ کا گلاس لیے میرے سرہانے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ گھر کا سارا کام خود کرتے تھے۔ میں انہیں ہمیشہ ہی مصروف دیکھتا تھا۔

☆......☆

صبح ناشتہ بناتے ہوئے پھر وہ کالج کے لیے تیار ہوئے۔ کالج میں کوئی پیریڈ مس نہ کرتے، واپسی پر دوپہر کا کھانا بناتے اور پھر یہی کھانا رات کو بھی کھایا جاتا۔ ویک اینڈ پر وہ ہم دونوں کے کپڑے دھوتے، گھر کی تفصیلی صفائی ہوتی، گھر ویسے بھی کون سا گندا ہوتا تھا۔ بہت سلیقہ اور صفائی تھی ہمارے گھر میں۔

ایک دن وہ بیمار پڑ گئے تھے۔ ان دنوں میں سیکنڈ ایئر میں تھا۔ فرسٹ ایئر کے پیپرز کے بعد کی چھٹیاں انجوائے کررہا تھا۔ ابا جی کی موٹی موٹی کتابیں پڑھ کر یا پھر جب وہ کالج میں ہوتے تو سارا دن کمپیوٹر پر دنیا جہان کی فلمیں دیکھتا میں خدا کا شکر ادا کرتا نہ تھکتا کہ وہ جاب کرتے ہیں۔ ان کی غیر موجودگی کے لمحات میں ہی میں جیسے جیتا تھا۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی کہ وہ بیمار ہو گئے۔ نماز پڑھ کر جب وہ گھر آئے تو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے کچن میں چلے گئے۔ انہوں نے زندگی میں ایک حج کیا تھا۔ میرے پیدا ہونے سے پہلے بھی وہ پکے نمازی تھے۔

میں کچن میں پانی پینے گیا تھا تو دیکھا وہ کرسی پر تقریباً گرے ہوئے ہیں اور اٹھنے کی کوشش کررہے ہیں۔ میرے دل کو کچھ ہوا تھا۔ میں جلدی سے ان کی طرف لپکا۔ چھونے پر محسوس ہوا کہ وہ بخار میں تپ رہے ہیں۔ مجھے بے تحاشا شرمندگی نے آن گھیرا۔ وہ اتنے بخار میں بھی میرے اور اپنے لیے ناشتہ بنانے گئے تھے۔

''ابا جی! کیا ہوا بخار کب سے ہے؟'' انہیں صوفے پر بٹھا کر میں بولا۔ وہ تھوڑا مسکرائے۔

''بیٹا! کچھ نہیں ہوا، تم فکر نہ کرو۔'' ان کے جواب پر میں چڑ گیا۔

''ابا جی! جب آپ اتنے سینئر پروفیسر ہیں، گھر میں بھی صرف ہم دو ہی ہوتے ہیں اور ایزی لی ملازم افورڈ کر سکتے ہیں تو ملازم کیوں نہیں رکھ لیتے، خود کام کرتا بندہ اچھا لگتا ہے۔'' تقریباً چڑتے ہوئے میں نے مفت مشورہ دیا تھا۔

''بیٹا! سنت رسولؐ ہے اپنے کام خود کرنا۔'' ان کی بات پر میں خاموش ہی رہا، تاہم جو ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا تھا جھٹ سے اڑن چھو ہو گیا۔

☆......☆

دن گزرتے گئے۔ ابا جی ٹھیک بھی ہو گئے تھے اور گورنمنٹ کالج سے ریٹائر بھی ان ہی دنوں میں نے ایک نئی ہی خبر سنی۔ ریٹائرمنٹ سے ملنے والے بہت سارے روپوں سے ابا جی پرائیویٹ کالج بنانا چاہ رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ یہ کام شروع بھی کر چکے تھے۔ میرے انٹر کرنے تک وہ کالج تعمیر کروا چکے تھے، میں جانتا تھا کہ انہیں علم پھیلانے سے بہت محبت ہے۔ گرلز اور بوائز علیحدہ علیحدہ کیمپس قائم ہو چکے تھے۔ بڑے اچھے اچھے پروفیسرز اس کالج میں جاب کے لیے آچکے تھے۔

ان دنوں مجھے ایک دھچکا لگا۔ کالج کا نام......

''عفان کالج'' تھا میں حیرانگی سے ابا جی کو دیکھتا۔ کیا انہیں مجھ سے اس قدر محبت ہے۔

''ہوں ڈھونگ رچاتے ہیں۔ اس کالج کا نام عفان کالج ہی اچھا لگتا تھا اور حاجی کالج یا ثناء اللہ کالج تو اچھا نہیں تھا لگنا۔ لہٰذا یہ محبت نہیں، بلکہ میرا نام ان کی ضرورت ہے۔'' میں کچھ ایسا ہی سوچتا تھا کچھ فخر سا محسوس ہوا مگر یہ کیا؟ تھرڈ ایئر میں مجھ سے پوچھے بغیر ہی انہوں نے میرا ایڈمیشن عفان کالج میں کر ڈالا تھا۔ وہ اس کالج کے پرنسپل تھے۔ مجھے بے تحاشا دکھ ہوا۔ اب پھر ان کی نگرانی میں رہنا پڑتا خیر......دن گزرنے تھے سو گزرتے گئے۔ ابا جی کا کالج بہت ترقی کر گیا تھا۔ شہر کے مشہور ترین اداروں میں اس کا نام تھا۔ میں نے کبھی نہیں پوچھا تھا کہ ابا جی نے کالج کا نام میرے نام پر کیوں رکھا۔ آخر میں ان کا بیٹا تھا۔ میرے نام پر ہی رکھنا تھا۔

میں خود کو ہی جواب دے دیتا۔ ماسٹرز کلاسز کا بھی کالج میں اجراء ہو چکا تھا اور میں ایک دفعہ پھر برا پھنسا۔

میں نے یعنی محمد عفان نے عفان کالج سے کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کر لیا تھا۔ میرا ریکارڈ اتنا شاندار تھا کہ میں پھولے نہ سماتا۔

اب مجھے کسی بھی ادارے میں جاب مل سکتی تھی۔ میں اس بات پر بہت خوشی محسوس کرتا کہ چلو اب ابا جی کی نگرانی سے جان چھوٹی مگر ایک دفعہ پھر میں برا پھنسا۔ میں ہمیشہ ہی برا پھنستا تھا۔ اس دن ابا جی میرے لیے دودھ کا گلاس لائے تھے۔ کام کے لیے اب بھی کوئی ملازم نہیں تھا۔ وہ اپنے اور میرے کام کرتے اور میں صرف تھوڑے تھوڑے اپنے ہی کام کرتا۔

"بیٹا! مجھے خوشی ہے کہ تم نے ماسٹرز کر لیا ہے۔ کل ابھی اتنے چھوٹے سے تھے اور اب ماشاء اللہ سے اتنے بڑے ہو گئے ہو۔" میں ان کی تمہید کو لاپروا ہی سے سنتا رہا۔

"کل سے کالج میں کمپیوٹر سائنس کی کلاسز کو تم پڑھایا کرو گے۔ سب اسٹوڈنٹس مجھے کہہ رہے تھے کہ عفان کا رزلٹ بہت اچھا ہے اور انہوں نے بھی تم سے ہی پڑھنا ہے۔" انہوں نے تو گویا میرے سر پر بم ہی پھوڑا تھا۔ میں بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔ مجھے ان پر رتی بھر یقین نہیں آیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں ابا جی! میں کالج میں پڑھاؤں گا؟" میں بے یقینی سے بولا۔

"تو اس میں کیا حرج ہے؟ ٹیچنگ کا پروفیشن تو پیغمبروں کا پروفیشن ہے۔" انہوں نے نرمی سے مجھے قائل کرنا چاہا۔

"مگر میں نہیں کروں گا یہ سب۔ میں نے جاب کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔ انٹرویو کال بھی موصول ہوا ہے۔ بس اب انٹرویو باقی ہے۔ جاب تو میری پکی سمجھیں، پر پڑھانا وڑھانا مجھے نہیں اچھا لگتا۔" آواز اب بھی میری دھیمی ہی تھی مگر لہجہ قطعیت بھرا تھا۔ ابا جی تھوڑی دیر میری طرف دیکھتے رہے اور پھر بولے۔

"تمہیں کس نے کہہ دیا کہ تم نہیں پڑھاؤ گے۔ تمہاری ماں بھی اسکول میں ٹیچر تھی۔ میں بھی استاد ہوں اور یہی مقدس کام تم بھی کرو گے۔" ان کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ میں کچھ کہہ ہی نہ سکا بس شکوہ بھری نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

☆......☆

زندگی عجیب تو پہلے ہی تھی۔ اب کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ میں سارا دن کالج میں پڑھاتا اور خود پھر سیکنڈ ٹائم شہر کی مشہور یونیورسٹی سے ایم فل کے لیے وہاں چلا جاتا۔ ابا جی کو بہت پڑھے لکھے لوگ پسند تھے۔ یہ مشورہ بلکہ حکم بھی ان ہی کی طرف سے تھا۔

لڑکے، لڑکیوں میں، میں یکساں مقبول تھا۔ کالج میں کوئی پیریڈ بھی فری نہیں تھا میرا، ہر وقت لیکچر......لیکچر......لیکچر۔

ہر کلاس کی یہی رٹ کہ سر عفان سے ہی پڑھنا ہے۔ دل چاہا کہ اپنا سر پھوڑ لوں یا کالج ہی بند کر ڈالوں کہ آخر یہ میرا ہی تو کالج تھا مگر یہ بھی میرے ساتھ ساتھ لوگوں کی خوش فہمی تھی کہ کالج میرا ہے یہ تو دراصل ابا جی کا تھا۔ لہٰذا میں اول الذکر کام تو کر سکتا تھا مگر موخر الذکر نہیں کر سکتا تھا۔ میں بھناتا ہوا ابا جی کے آفس پہنچا۔

"ابا جی! یہ پرابلم کیا ہے۔ سارا دن میں لیکچر ہی دیتا رہوں اب کوئی ایک پیریڈ بھی میرا فری نہیں ہے۔" آواز ہمیشہ کی طرح دھیمی تھی۔ ابا جی مسکرا دیے۔

"بیٹا! بڑی قسمت والے ہو کہ بچے تمہیں پسند کرتے ہیں۔ ہمارے لیکچر کو تو بور کا نام دے دیا جاتا ہے۔" وہ کافی ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہے تھے مگر میں

قائل ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ بھلے سے انہیں میری اس خوبی کا اعتراف تھا کہ میں اسٹوڈنٹس میں ہر دل عزیز ہوں مگر مجھے ایسی کسی خوبی سے کوئی غرض نہیں تھی۔

''مگر ابا جی! اب وہ پروفیسرز کدھر ہیں جن سے میں نے یہی سبجیکٹ پڑھے تھے۔'' میں کہہ کر رکا۔

''ہمارے ساتھ تو ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا کہ پسندیدہ کالج، پروفیسر سے پڑھیں یا کچھ پسند کا ہی کرلیں۔'' انہیں خاموش دیکھ کر میں پھر بولا۔

''ان ڈائریکٹ وے۔ میں، میں یعنی محمد عفان انہیں کچھ جتا رہا تھا مگر وہ خاموش ہی رہے اور میرے دو پیریڈ فری ہو گئے۔ اب میں ماسٹرز کے اسٹوڈنٹس کے علاوہ صرف گریجویشن کے لڑکوں کو پڑھاتا تھا۔ میری بلا سے باقی جہاں مرضی جائیں۔ ان دنوں فائنل ایئر کی اریشہ میری بہت بڑی فین تھی۔ میں صرف اس سے ایک سال سینئر تھا۔ جب میں فائنل میں ہوتا تھا تو وہ ماسٹرز کے پہلے ایئر میں تھی میں نے کبھی کسی لڑکی لڑکے پر دھیان نہیں دیا تھا مگر...... اریشہ کچھ مختلف تھی۔

میں نہیں جانتا تھا کہ دوسروں کو میری کون سی خوبی اٹریکٹ کرتی ہے۔ ورنہ میں یہ راز تو جان ہی جاتا کہ اریشہ مجھ سے زیادہ فری کیوں ہوتی ہے۔

وہ کلاس میں بلاوجہ ہی سوال کرتی رہتی اور میں قدرے چڑ کر جواب دیتا رہتا۔ بہرحال فرض تو پورا کرنا تھا۔

''سر! مجھے اس ٹاپک میں تھوڑی کنفیوژن ہے۔'' میں لیکچر دے رہا تھا۔ جب اریشہ کھڑی ہو کر بولی۔ میں جانتا تھا کہ اسے کوئی کنفیوژن نہیں ہے۔

''اسٹوپڈ گرل!'' میں زیر لب بڑبڑایا۔ یوں بار بار سوال کرنا اور بے وجہ ہی کرنا مجھے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ میرا لیکچر اس قدر جامع ہوتا تھا کہ سوال کی گنجائش ہی نہیں بچتی تھی۔ اسٹوڈنٹس کریں کوئسچن مگر بے تکے تو نہ ہوں جو اس نے سوال کیا تھا انتہائی بے تکا تھا۔

''ہوں...... بونگا کوئسچن۔'' میری بڑبڑاہٹ پوری کلاس نے سن لی تھی۔ یہ فقرہ ادا کرتے ہوئے مجھے اپنا ایک پروفیسر یاد آ گیا تھا۔ جی ہاں ابا جی وہ بونگے سوالوں کے جواب میں یونہی بڑبڑاتے تھے۔

''میں ابا جی والا فقرہ بول رہا ہوں۔'' میں خود سے بولا حیرانگی بجا تھی اور پھر میں خود ہی کھل کر مسکرا دیا۔ اسٹوڈنٹس جانے میری اس مسکراہٹ کو کیا سمجھے تھے مجھے کوئی پروا نہیں تھی۔ میں تو اپنے اور ابا جی میں مطابقت تلاش رہا تھا اور اگلے کئی دن میں اریشہ سے پھر کسی فضول سوال کی توقع کرتا رہا تھا مگر میری اس دن کی بات کی وجہ سے اس نے کوئی فضول یا معقول سوال نہیں کیا تھا۔ مجھے کچھ تجسس اور کچھ بے چینی ہوئی جانے کیوں؟

میں اس کے فضول سوالوں کا عادی ہو گیا تھا اور ایک دن لیکچر کے دوران پوچھ ہی بیٹھا۔

''کیوں مس اریشہ! سب ٹھیک تو ہے ناں؟ اب آپ نے کبھی سوال ہی نہیں کیا۔'' گو کہ لہجہ میرا نارمل ہی تھا مگر میں خود بے چین تھا۔ میری بات پر پوری کلاس کھی کھی کرنے لگی تھی۔ اریشہ مسکرائی تھی۔

''ویسے ہی سر! آج کل بونگے کوئسچن ختم ہو گئے ہیں۔''

''اٹ از امپاسبل! آپ اور بونگے کوئسچن ختم کر بیٹھیں۔'' میں شریر انداز میں بولا۔ بہت صاف ستھرا طریقہ تھا میرا، پر نہ جانے کیوں مجھے کچھ ٹھیک سا نہیں لگ رہا تھا۔ پھر اریشہ نے بونگے سوال کرنا شروع کر دیے تھے۔ مجھے جواب دینے میں مزا آنے لگا تھا۔ وہ مجھ سے بہت بے تکلف ہو چکی تھی۔ لائبریری میں بھی ہم بہت باتیں کرتے تھے۔ بس فضول سی باتیں۔

مجھے لگا کہ وہ بہت اچھی ہے۔ مجھے اب ہی پتا چلا

تھا کہ وہ کتنی پیاری ہے۔ قریب سے گزرتے ہوئے جب وہ مسکرا کر دیکھتی تو مجھے لگتا کہ اس کی مسکراہٹ ساری مسکراہٹوں کو ڈی گریڈ کر دیتی ہے۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں اس نے مجھے کہا تھا۔ لائبریری میں۔

''سر! آپ کی اسٹائل کتنی اچھی ہے۔''

اور میں اسی دن گھر جا کر آئینے کے سامنے کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ میں جانتا تھا کہ اسٹائل بہت اچھی ہے۔ آئینے کے سامنے کھڑا ہونے والا کام میں نے بہت پہلے ہی کر لیا تھا جب چھوٹا تھا تب ہی۔

☆......☆

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مجھے یعنی محمد عفان کو اریشہ سے محبت ہو گئی ہے اور اریشہ کا تو مجھے سو فیصد یقین تھا۔ تبھی مجھے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں نے اس سے کبھی کوئی فضول بات نہیں کی تھی۔ بس میرا رویہ اس کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسے کسی بے تکلف ٹیچر کا۔ اس کا فائنل ایئر بھی کمپلیٹ ہو گیا تھا۔

''اچھا......! اب آگے کیا ارادہ ہے۔ تمہارا ماسٹرز تو کمپلیٹ ہو گیا ہے۔'' اس دن میں نے اریشہ سے پوچھا تھا۔

''کہیں جاب کروں گی۔ بلکہ میرے کزن کا اپنا بزنس ہے۔ اس کے آفس میں کروں گی جاب، میرے پاپا کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ بہت عرصہ پہلے ہمارا بزنس بھی میرا کزن ہی سنبھالتا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اور پھر اس دن ہی ابا جی نے مجھے آفس ہی بلا لیا تھا گھر جانے کا بھی انتظار نہ کیا۔ وہ یہاں بھی مجھ پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

''جی ابا جی!'' میں سعادت مندی سے بولا تھا۔

''کیا سرگرمیاں ہیں آج کل تمہاری؟'' ان کے سوال سے میں دانستہ نظریں چرا گیا۔

''یہی لیکچر......اور ایم فل۔'' میں نے کندھے اچکائے۔

''اس کے علاوہ؟''

''تھنگ...... ہاں ویک اینڈ پر ایک نئی مووی دیکھی تھی۔'' میں زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔

''اس سب کے علاوہ؟'' وہ کچھ اگلوانے پر بضد تھے۔

''اس سب کے علاوہ تو باقی کھانے پکانے کی مصروفیت آپ کی ہے۔ یو نو ابا جی! میری دنیا اتنی ہی محدود ہے۔ گھر، کالج، یونیورسٹی اور پھر سے گھر......'' میں نے ہاتھ کے اشارے سے کم ہونے کو ظاہر کیا اگر وہ کچھ اگلوانے پر بضد تھے تو میں بھی سب ہضم ہی رکھنے کو تیار۔

''معلوم ہوا ہے کہ یہی محدود دنیا آج کل وسیع بلکہ وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔'' انہوں نے ذو معنی انداز اختیار کیا۔

''جی۔'' میں ہونقوں کی طرح بولا۔

''سیدھی طرح بتاؤ یہ تمہاری اسٹوڈنٹ اریشہ کے ساتھ تم بہت نظر آتے ہو۔ سب ٹھیک ہے ناں؟'' وہ میری بک بک پر اکتا گئے تھے چڑ کر بولے اور سیدھی بات زبان پر لے ہی آئے۔ میں نے گہری سانس بھر کر انہیں دیکھا۔

''جی سب ٹھیک ہے۔ وہ میری اسٹوڈنٹ ہے بس۔'' انہوں نے جانچتی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں ہرگز نہ گڑبڑایا۔

''یہی ٹھیک ہے ناں؟'' وہ تصدیق کو بولے۔

''جی ابا جی!'' میں چڑ گیا۔

''ویسے اچھی لڑکی ہے۔ پڑھائی میں بھی اچھی ہے۔ جاؤ تم اب۔'' انہوں نے کہتے ہوئے مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں دل ہی دل میں ان کی تیز نظروں کو سراہ رہا تھا۔

اگلے دن ہی انہوں نے مجھے پھر سے اپنے سامنے طلب کیا ہوا تھا۔ میں ان کی بے صبری پر بڑ

بڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''تمہیں کچھ معلوم ہے کہ اریشہ کی نیکسٹ فیوچر پلاننگ کیا ہے؟'' میں ان کی بات کے مقصد سے تو آگاہ تھا مگر بس ایویں ہی حیران ہوا۔

''جی۔''

''کیا ہے؟'' آج ان کے سوال مجھے ہرگز برے نہیں لگ رہے تھے۔ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔

''اس کے ابو کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور اس نے اپنے کزن کے ساتھ بزنس سنبھالنا ہے۔'' میرے کہنے پر ان کے ماتھے پر پڑی شکنوں میں اضافہ ہوا تھا۔

''ایک بات کان کھول کر سن لو اگر وہ یہاں میرے کالج میں ٹیچنگ کے لیے راضی ہوتی ہے تو ہم پرپوزل لے جائیں گے۔ ورنہ میں نے وہی بہو ادھر لانی ہے جو ٹیچنگ جیسے مقدس پیشے سے وابستہ ہو۔'' ان کی بات پر میں بھڑک ہی اٹھا تھا۔

''آپ نے بہو لانی ہے یا میں نے بیوی لانی ہے۔'' میں پہلی بار زندگی میں پہلی بار ان سے اونچی آواز میں بولا تھا۔ وہ حیرانگی سے مجھے دیکھ رہے تھے اور میرا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ہر معاملے میں ان کی مانی تھی اور زندگی کے اس اہم فیصلے میں بھی ان کی بے ڈھنگی بات پر ضد۔

''دونوں لانی ہیں۔'' وہ مسکرائے تھے۔ قصداً مسکراہٹ۔

''مگر میں نے ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنی جس پر آپ اپنی شرائط لاگو کرتے رہیں، پوری عمر ہر فیصلہ آپ کی مرضی سے کیا ہے بلکہ ہر فیصلہ آپ نے ہی کیا ہے اور اب میں اپنی بیوی، بچوں، سسرال اور سب کچھ بھی آپ کی مرضی سے ہی رکھوں، چھوڑوں، اپناؤں۔'' میں نے قطعی لہجے میں کہا تھا۔

''دیکھئے ابا جی! پوری عمر میں خود تو آپ کی مانتا رہا ہوں مگر ایک لڑکی آخر اس کے بھی کچھ خواب ہوں گے۔ آخر ہر کوئی آپ کی بات ماننے سے رہا۔ ضروری نہیں ہر کوئی ٹیچنگ کا ہی شوقین ہو۔'' میں کافی خفگی سے بولا تھا۔

''بیٹا! دنیا میں ایسی کئی لڑکیاں ہیں جو یہ کام بخوشی کرتی ہیں اور باعزت گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ کسی سے بھی شادی کرو مگر کسی ایسی سے جو یہاں علم پھیلائے۔'' وہ مجھے سمجھانے والے انداز میں بولے تھے۔ ان کی زندگی کے کچھ اصول تھے۔ یہ تو میں ہی بے اصول پیدا ہوا تھا۔ مجھے ان کی بات سے ضد ہو گئی تھی۔ اب اگر کوئی لڑکی ایسی لڑکی جو مجھے پیاری ہو اور ٹیچنگ کی شوقین ہو۔ میں ہرگز اس سے شادی نہیں کرنے والا تھا۔

''مگر میں نے کسی بھی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنی۔'' میں کہتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔

☆......☆

میرا کالج آنے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر پھر بھی آ ہی گیا تھا۔ اب میں پھر سے ابا جی کے آفس میں کھڑا تھا اور میرے ساتھ ہی اریشہ۔

''سر! بزنس سنبھالنا میری مجبوری نہیں ہے۔ میں بخوشی یہاں ٹیچنگ کو تیار ہوں۔'' اریشہ کچھ جھجک کر مجھ سے کہہ رہی تھی۔ یقیناً ابا جی اس سے پوری بات کہہ چکے تھے مجھے بے حد غصہ آیا اور چلا کر کہا۔

''تو کرو یہاں ٹیچنگ روکا کس نے ہے مگر مجھے کسی ٹیچر لڑکی سے شادی نہیں کرنی۔'' میں کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ اریشہ بھی میرے پیچھے ہی لپکی تھی۔

''سر......سر......! وہ میری ماما آپ کے پرپوزل پر راضی ہیں۔ انہیں کوئی مسئلہ نہیں اگر میں یہاں ٹیچنگ بھی کرلوں۔'' اریشہ اب بھی جھجک رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ ایک تھپڑ اس کے رسید کردوں۔ مجھے اور بس ابا جی کی ڈیمانڈ سے چڑ ہو گئی تھی۔ میں نے بے حد غصے سے اریشہ کی طرف دیکھا۔ کتنی آسانی

سے ابا جی نے پرپوزل دیا تھا اور انہوں نے قبول بھی کرلیا۔

"مگر کان کھول کر سن لو، مجھے کسی ٹیچر لڑکی سے شادی نہیں کرنی۔"

"سر! میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔" وہ اٹک اٹک کر بولی تھی۔ اس کے لفظوں سے میرا غصہ ٹھنڈا ہو رہا تھا مگر چہرے پر اب بھی تاثرات سخت ہی تھے۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور پھر سے نظریں چرالیں۔ میں ابا جی سے ضد کے معاملے میں نرم نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ خاموشی سے چل دیا۔

"ابا جی! میں آپ کی پسند کی ہوئی کسی لڑکی سے بھی شادی نہیں کروں گا۔ ایون کہ اریشہ سے بھی نہیں، آپ بھی میری شادی کی خبر بھی اخباروں میں ہی پڑھیں گے۔" رات ابا جی دودھ کا گلاس دینے آئے تو میں طنزیہ بولا تھا۔ آج کل میں ویسے ہی بہت بول رہا تھا۔

"بیٹا! میں نے بھی زندگی میں کچھ اصول بنائے ہیں مگر تمہاری خاطر میں ان اصولوں کو توڑنے کے حق میں ہوں۔ تم نے نہیں کرنی اگر کسی ٹیچر سے شادی تو نہ سہی۔ جس سے مرضی کرلو بلکہ اریشہ اچھی لڑکی ہے۔ اتنی Obedient کہ اپنی خواہش قربان کرسکے۔ تم اس سے بھی ٹیچنگ نہ کرانا، بس اپنے ابا جی کو برا خیال نہ کرنا۔" وہ قدرے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہے تھے۔ میں کٹھور بنا سنتا رہا۔ پھر انہوں نے بڑی دھوم دھام سے اریشہ کے ساتھ ہی میری یعنی محمد عفان کی شادی کردی تھی۔ میری اس شرط کے پیش نظر کہ وہ اس کالج میں نہیں پڑھائے گی۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تھا تو مجھ پر کوئی احسان نہیں۔ مجھے کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں اس قابل تھا کہ ان کے بغیر بھی ایک دنیا مجھے جانتی تھی۔

میں اخبار پر سرسری سی نظر دوڑا رہا تھا کہ میرے ذہن میں جھماکے پر جھماکے ہوئے۔ اریشہ، ابا جی کو چائے دے رہی تھی اور میری نظریں اخبار پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے خود کی ذہانت پر بڑا ناز تھا۔ تو یہ صرف ابا جی کی وجہ سے ہی مجھے میسر تھی اگر نہ وہ مجھ پر سختی کرتے تو نہ میں پڑھائی میں جی لگاتا۔ اگر مجھے جاب ملی تھی تو ان کی وجہ سے۔ ان کے دیے کپڑے میں نے پوری عمر پہنے تھے۔ ان کا دیا کھایا تھا اور اگر میں آج اپنا کما رہا تھا تو ان کی وجہ سے۔ کیوں کہ انہوں نے مجھے پڑھایا اور اس قابل بنایا کہ میں کچھ بھی کرسکوں اریشہ مجھے ان کی وجہ سے ملی تھی اگر میں نہ کالج میں پڑھاتا، نہ وہ ملتی اور اگر ابا جی شادی ہی نہ کراتے، میں تو دراصل تھا ہی ابا جی کی وجہ سے، میری نظریں پروفیسر حاجی ثناء اللہ کے بیٹے محمد عفان کی شادی گزشتہ روز منعقد ہوئی پر تھیں۔

میرے نام کے ساتھ ان کا نام لگتا تھا۔ دنیا مجھے ان کے حوالے سے پہچانتی تھی۔ ابا جی کا نام ہی تو ایسا نام تھا اور ایسا وجود تھا جو مجھے ہمیشہ سے فائدے میں رکھتا تھا۔ چاہے ان کا نام میرے نام سے پہلے ہو، چاہے بعد میں، میری پہچان تھا ان کا نام محمد عفان ولد ثناء اللہ یا ثناء اللہ کا بیٹا محمد عفان۔ بات تو ایک ہی تھی ناں۔ میں ان کی وجہ سے تھا اس قابل مجھے آج ہی پتا چلا تھا۔

"میرے ابا جی!" میں نم آنکھوں سے بولا تھا۔ ابا جی پر ڈھیر سارا پیار آیا اور ان سے چمٹ گیا۔

"اریشہ! تم آج سے کالج جایا کرو گی۔ مجھ سے اکیلے اسٹوڈنٹس کور نہیں ہوتے۔" میں نے ابا جی اور اریشہ جو کہ پہلے سے ہی حیران تھے انہیں اور حیران کردیا تھا۔ تفصیل انہیں پھر سے بتاتا رہوں گا۔ میرے ذہن میں تو اس وقت صرف ایک ہی فقرے کی تکرار تھی۔ "پروفیسر حاجی ثناء اللہ کے بیٹے محمد عفان کی شادی......!"

......☆......

ثناء ناز

افسانہ

پیا ملن کی آرسی

میں نہیں جانتی تھی محبت کیا ہوتی ہے۔ کیوں ہوتی ہے۔ کیسے ہو جاتی ہے۔ محبت کا کوئی وجود بھی ہے یا یہ بس افسانوں اور فلموں کی دنیا تک محدود ہے۔ میں ناولز میں محبت کے بارے میں پڑھ کر اکثر سوچ میں پڑ جایا کرتی تھی۔ کیا واقعی یہ ایسا جذبہ ہے جو راتوں کی نیند اڑا لے جاتا ہے۔ کیا محبت ایک ایسا فتنہ ہے جو چین و قرار سب چھین لینے کی طاقت رکھتا ہے؟ کیا سچ میں محبت ہوش و حواس پر حاوی ہو جاتی ہے؟ کیا محبت زور آور ہے اس قدر زور آور کہ انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ محبت کے آگے اس کی ایک نہیں چلتی اور پھر یہ ہمیشہ اپنی مرضی کرتی ہے۔ اپنا ہی حکم چلاتی ہے۔ پہلی نظر کی محبت جو میرے نزدیک صدا سے بے معنی اور فضول تھی۔ کیا کسی کو بنا سوچے سمجھے بنا پرکھے بنا کچھ جانے محض ایک نظر میں محبت ہو سکتی ہے؟ کم سے کم میرے نزدیک تو یہ ایک احمقانہ سوچ تھی۔ خیر میرے نزدیک تو اور بھی بہت کچھ تھا۔ مجھے محبت رسالوں یا کتابوں کی تحریروں میں ڈھکی چھپی اچھی لگتی ہے یا پھر ٹی وی اسکرین پر، حقیقی زندگی میں محبت کا کوئی ردِعمل نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو تو بہتر ہے۔ یہ افسانوی ہیرو افسانوں کی دنیا میں ہی بھلے لگتے ہیں مگر جب خود پر پڑی تو محبت کی ایک ایک الجھی ہوئی پہیلی اپنے آپ سنورتی چلی گئی۔ یہاں میں آپ کو اپنے بارے میں بتاتی چلوں۔ میں حناوے چوہدری اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد جس پر انہیں ہمیشہ سے ناز رہا ہے اور میں نے بھی تو کبھی ان کا مان، غرور ٹوٹنے نہیں دیا، کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے ان کی دل آزاری ہوئی ہو یا پھر ان کا سر شرم سے جھکا ہو۔ میں ایئرپورٹ کے ویٹنگ روم میں بیٹھی ہر آنے والے چہرے میں کچھ تلاشنے کے ساتھ ساتھ اپنے ماضی پر نظر دہرا رہی تھی، نفاست سے سجایا گیا رنگا رنگ پھولوں کا خوب صورت بکے ابھی بھی میرے ہاتھوں میں تھا۔ یہ تقریباً میرا روز کا معمول بن چکا تھا۔ میں آفس کا کام نمٹا کر تین بجے سیدھا ایئرپورٹ چلی آتی تھی۔

وہ دسمبر کی ایک سرد شام تھی۔ میں آفس سے آف لے کر سینٹرل لائبریری آگئی یہ میرا روز کا معمول تھا۔ لائبریری آئے بنا مجھے اپنا دن ادھورا محسوس ہوتا تھا۔ لائبریرین سے کچھ ضروری کتابیں ایشو کروانے کے بعد میں پلٹی ہی تھی کہ بے دھیانی میں سامنے سے آتے شخص سے بری طرح ٹکرا گئی۔ اس اچانک ٹکراؤ سے میں مکمل طور پر ہڑبڑا گئی تھی۔ اپنے کھوئے ہوئے حواسوں پر قابو پا کر میں نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔

''سوری سر!'' میں شال سر پر ٹھیک سے اوڑھتے ہوئی شرمندہ لہجے میں بولی تھی جو اس ٹکراؤ کے باعث ڈھلک کر کندھوں پر پڑ گئی تھی۔

''اٹس او کے۔'' وہ پورے وقار سے بولا تھا۔





میں اس لیے میری نگاہیں غیر ارادی طور پر اس کے چہرے کی جانب اٹھیں اور پھر میں جیسے پلکیں جھپکانا بھول گئی۔ دل میں زور و شور کی ہلچل ہوئی تھی۔ سامنے کھڑا بلیک ٹو پیس میں موجود خوب صورت گھبرو جوان مردانہ وجاہت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس سے بڑھ کر خوب صورت انسان اس دنیا میں تھا نہیں یا پھر مجھے کوئی لگا نہیں تھا۔ میں جواب تلاش نہ کر سکی۔ وہ کب کا جا چکا تھا اور میں اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ کر خاموشی سے چلی آئی ساری رات وہ خوب صورت چہرہ میرے ارد گرد گردش کرتا رہا۔ اس کا لمس مجھے اب بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اس رات میں پل بھر بھی چین کی نیند نہ سوئی تھی۔ آنکھیں بند کرتی تو وہ چاند چہرہ نظر آنے لگتا کھولتی تو دماغ نہ چاہتے ہوئے بھی مسلسل اس کے بارے میں سوچنے لگ جاتا۔ یہ پہلی نظر کی محبت تھی یا جو بھی تھا بہر حال میں اتنا ضرور جان چکی تھی کہ افسانوں میں لکھی تحریریں حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں۔ میرے دل نے شدت سے اس حسن مجسم کو دیکھنے کی چاہ کی تھی۔ اگلی صبح میں نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کے ساتھ آفس پہنچی ہی تھی کہ اپنے کیبن کے سامنے والے کیبن میں موجود شخص کو دیکھ کر یوں اچھلی جیسے کوئی سانپ دیکھ لیا ہو، وہی چہرہ، وہی آنکھیں، یہ تو وہی شخص تھا جس کی چاہ میرے دل کی تھی یا پھر میری نیم خوابی کا اثر تھا میں آنکھیں ملتے ہوئے ایک بار پھر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ وہ وہی تھا جو میرے حواسوں پر بری طرح چھایا ہوا تھا۔ میری نیندیں چرانے والا، میرے دل پر قبضہ جمانے والا۔ دھڑکنیں بے اختیار منتشر ہوتی چلی گئیں۔

''السلام علیکم مس حناوے! یہ مسٹر شان حیدر ہیں آپ کے نیو سینئر آج سے آپ اِن ڈور اپنی پریکٹس جاری رکھیں گی۔'' کمپنی کے سپر وائزر نے آکر جیسے کوئی نوید سنائی تھی۔ کوئی پیامبر زندگی تھا یا تھا۔

☆......☆

ابھی رات تو میں نے اس شخص کو دیکھنے کی چاہ کی تھی اور ابھی یہ شخص ہمیشہ کے لیے میرے سامنے موجود تھا۔ یہ فلم نہیں تھی۔ یہ کوئی افسانہ بھی نہ تھا۔ یہ تو حقیقی زندگی تھی کیا محبت اتنی با اثر ہوتی ہے؟ مجھے بے اختیار خود پر رشک آنے لگا۔ آنے والے تین سالوں میں ہم میں اس قدر بے تکلفی بھی نہیں ہوئی تھی مگر پہلے سا تکلف بھی نہیں بڑھتا جاتا تھا۔ میرے لیے تو وہ متاع حیات کا درجہ رکھنے لگا تھا۔ میری آنکھوں میں، میری سوچوں میں یہاں تک کہ میرے خوابوں میں بھی بس اسی شخص کا بسیرا رہتا تھا۔ محبت پر کسی کا بس تھوڑی چلتا ہے یہ تو بس ہو جاتی ہے جیسے مجھے ہو گئی تھی۔ میں پور پور محبت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میرے ہر دن کی شروعات اسے دیکھ کر ہوتی تھی۔ اسے دیکھے بنا مجھے میرا دن میری رات، میرا ہر خواب یہاں تک کہ میری ذات بھی ادھوری لگنے لگتی تھی۔ میں راتیں جاگ جاگ کر اسے پانے کی دعا کرنے لگی مگر وہ سنگدل یا تو میرے دل میں پلنے والے محبت نامی جذبے سے بے خبر تھا یا پھر سب جان کر بھی انجان بنا رہتا تھا۔

☆......☆

اسی افراتفری کے عالم میں دسمبر کی چھٹیاں آن پہنچی تھیں۔ میں آنے والے دنوں میں اپنی تکلیف، اپنی اذیت، اپنی بے چینی کا اندازہ باخوبی لگا سکتی تھی۔

''سنیے مس حناوے!'' اس بے دردی شام میں فائلز مکمل کرنے کے بعد بجھے دل کے ساتھ واپس جانے کے لیے مڑی تھی کہ شان حیدر کی آواز نے میرے بے جان ہوتے وجود میں یک دم جان ڈال دی۔

''جی!'' میں بے قابو دل کو سنبھالتے ہوئے

واپس پلٹی تھی۔
''مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' میری نگاہیں لحہ بھر کے لیے اس کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔ میرا تو انگ انگ محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ مجھے محبت کی زبان سمجھ آنے لگی تھی۔ میں شان کی آنکھوں میں چھپے محبت کے جذبات بخوبی پڑھ سکتی تھی۔
''جی کہیں۔'' دھڑکنوں میں اتھل پتھل اب بھی جاری تھی۔ دل یوں مچل رہا تھا۔ جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر آگرے گا۔ جانے کیوں شان کے سامنے آتے ہی میرا دل ایک الگ ہی لے پر دھڑکنا شروع کردیتا تھا۔ مجھے محبت نے رونا، سہنا، چپ رہنا، بے وجہ مسکرانا سب سکھا دیا تھا۔
وہ ہاتھ کرسی کی پشت پر جمائے ہنوز کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جیسے بات کرنے کے لیے الفاظ تلاش کررہا ہو۔
''بولیے شان!'' میں نے کسی خواب کے زیراثر کہا تھا۔
''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ابھی نہیں وقت آنے پر۔'' وہ کشمکش کی حالت میں نظریں جھکائے کھڑا تھا۔
''او کے پھر میں جاؤں؟'' میں نے بجھے دل کے ساتھ اجازت طلب کی۔
''جی شیور۔ اپنا خیال رکھیے گا فی امان اللہ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔ وہ دل فریب مسکان، وہ آنکھ سے جھلکتا خمار میری ہمت جواب دینے لگی تھی۔ آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر برسنے کو بے تاب تھے۔ میں تقریباً بھاگتی ہوئی باہر مین روڈ تک آئی۔ جانے کیوں یہ خوف مجھے اندر ہی اندر کھائے جارہا تھا۔ شاید وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ وہ آخری دل فریب مسکراہٹ بار بار میرا سکون برباد کررہی تھی میں اپنے کمرے میں آکر رات گئے تک آنسو بہاتی رہی۔

☆......☆

دسمبر گزر چکا تھا اور اسے بھی اپنے سنگ جانے کہاں لے گیا تھا۔ شان کے جانے کے بعد میرا ہر کام سے دل اکتا گیا تھا۔ میں نے آفس چھوڑ کر خود کو تاریک کمرے میں قید کرلیا۔ زندگی نے گزرنا تھا وہ کسی نہ کسی طرح گزرے جارہی تھی۔ کبھی ہنس کر تو کبھی آنسو بہا کر مگر زندہ رہنے کی امید جانے کیوں ہر لحہ دم توڑ رہی تھی۔ تقریباً ایک مہینے کے بعد شان کا نام موبائل اسکرین پر جگمگایا تھا۔ میں نے قدرے بے تابی سے لرزتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ فون اٹھا کر کان کو لگایا۔
''حناوے! کیسی ہو؟'' فون میں سے اس دشمن جان کی آواز ابھری تھی۔ میں بے چین ہوکر زمین پر ڈھ سی گئی۔
''میں......میں ٹھیک ہوں۔'' آنسو لحہ بھر میں آنکھوں میں سمٹ آئے تھے۔
''ایچولی میرا پرموشن ہوگیا ہے۔ مجھے پرسوں کی فلائٹ سے لندن جانا ہے۔''
''لندن......مطلب سات سمندر پار، نہیں شان خدا کے لیے مت جاؤ۔ میں اتنی دوریاں سہہ نہیں پاؤں گی۔ اب تو میں یہ سوچ کر دل کو ڈھارس دے دیتی ہوں۔ کم سے کم تم اس شہر کی فضا میں سانس لیتے ہو جس شہر میں، میں بستی ہوں۔'' میرے لیے تو اتنا ہی کافی تھا۔ مگر لاکھ چاہنے کے باوجود بھی میں اسے جانے سے روک نہیں سکتی تھی۔ اس پر مجھے اختیار کب حاصل تھا جو اپنا حق جتاتی پھرتی محبت تو صرف میں نے کی تھی یا شاید اس نے بھی مگر اظہار تو ابھی باقی تھا نا۔
''بہت بہت مبارک ہو۔'' بے بسی سے سوچ کر میں بس اتنا ہی کہہ پائی آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹک گیا تھا۔

''تمہیں یاد ہے میں نے آخری دفعہ کہا تھا مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' شان کی آواز ایک بار پھر ابھری تھی۔

''شان حیدر! میں بھولتی کب ہوں تم ہو یا پھر تم سے جڑی کوئی بات۔'' میں بس سوچ کر رہ گئی۔

''پرسوں شام چار بجے میری فلائٹ ہے۔ میں تین بجے ایئرپورٹ پر تمہارا انتظار کروں گا۔ کچھ ادھوری باتیں مکمل کرنی ہیں۔ کچھ نئے رشتوں کی بنیاد رکھنی ہے حناوے۔'' وہ ہولے سے بولا تھا۔ دل پل بھر میں بے چین ہوا تھا۔

''اوکے میں پہنچ جاؤں گی۔'' میں نے لرزتے ہاتھوں کے ساتھ فون پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

وہ نئے رشتے کی بنیاد رکھنے جارہا تھا۔ یہ سوچ کر کئی سکون کے پھول میرے اندر تک کھل اٹھے۔ اس لمحے میرا جی چاہا میں زمانے بھر کو چیخ چیخ کر بتلاؤں دیکھو سچی محبت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ دیکھو آج میں سرخرو ہوگئی ہوں۔ پر وہ کہتے ہیں نا خوشی کی مدت قلیل اور غم کی مدت طویل ہوتی ہے میرے ساتھ بھی کچھ یونہی ہوا تھا۔

''حناوے بیٹا! تمہاری خالہ آرہی ہیں چلو اٹھو فریش ہوجاؤ کتنے دنوں سے کمرے میں بے سدھ پڑی ہو۔'' امی میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں تھیں۔

''جی اچھا امی! آپ چلیں میں ابھی آتی ہوں۔'' میں امی کو مطمئن کرنے کی غرض سے تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں یاد آیا ذرا سلیقے سے تیار ہوجانا۔ تمہاری خالہ کسی خاص مقصد کے لیے آرہی ہیں۔'' امی دروازہ کھولتے ہوئے اچانک واپس پلٹی تھیں۔

''خاص مقصد؟'' میں ناسمجھی کے عالم میں بولی تھی۔

''ہاں بیٹا! وہ تمہاری اور اسمر کی شادی کی بات پکی کرنے آرہی ہیں۔ ماشاء اللہ بڑا ہی پیارا بچہ ہے۔ خیر سے دیکھا بھالا بھی ہے۔ تمہارے ابا نے تو جھٹ سے ہاں کہہ دی اور پھر تمہاری بھی تو بچپن میں اسمر کے ساتھ بہت بنتی تھی۔ اس لیے مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہوا۔'' امی خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ میرا دل ایک بار پھر کسی تاریک کنوئیں کی زد میں آگیا۔

''امی! ایک بار مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا۔'' میں کہنا چاہتی تھی مگر الفاظ شاید ساتھ دینا بھول گئے تھے۔

''بیٹا! مجھے یقین تھا ہماری بچی کبھی ہمارے فیصلے کو رد نہیں کرے گی۔ ہماری مرضی میں وہ ہمیشہ خوش رہے گی۔ اسی لیے تمہاری مرضی معلوم نہیں کی۔ تم سکینہ آپا کے ہاں بہت خوش رہو گی اور ہماری آنکھوں کے نزدیک بھی بیٹا ہم نے ٹھیک کیا نا؟'' امی میرے جھکے ہوئے سر کو رضامندی سمجھتے ہوئے بڑے مان سے پوچھ رہی تھیں۔ جواب میں، میں بس ''جی'' ہی کہہ سکی۔

''خوش رہو میری بچی۔'' وہ دعائیں دے کر مسکراتے ہوئے باہر کی جانب چلی گئیں۔

محبت اور والدین کی جنگ میں، میں نے محبت ہار کر ماں باپ کے فیصلے کو گلے سے لگالیا۔ آخر اتنا تو حق تھا ان کا مجھ پر کہ وہ میرا شریک سفر اپنی مرضی سے چن سکیں۔ محبت ہار دینے کے بعد میں جتنا رو سکتی تھی دل کھول کر روئی تھی۔ شام کے تین بج چکے تھے۔ وہاں ایئرپورٹ پر شان میرا انتظار کررہے تھے اور یہاں میرے ہاتھ میں اسمر کے نام کی انگوٹھی پہنائی جاچکی تھی۔ ان کہی محبت کی کہانی ادھوری پڑی تھی اور اب شاید اسے ادھورا ہی رہنا تھا مگر میں پرانی یادیں دل کے خاص کونے میں قید کرکے ایک نئے رشتے کی بنیاد رکھ چکی تھی۔

☆......☆

میں تڑپ رہی تھی سسک رہی تھی لمحہ لمحہ مر رہی

تھی۔ یہ کرب یہ اذیتیں یہ سب گھاؤ تو محبت کے مرہون منت تھے۔ اس محبت کے دیئے ہوئے گھاؤ جو ابھی میرے وجود میں اترنے لگی تھی۔ جس کے خواب میں نے ابھی دیکھنا شروع ہی کیے تھے۔ میں نہیں جانتی تھی محبت بے درد بھی ہوتی ہے۔ اس قدر بے دردی سے سب خواب توڑتی ہے کہ ان ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں وجود کے ساتھ ساتھ روح تک کو بھی چھلنی کر دیتی ہیں۔ میں رونا چاہتی تھی چیخنا چلانا چاہتی تھی مگر لاکھ چاہنے کے باوجود بھی میں ایسا کرنے سے عاری تھی۔ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی میں اپنے دل میں پلنے والے شکوؤں کو زبان نہ دے پائی۔ دو سال پہلے میں نے خوشی خوشی محبت سے شکست تسلیم کی تھی اور آج دو سال بعد محبت نے مجھے بری طرح مات دے دی تھی۔

ابھی پرسوں ہی تو میں امی کے ساتھ بازار گئی تھی۔ اپنی شادی کے لیے زیور اور کپڑے خریدنے تھے نا، دو دن بعد مجھے مایوں جو بیٹھ جانا تھا۔ ابھی کل میں دیر ہی کتنی گزری تھی سب کچھ تو ٹھیک ٹھاک اپنی اپنی ڈگر پر چل رہا تھا۔ ابھی ایک ہفتہ پہلے کتنی چاہ کتنے ارمانوں کے ساتھ میری اور اسمر کی شادی کے دن رکھے گئے تھے اور اب سب اجڑ چکا تھا۔ ختم ہو چکا تھا۔ سارے ارمان ساری چاہتیں منوں مٹی تلے دفن ہو کے رہ گئی تھیں۔ میں فق ہوتے چہرے کے ساتھ مایوں کے جوڑے میں کنگ بیٹھی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو مجھے ہنسی خوشی نیک تمناؤں کے سائے تلے مایوں بٹھایا گیا تھا کہ اسمر کی ایک کال نے میرا سب کچھ جلا کر راکھ کر ڈالا۔

''حناوے! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' اسمر نے بے چینی سے کہا تھا۔

''جی کہیے۔'' میں شرماتے ہوئے بولی تھی۔

''نہیں پہلے تم وعدہ کرو کہ میری بات پورے صبر و تحمل کے ساتھ سنو گی اور سچ جان لینے کے بعد مجھے دل سے معاف کر دو گی۔''

کئی خدشے ایک ساتھ میرے ذہن میں ابھرے تھے۔

''جی کہیے میں وعدہ کرتی ہوں۔'' میں کسی انہونی کے ڈر سے خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل بول پائی تھی۔

''حناوے! تم میری نہیں میرے گھر والوں کی پسند تھیں۔ تمہیں مما نے میرے لیے پسند کیا تھا۔ انہیں تم شروع دن سے پسند تھیں اور پھر منگنی سے لے کر شادی تک سب ان کی مرضی سے ہوتا گیا۔ میری رضامندی جاننے کی تو کسی نے کوشش کی ہی نہیں اور کچھ ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے میں ان سب باتوں سے قطعاً انجان رہا۔ حناوے تم بہت اچھی ہو اس لیے میں تمہیں کسی قسم کے دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔ میں علینہ سے محبت کرتا ہوں میری سبھی چاہتیں سبھی خواب صرف اور صرف علینہ کے لیے ہیں۔ وہ بہت معصوم ہے حناوے بہت سادہ دل ہے اس کا بھری دنیا میں میرے سوا کوئی سہارا نہیں ہے۔ میں بے بس ہوں حناوے میں اسے نہ دھوکہ دے سکتا ہوں نہ چھوڑ سکتا ہوں۔ تم لڑکی ہو تم تو اس کی کیفیت سمجھ سکتی ہو۔'' وہ کتنی آسانی سے سب ختم کرنے کو کہہ رہا تھا۔ میرے اندر ہی اندر سب ٹوٹ کر بکھرتا چلا گیا اور شاید میں خود بھی میں بے دم ہو کر صوفے پر آ گری۔

''حناوے...... تم...... تم سن رہی ہو نا، میں جانتا ہوں اب بہت دیر ہو چکی ہے مگر میں کیا کروں علینہ کے بغیر جینا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے حناوے۔'' اسمر کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ کمال کی بات تو یہ تھی اتنا طوفان گزرنے کے بعد بھی میں زندہ تھی میرے

ہوش وحواس سلامت تھے۔

''حناوے۔'' فون میں سے اسمر کی آواز پھر سے ابھری تھی۔

''تم نے سب بتا ہے نا۔'' وہ تصدیق کر رہا تھا۔

''ہاں۔'' میں ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے بے دردی سے بولی تھی۔

''مجھے معاف کر دینا حناوے! میں تم سے کسی بھی قسم کا رشتہ جوڑنے سے قاصر ہوں۔ تم جانتی ہو نا محبت انسان کو کتنا خود غرض بنا دیتی ہے۔ اس وقت شاید میں بھی یہی کر رہا ہوں مگر حناوے تم کیسے جان سکتی ہو تمہیں تو محبت کبھی ہوئی ہی نہیں۔'' اسمر کی بات سن کر میرا زخم پھر سے ہرا ہونے لگا تھا۔

''ہاں ہوئی تھی محبت مگر میں تمہاری طرح خود غرض نہیں تھی۔ میں تمہارے لیے ہنسی خوشی اپنی محبت سے دستبردار ہو گئی تھی۔''

''میرے لیے۔'' اس نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

''ہاں اسمر! تمہارے لیے کیوں کہ خالہ تمہارے نام کی انگوٹھی میری انگلی میں پہنا گئی تھیں۔ صرف تمہارے لیے میں نے سب خوابوں کو قید میں ڈال دیا۔ سب خواہشوں کا گلا گھونٹ دیا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت کی جان لے لی۔ میں تمہارے لیے اپنی محبت سے دستبردار ہوئی تھی اور آج تم اپنی محبت کے لیے مجھے چھوڑ رہے ہو۔ دو سال پہلے جب خالہ نے مجھے تمہارے نام کی انگوٹھی پہنائی تھی۔ تب میں نے اپنے سب خواب سارے ارمان تم سے جوڑ لیے تھے۔ اسمر صرف اس لیے میں نے اپنی محبت سے منہ موڑا تھا کیوں کہ میں تمہیں دھوکہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ میں تمہارے ساتھ مخلص رہنا چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میں تمہارے حصے کی محبت دوسروں پر ناحق لٹاتی رہوں۔ دو سال میں نے اپنی ذات کو صرف اور صرف تمہارے نام کے ساتھ محدود رکھا اور آج دو سال بعد تم مجھ سے سب چھین رہے ہو۔ تم نے ایک پل کے لیے بھی سوچا میں زمانے کو کیا منہ دکھاؤں گی۔'' میں بے بس ہو گئی تھی۔

''محبت بہت درد دیتی ہے اسمر! نہ جانے کیوں ہر بار سارے درد میرے حصے میں آ جاتے ہیں۔ ہر بار مجھے سارے ہی گھاؤ سہنا پڑتے ہیں۔ دو سال پہلے میں نے تمہاری خاطر اس محبت سے منہ موڑا تھا۔ جسے دیکھے بنا میرا دن نہیں گزرتا تھا جسے سوچے بنا مجھے سکون نہیں آتا تھا۔ جس کے بنا مجھے دنیا سونی لگتی تھی۔ جو میرے دل میں نہیں میری روح میں بسا کرتا تھا مگر پھر بھی میں نے خود کو بہلا لیا۔ سب ادھورے خواب تم سے جوڑ لیے اور تم نے آج بری طرح توڑ دیا۔ اسمر تمہیں معافی چاہیے نا تو جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔'' میں بنا سوچے سمجھے کھوئی ہوئی کیفیت میں جانے کیا کیا بولتی چلی گئی۔ ریسیور رکھتے ہوئے میں ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی۔ دو سال پہلے کی طرح مگر اب کی بار میں تنہا نہیں روئی تھی۔ پورا خاندان میرے بکھرے نصیب کو لیے میرے ساتھ رو رہا تھا۔

کافی عرصہ مسلسل آنسو بہا لینے کے بعد میری حالت قدرے سنبھلی تھی۔ اچانک کچھ یاد آنے پر ٹیبل پر پڑا بیگ اٹھائے میں مدہوشی کے عالم میں ایئرپورٹ کی جانب چل دی۔ ہاں مجھے اب شان حیدر کا انتظار کرنا تھا۔ اس کی راہ تکنی تھی۔ مجھے ان کہی محبت کی ادھوری کہانی کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔ کچھ نئے رشتوں کی بنیاد رکھنی تھی کچھ پرانی خطاؤں کی معافی مانگنی تھی۔

دو برس پہلے جب محبت نے میرے دروازے پر دستک دی تھی تب میں نے اسے دھتکار دیا تھا مگر آج مجھے اسی محبت کا انتظار کرنا تھا یہ انتظار قلیل بھی ہو سکتا تھا، طویل بھی یا پھر شاید......!!!!

......☆......

ایقان علی

ناولٹ

زیب النساء

پوری حویلی کسی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی، جگمگاتی روشنیاں رات میں دن کا سا سماں پیش کر رہی تھیں، حویلی کی اونچی منڈیروں سے گیندے اور گلاب کے پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ بڑے صحن میں



خوبصورتی سے اسٹیج سجایا گیا تھا، گہرے سبز اور زرد رنگ کے کپڑے سے ڈیکوریشن کی گئی تھی، اونچی آواز میں ڈیک چل رہا تھا، حویلی میں چہل پہل عروج پر تھی، لڑکیاں کمرے بند کئے اپنی تیاریوں میں مصروف تھیں، لڑکے داو جی سے چوری چھپے پچھلے صحن میں ڈانس کی ریہرسل میں مگن تھے۔

وہ اپنے کمرے میں بند کپڑے بدل رہی تھی جب اس کی نظر بند دروازے کے پاس پڑے کاغذ پر پڑی، وہ پہلے نہیں تھا، وہ نزدیک گئی اور اسے اٹھایا۔

''زیبا، مجھ سے چھت پر ملو، جلدی......احمر!''

وہ مسکرادی، جلدی سے خود کو آئینے میں دیکھا، پھولوں کے گجروں سے سجی کلائیاں حنا سے مزین تھیں، کالوں میں بڑے بڑے سنہری آویزے اور ماتھے پر ہم رنگ ٹیکا، تیاری مکمل تھی، ویسے بھی اس نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ مہندی کے لئے وہ خود تیار ہوگی، کسی بیوٹیشن کی ضرورت نہیں، ایک آخری نظر خود پر ڈال کر اس نے سوٹ کے ساتھ کا مدار دوپٹا اوڑھا اور باہر آ گئی، سب سے نظر بچا کر وہ بڑی تائی کے پورشن سے گزر کر چچا کے پورشن میں



آ گئی، چھت تک جانے کے لئے سیڑھیاں صرف چھوٹے چچا کے پورشن میں تھیں۔

چھت پر زیادہ تاریکی نہیں تھی، لائٹنگ سے ہونے والی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

''احمر......احمر......'' وہ ہولے سے دوبار پکاری لیکن وہ وہاں نہیں تھا، وہ شاید ابھی اوپر آیا ہی نہیں تھا، وہ ریلنگ کے پاس آ کھڑی ہوئی اور احمر کا انتظار کرنے لگی، میوزک کی ہلکی ہلکی آوازیں اسے اوپر تک آ رہی تھیں، ہلکی ہلکی ہوا کے جھونکے اسے ماضی میں لے گئے۔

احمر اس کا تایا زاد تھا، سب سے بڑے تایا کی وفات کے بعد تائی اماں نے ہی احمر اور ازکی کی پرورش کی تھی۔ داؤجی بڑی تائی اماں کی بہت عزت کیا کرتے تھے، ان کی ہر بات کو اہمیت دی جاتی۔

احمر کے ابا کے بعد حسان تایا تھے، جن کی پوری فیملی انگلینڈ میں مقیم تھی، اس سے چھوٹے اس کے ابو تھے، احسان صاحب ان کی تین اولادیں تھیں، بڑی زیب النساء، پھر عثمان اور چھوٹی مہر النساء۔

سب سے چھوٹے نعمان چچا تھے، عالیہ چچی ہر دلعزیز تھیں، چھوٹے بڑے سب ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ تھیں بھی بہت اچھی، نرم دل، سوفٹ سی، ان کے دو ہی بچے تھے، مریم اور زین۔

داؤجی کے تین بیٹوں کے علاوہ ایک بیٹی بھی اسی حویلی بھی رہائش پذیر تھی، آمنہ پھپھو بیوہ تھیں، ان کا ایک بڑا بیٹا جمال شادی شدہ تھا اور دو چھوٹی بیٹیاں نمرہ اور اقرا تھیں۔

وہ عام سے دن تھے لیکن زیب النساء کے لئے بہت خاص، جب اس کے دل میں محبت کی کلی کھل گئی، ڈیشنگ اور بہت سوبر سا کزن احمر عمران اس کے دل میں اتر گیا۔ نو عمری کے دن اور چھوٹے چھوٹے خواب وہ احمر کو پسند کرنے لگی۔ ان دنوں وہ ایم اے کر رہی تھی اور احمر B.Z.U سے ایم۔ بی۔ اے حویلی چونکہ گاؤں میں تھی لہٰذا جب بھی احمر گھر پر ہوتے تو زیب النساء کو وہی کالج ڈراپ کرنے جاتے، بائیک پر وہ مختصر سا سفر زیب النساء کے لئے یادگار ہوتا نتیجہ یہ نکلا وہ ایم۔ اے میں چار مضامین میں فیل ہو گئی، ہزاروں گالیاں دیں بورڈ والوں کو، سو سو آنسو بہائے اور دوبارہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ایسے میں احمر ہی تھا جس نے اسے دلاسے دیئے۔

''ارے پاگل، ایسے تھوڑی ہمت ہارتے ہیں، مضبوط بنو، وہ احمر کی بات کیسے ٹال جاتی؟ دوبارہ ایم اے میں داخلہ لیا، انہی دنوں جمال بھائی کی شادی تھی، وہ نک سک سا تیار ہوتی، احمر کی ایک جھلک کی منتظر رہتی، وہ ایک نظر دیکھ کر تعریف کرتا تو پھولے نا سماتی، ایک بار پھر فیل......رو رو کر گھر سر پر اٹھا لیا، ابا نے ڈائجسٹ پڑھنے پر پابندی لگا دی، اماں نے اس کی ڈائریاں اپنے قبضے میں لے لیں، زین، عثمان اور مہر نے خوب مذاق اڑایا۔ ایسے میں احمر کے دلاسے اور داؤجی کی پناہ، داؤجی کی وہ بے حد لاڈلی تھی۔ جو اس کا مذاق اڑاتا تو اسے وہ اپنی بھاری آواز میں جھاڑ دیتے، وہ دوبارہ داخلہ لینے پر تیار ہو گئی۔ انہی دنوں بہار کے موسم میں احمر نے اس سے اظہار محبت کر ڈالا، وہ بھی اس سے محبت کرنے لگے تھے، زیب النساء کے تو جیسے پر نکل آئے، آسمانوں میں اڑی رہتی، بات بے بات ہنسی آتی تھی، کھیتوں میں گھنٹوں پھول چنتی، کتنے حسین دن تھے ناں!''

تیسری بار فیل ہو گئی، ہاہاہا......کتابیں پھاڑ دیں، یونیورسٹی والوں کو کوسا اور دوبارہ ایک لفظ بھی نا پڑھنے کا عہد کر لیا۔ دوسری طرف احمر کا ایم بی اے مکمل ہوا، ساتھ ہی اسے ایک اچھی نوکری بھی مل گئی، تائی اماں اس کے لئے رشتے ڈھونڈنے نکل گئیں، زیب النساء پریشان ہو گئی، اگر ان کو کوئی اور پسند آ گئی تو؟ احمر نے اس کی پریشانی بھانپ لی اور وعدہ کیا کہ ماں سے بات کرے گا۔ اسی شام اس نے

تائی اماں کے سامنے زیب کے متعلق پسندیدگی کا اظہار کر ڈالا، تائی اماں نے ایک اور لڑکی منتخب کی ہوئی تھی، بیٹے کی فرمائش پر پہلے تو روکا لیکن پھر مان گئیں۔

اور یوں آج اس کی مہندی تھی۔

وہ احمر کے انتظار میں چھت پر ٹہل رہی تھی جب اس نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی، وہ مسکراتے ہوئے مڑی لیکن پھر اسے ٹھٹک کر رکنا پڑا۔

''فیصل!......تم؟''

......☆......

''اماں! زیب آپی کمرے میں نہیں تھیں۔''

مہر النساء نے ان کو اطلاع دی تو وہ پریشان ہوئیں، کہاں گئی؟ باہر رسم شروع ہونے والی تھی، مہر کو انہوں نے ساتھ والے پورشن میں ڈھونڈنے بھیجا اور خود تائی اماں کے پورشن میں آئیں۔

''ارے آپا! اب زیب کو باہر لے آؤ، رسم کرلیں۔'' وہ گڑبڑائیں جی اچھا کہہ کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں، زیب کونسا کوئی سوئی تھی، واپس اپنے پورشن میں آگئیں، مہر النساء بھی آگئی۔

''دیکھ لیا اماں......! ایک ایک جگہ دیکھ لیا، کہیں نہیں ہیں زیب آپا۔'' وہ ہول گئیں، تھوڑی سی دیر میں ساری حویلی میں شور مچ گیا، ہر بندہ اپنے اپنے طور پر اسے ڈھونڈنے میں لگ گیا۔

''ارے کوئی چھت پر بھی دیکھ لو...... شاید اوپر ہو۔'' داؤ جی نے صدا دی تھی۔

......☆......

''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زیب! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، اور نا ہی میں تمہیں کسی اور کا ہوتے دیکھ سکتا ہوں۔'' وہ ڈر گئی، فیصل اس کی طرف ہی بڑھتا چلا آرہا تھا۔

''فیصل بھائی! آپ یہ کیسی باتیں کررہے ہیں؟ آپ جانتے ہیں میں اور احمر......''

فیصل نے بات کاٹ دی۔

''مت نام لو احمر کا، اس نے ہمیشہ میری حق تلفی کی ہے، وہ ہمیشہ میری چیز لے اڑتا ہے، لیکن اس دفعہ نہیں، تم کوئی چیز نہیں ہو، میری محبت ہو، میں تمہیں یوں اس کے حوالے نہیں کروں گا۔'' وہ اور آگے بڑھا اور اس کے بازو تھام لئے۔

''فیصل بھائی! پلیز مجھے چھوڑ دیں، مجھے نیچے جانا ہے، سب میرا انتظار......''

''انتظار''......وہ ہنسا۔ ''انتظار تو میں نے کیا ہے تمہارا، بہت سالوں سے، لیکن اب میرے صبر کی حد ختم ہوگئی ہے، اب میں تمہیں نہیں کھو سکتا۔''

زیب النساء نے خود کو اس کی گرفت سے چھڑوانے کی کوشش کی لیکن وہ مضبوط مرد تھا، اسی دھکم پیل میں اس کی نازک قمیض کی آستین کندھے سے ادھڑ گئی، فیصل نے اسے اور مضبوطی سے جکڑ لیا، وہ کھسیائی۔

''مجھے چھوڑیں فیصل بھائی......! میں احمر سے محبت کرتی ہوں۔''

''محبت میں بھی کرتا ہوں تم سے اور اس سے دستبردار نہیں ہوسکتا، تمہیں اس سے شادی سے انکار کرنا ہوگا۔''

زیب نے نفی میں گردن ہلادی، وہ دیوار سے جا لگی تھی، فیصل کا چہرہ اس کے بالکل نزدیک تھا، اس کی دھڑکنیں زیب نے اپنے سینے میں محسوس کی تھیں۔

''مجھے چھوڑیں۔'' وہ رو پڑی، اس کی چادر زمین پر جا گری تھی، قمیض کندھے سے پھٹ گئی تھی، فیصل کے ارادے اس کے ہوش اڑا رہے تھے، وہ درندہ بن چکا تھا، وہ اس پر پل پڑا، نازک سی زیب النساء چھت پر گرتی چلی گئی، اس کی سانسوں کی گرمی سے زیب کو گھن آرہی تھی، وہ اب مکمل طور پر بے بس تھی۔

زیب کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اوپر آئے ہوئے چھوٹے چچا نے چھت کے ایک کونے میں سارا منظر دیکھا تھا۔

☆......

پوری حویلی میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، ایسی وحشت انگیز خاموشی جیسے کوئی طوفان آ کر گزر گیا ہو، واقعی ایک طوفان تھا جو آ کر گزر گیا تھا لیکن خفت اور ندامت سے سر جھکائے کھڑی زیب النساء کے لئے تو طوفان ابھی آنا تھا۔

وہ حویلی جس کے در و دیوار سے چند لمحے قبل قہقہے پھوٹ رہے تھے، اب ایک یاسیت بھری خاموشی چھائی تھی، سارا خاندان بڑے صحن میں جمع تھا، ایک طرف کرسی پر داؤ جی بیٹھے تھے، سارے اہل خانہ کھڑے اسے دیکھ رہے تھے، وہ جو سر جھکائے کھڑی تھی، پھٹی قمیض، جوتی سے بے نیاز پاؤں اور چادر؟ چادر پتہ نہیں کہاں تھی، اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا، سینہ پھاڑ کر باہر نکلنے کو بے تاب...... اس سے چند قدم کے فاصلے پر فیصل کھڑا تھا۔

''چھت پر کیا کر رہی تھی تو زیب؟'' داؤ جی کی کڑک دار آواز۔

''مجھے احمر نے بلایا تھا۔'' وہ کچھ لمحوں بعد خاموشی سے بولی۔''

''احمر نے؟'' تائی اماں چونک پڑیں۔

''احمر آج شام سے رحیم یار خان گیا ہوا ہے، ازکی کو لینے۔'' وہ دھک سے رہ گئی۔

''تو پھر وہ رقعہ؟''

''اب کیا کہتی ہے تو؟'' وہ کیا کہتی؟ ہولے ہولے ساری بات بتادی۔

''ٹھیک ہے مجھے رقعہ دکھاؤ''۔

وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی، ایک ایک چیز کو الٹا پلٹا کر دیکھا، ہر شے کھنگال ڈالی، کاغذ کا وہ ٹکڑا کہیں نہیں تھا۔

''داؤ جی! خدا کی قسم مجھے رقعہ ملا تھا اس کا!''

تائی اماں چیل کی طرح اس کی طرف لپکیں۔

''حرافہ...... جھوٹ یہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' انہوں نے اسے تھپڑوں سے مارنا شروع کر دیا تھا۔''میرے بیٹے پر بہتان باندھ رہی ہے، وہ کل شام سے گھر پر نہیں ہے اور تو کہہ رہی ہے اس نے رقعہ بھیجا، کیا لگتا ہے وہ ابھی تیرا جو تو رات کو اکیلی اس سے ملنے جا پہنچی کوٹھے پر خصم ہے وہ تیرا؟''

تائی اس سے کہتے کہتے ہانپ گئیں، تھپڑوں سے زیب کا چہرہ لال ہو گیا تھا، پھر وہ مڑیں اور داؤ جی کی طرف گئیں۔''مل گئی...... آپ کی پگڑی مٹی میں داؤ جی، پڑھا لیں جنازہ اپنی عزت کا، ہو گئی مٹی ہماری عزت، اس نے کر دیا سارا ختم، ہائے، تھو تھو کرے گا سارا جہاں ہم پر، اس ناس ماری کی وجہ سے۔''

وہ مجرم تھی؟ وہ مجرم کیسے ہو گی؟ بے یقینی سے اس نے سب کو دیکھا، سب اسے ہی گنہگار ٹھہرا رہے تھے،''نہیں...... نہیں...... اسے بتانا ہو گا کہ وہ مجرم نہیں ہے، وہ سیدھی داؤ جی کے پیروں میں آ گری۔

''داؤ جی! رب کی قسم داؤ جی، میں...... میں مجرم نہیں ہوں میں نے کچھ نہیں کیا، میں سچ کہہ رہی ہوں داؤ جی، میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے آپ کی عزت پر حرف آئے...... یہ فیصل نے...... اس نے مجھ پر حملہ کیا...... میں بے قصور ہوں داؤ جی۔''

وہ ان کے پیروں سے لپٹ کر رو رہی تھی، وہ سنتے رہے اور پھر اٹھے اور فیصل کی طرف بڑھے۔

''تو نے یہ سب کیوں کیا؟'' وہ فیصل سے سوال کر رہے تھے۔

''میں اس سے محبت کرتا ہوں اور یہ بھی......'' وہ بولا۔

''نہیں داؤ جی! یہ بکواس کر رہا ہے......

''اس نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔''
''داؤ جی! یہ غلط کہہ رہا ہے۔''
''اس نے مجھ کو چھت پر بلایا تھا۔''
''نہیں...... نہیں''۔ وہ چلائی۔
''اس نے مجھے یہ سب کرنے کو کہا۔'' وہ پھر بولا۔
''یہ رقعہ بھیجا تھا اس نے مجھے۔'' فیصل نے اپنی جیب سے کاغذ نکال کر داؤ جی کی طرف بڑھایا۔
''فیصل میں تم سے محبت کرتی ہوں فیصل! مجھ سے چھت پر ملو...... زیب......'' داؤ جی زور سے دہاڑے اور فیصل کو دھکا دے کر اس کی طرف بڑھے۔ وہ خوف سے لرز گئی، دل پھٹنے کو تیار تھا۔
''اس کی بات مت سنیں داؤ جی!...... یہ جھوٹا ہے۔'' درد کی شدت سے اس سے رویا بھی نہیں گیا، وہ وہیں زمین پر بیٹھی ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی تھی، وہ نزدیک آئے اور اس کو ٹھڈا مارا، وہ بلبلا اٹھی، اس کو دوبارہ ٹھڈا مارا گیا، وہ زمین بوس ہو گئی۔
''کیوں کیا، کیوں کیا تو نے؟'' وہ پھنکار رہے تھے۔
''میں نے نہیں، کچھ نہیں کیا۔'' وہ ان کے ہاتھوں پٹتی رہی، چلاتی رہی، صفائیاں دیتی رہی، قسمیں کھاتی رہی، واسطے دیتی رہی، لیکن...... آج قیامت کی رات تھی، آج اس کا کوئی آنسو، کوئی چیخ، ہونی کو ٹال نہیں سکتا تھا۔
''احسان!'' وہ دہاڑے۔
''اس فیصل کو میرے گھر سے نکال اور آئندہ کبھی اس کی صورت بھی نظر نہ آئے، میں اسے گولی مار دوں گا ورنہ......''
''داؤ جی معاف......'' فیصل منمنایا لیکن احسان چچا اس کو باہر نکال آئے۔
''یہ صلہ دیا ہے تو نے ہماری محبتوں کا؟ یہ صلہ دیا؟''

''اماں آپ تو اعتبار کریں۔''
''نہیں ہوں میں تیری ماں، مت پکار مجھے''۔ آج تو ماں بھی پرائی ہو گئی تھی، ہر رشتے کے چھن جانے کی رات تھی آج، ماں...... باپ...... بہن...... بھائی...... تایا...... چچا آج ہر آنکھ میں اس کے لئے حقارت تھی، نفرت تھی، ان سب کے لئے وہ خطا کار تھی، مجرم تھی، لیکن ابھی ایک رشتہ باقی تھا، احمر...... وہ اس کی بات ضرور سنیں گے، وہ اعتبار ضرور کریں گے، ہاں......
''ایک بات سن لیں داؤ جی! میں مر جاؤں گی لیکن اسے اپنے احمر کی دلہن نہیں بناؤں گی، میں اس غلاظت کی پوٹ کو اپنے گھر نہیں لے کر جاؤں گی۔'' تائی اماں کا آخری فیصلہ ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس کے پیٹ میں شدید درد ہو رہا تھا، آنتیں جیسے گچھم گچھا ہو گئی تھیں، کولہے کی ہڈی ٹوٹنے کو تھی، لیکن اس سے بھی زیادہ درد اور تکلیف اس اعتبار کے ٹوٹنے سے ہوئی تھی جو اس کو اپنے خون کے رشتوں پر تھا، مار لیتے، گالیاں دے لیتے لیکن یوں نہ کہتے کہ اس پر اعتبار نہیں۔ وہ تو کہیں کی بھی نہیں رہی تھی، زمین، زمین والوں نے کھینچ لی تھی اور آسمان...... شاید یہی آسمان والے کی مرضی تھی۔ تائی اماں فیصلہ سنا چکی تھیں، وہ احمر کی شادی اب کسی بھی صورت اس سے کرنے کو تیار نہیں تھیں۔
''نہیں داؤ جی! نہیں، اب میں نہیں مانوں گی''۔ وہ اٹھ کر اپنے پورشن میں چلی گئیں، داؤ جی ڈھے سے گئے، سارا گاؤں جانتا تھا کہ صبح اس کا نکاح ہے، اب جب نہیں ہوگا تو وہ کیا جواب دیں گے؟ سومنہ اور سو باتیں، پگڑی کی فکر پڑ گئی تھی، اس پگڑی کی جو ابھی سر پر تھی لیکن اس چادر کی فکر کسی کو بھی نہیں تھی، جو سر سے اتر کر مٹی میں رل گئی تھی، ہر شخص جیسے اس پر احسان عظیم کرتے ہوئے اس کے بارے میں

سوچ رہا تھا۔

''احسان..... نعمان...... کچھ کرو.... عزت برباد ہوجائے گی، ناک کٹ جائے گی۔'' وہ وہیں مٹی پر دو زانو بیٹھی تھی، سزا سننے کی منتظر، مٹی سے لت پت۔

''داؤجی! فکر مت کریں۔'' اس نے عالیہ چچی کی آواز سنی تھی۔

''نکاح ہوگا، کل ہی ہوگا۔'' وہاں موجود ہر انسان چونک پڑا۔

''میں زیبا کو اپنے زین کی دلہن بناؤں گی۔'' ایک دھماکہ کیا تھا انہوں نے، ہر کوئی اپنی اپنی جگہ سن رہ گیا۔ ''زین؟..... اور ..... زیب النساء .....؟''

''تمہارا دماغ درست ہے عالیہ! زین اور زیب کیا جوڑ؟''

داؤجی بولے، عالیہ کچھ دیر خاموش رہیں۔

''یہ جوڑ دیکھنے کا وقت نہیں داؤجی! بقول آپ کے عزت بچانے کا وقت ہے، عزت بچایئے، نکاح کی تیاریاں کیجیے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''لیکن ..... زین مان جائے گا؟'' وہ ابھی تک تذبذب کا شکار تھے۔

''وہ میرا بیٹا ہے داؤجی! آپ کا بیٹا نہیں جو نا مانے، میں حکم دوں گی، مان جائے گا۔'' ان کی آواز میں تفاخر تھا، غرور، فرماں بردار بیٹے کی ماں ہونے کا غرور، داؤجی چپ رہ گئے۔ اور پھر فیصلہ ہوگیا، زین اور زیب النساء۔

......☆......

زین اور زیب النساء؟......

مثالی محبت تھی، مثالی دوستی، عمروں میں آٹھ سال کا فرق تھا، چوبیس سال کی زیب اور 16 سال کا قریب قریب نوعمر لڑکا، عالیہ چچی کا اکلوتا بیٹا، زین نعمان، سیکنڈ ایئر میں تھا، زیب کے لئے تو وہ چھوٹے بھائی سے کچھ زیادہ تھا، بچپن میں وہ اس کی گود میں سوجاتا تھا، بڑا ہوگیا تب بھی گھس گھس کر اس کے ساتھ سوتا۔

اب..... وہ زین؟.....

وہ روتی نہ تو کیا کرتی؟ بچپن میں کبھی نعمان چچا کے ہاتھوں پٹتا تو وہ ہی اسے بچا کر اپنے پورشن میں لے کر جاتی، دونوں اکٹھے کھیتوں میں جاتے، وہ درخت پر چڑھ کر کچی پکی کیریاں اتارتی، وہ جمع کرتا رہتا۔

اب..... وہ زین.....؟

وہ روتی نہ تو کیا کرتی؟

تاریک رات میں خالی صحن میں اپنی قسمت کا ماتم کرنے والی وہ اکیلی رہ گئی، کیسی تھی ناں اس کی قسمت؟ اماوس کی رات جیسی، سیاہ..... بے نور.....

عالیہ چچی ہی آئی تھیں اسے اٹھانے، وہ ان کے پیر پڑ گئی۔

''عالیہ چاچی! اتنا ظلم مت کریں، مجھے نہیں کرنی شادی پلیز آپ منع کردیں'' وہ بلکتی رہیں۔

''پھر کس سے کرو گی؟ کسی پچاس ساٹھ سالہ بڈھے رنڈوے سے؟ زیب پاگل مت بن، یہ جو حالات ہیں ناں ایسے میں اگر داؤجی کو تیرا نکاح کسی 100 سال کے بوڑھے سے بھی کرنا پڑا ناں، تو وہ بھی کردیں گے۔'' وہ سن رہی تھی۔

''مجھے احمر سے بات کرنی ہے، ان کو میرا اعتبار ضرور ہوگا۔'' وہ ہنسیں۔

''اس حویلی میں موجود سو لوگوں نے تیرا اعتبار کیا؟ تو وہ کیسے کرلے گا؟''

''محبت کرتے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں۔''

''وہ مرد ہے، اس سے آگے کہنے کو کچھ نہیں۔''

''نہیں چچی! وہ مان جائے گا۔'' وہ پر یقین تھی۔

......☆......

یقین اگلے دن بہت زور سے چکنا چور ہوگیا تھا جب چاچی نے اسے بتایا تھا۔

''رات آیا تھا احمر، ساری بات سن کر ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکا، بیگ کاندھے پر ڈالا اور بھاگ گیا، جھاگ بیٹھ گیا محبت کا''۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اب اس کو زخم تکلیف دینے لگے تھے، اب وہ رونے لگی تھی، اب ادراک ہوا تھا کہ کتنا بڑا نقصان ہو گیا ہے۔

''مرد کی محبت سمندر کی جھاگ جیسی ہوتی ہے زیب!'' عالیہ چاچی نے سرخ جوڑا لا کر رکھا۔ ''جب لہر آتی ہے تو بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن جب لہر ختم تو جھاگ بھی ختم۔''

''وہ مجھ سے محبت کرتے تھے۔'' وہ روتے روتے بولی، عالیہ چاچی نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''مجھے بھی ایسے ہی اعتبار تھا نعمان پر، یقین تھا کہ بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے، بڑا اچھا لگتا تھا اس احساس میں جینا، تبھی تو اپنا گھر بار چھوڑ کر آ گئی یہاں، ہوش تو تب اڑے جب نعمان دوسری لے آئے، آنکھ تب کھلی جب انہوں نے کہا کہ یہ میری دوسری بیوی ہے، بہت درد ہوا تھا زیب! ایسے ہی درد ہوا تھا، پھر شادی کے دو ماہ بعد ہی وہ دوسری بیوی تو بھاگ گئی، لیکن وہ درد کم نہیں ہوا۔'' ان کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی، زیب روتے روتے تھک گئی۔

''بس میری بچی، بس، جلدی تیار ہو جا، مولوی صاحب آ گئے ہیں۔''

انہوں نے اسے تیار کیا تھا، سوجی ہوئی آنکھیں...... چہرے پر زخم، کس قدر بے نور دلہن تھی ناں!

......☆......

''خبردار! جو کسی نے میری زیب کو کبھی ہاتھ لگایا، ہاتھ کاٹ دوں گا میں اس کے۔'' ایک دفعہ بچپن میں جب اماں نے اسے جھڑکا تھا تو داؤ جی نے کہا تھا، اور آج وہ اس کی طرف نفرت سے دیکھ رہے تھے، زیب کو کل رات کے ٹھنڈے یاد آئے تھے۔

''کیا آپ کو زین نعمان ولد نعمان عباس بعوض 40 ہزار روپے حق مہر بشمول 10 تولے سونا قبول ہے؟''

مولوی صاحب دریافت کر رہے تھے، وہ گم صم رہ گئی۔

''احمر میں آپ کو دیکھتی ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے دنیا تھم گئی ہے، ہوائیں چلنے لگتی ہیں، پھول کھلنے لگتے ہیں'' ''ہاہا، اچھا، یہ کس فلم کے ڈائیلاگز ہیں؟''

''قبول ہے۔'' آنکھ زچگی کے مراحل سے گزری تھی، ننھا آنسو پلکوں پر مچل مچل گیا۔

''حرافہ عورت...... میں اسے اپنے احمر کی دلہن نہیں بناؤں گی۔''

''قبول ہے۔'' آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

''مجھ سے محبت مت کرنا، لیکن اعتبار ضرور کرنا۔''

''قبول ہے......''

رخصتی کے لئے وہاں نا تو ماں کی محبت بھری آغوش تھی اور نہ ہی باپ کی شفقت بھری چھاؤں، صرف داؤ جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ہماری عزت کا لحاظ نہیں کیا تو نے، لیکن اپنے شوہر کی عزت کا خیال ضرور کر لینا۔''

وہ مہر النساء کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''میں اپنا زین آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی آپی! کبھی نہیں۔''

باپ نے نفرت سے سر ہلایا اور چل دیا، ماں نے دیکھنا بھی پسند نہیں کیا، عالیہ چچی اسے تھام کر اپنے پورشن کی طرف بڑھیں۔ بہت ہو چکا تھا، بہت، وہ جان چکی تھی اب اس کا اپنا وہاں کوئی بھی نہیں، جان چکی تھی سارے اپنے اب پرائے ہیں، وہ جان چکی تھی، اب مزید کی ضرورت نہیں تھی۔ عالیہ چچی اسے لئے اپنے پورشن میں آ گئیں، نعمان چاچا قرآن سر پر تانے کھڑے تھے، حریم نے ان پر پھول اچھالے

تھے، اس نے ہولے سے اپنے ساتھ چلتے ہم سفر پر نظر ڈالی تھی، وہ کسی اور کا تھا جسے اس کا بنا دیا گیا تھا، تو پھر وہ کہاں تھا جو اس کا تھا۔

☆......☆

وہ جانتی تھی ایسا ہی ہوگا۔

وہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی، وہ اندر آیا، صوفے پر موجود سارا سامان کارپٹ پر ڈھیر کیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا، وہ بیٹھی رہ گئی، اسے معلوم تھا ایسا ہی ہوگا، زبردستی کے رشتے میں ایسا ہی ہوتا ہے، ماں کے کہنے پر وہ اس کے کمرے میں تو آ گئی تھی لیکن اس کے دل میں نہیں، اس کے دل میں کون تھا؟ یقیناً مہرالنساء۔

اگلی صبح بھی معمول کی طرح تھی۔

اس نے سب کے ساتھ ناشتہ کیا تھا، جب ہولے سے عالیہ نے پوچھا تھا۔

''تم خوش ہو ناں؟'' وہ لمبی سانس بھر کر رہ گئی۔

''جی...... بہت خوش ہوں۔''

ولیمے کے بعد زندگی اپنی ڈگر پر لوٹ آئی تھی۔

زین اپنے کالج جانے لگا، حریم بھی فرسٹ ایئر میں تھی تو اس کے ساتھ ہی جاتی تھی، گھر میں اکیلی رہ جاتی، عالیہ چاچی اسے مختلف کاموں میں لگائے رکھتیں، وہ اسے ہر چیز بھلا دینے کو کہتی تھیں، لیکن ہر چیز بھلا دینا اتنا آسان تھا؟ ماں باپ بہن بھائی بھول جانا آسان ہوتا ہے؟ نہیں...... ہرگز نہیں۔

شادی کے دو ہفتے بعد اس رات زین نے اسے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

''میرے گھر میں آپ کے لئے بہت جگہ ہے زیب! لیکن میرے دل میں ذرا سی بھی نہیں''۔

''میرا جرم بتاؤ زین؟'' وہ رو پڑی۔

''آپ نے دل توڑے ہیں زیب! آپ نے دھوکہ دیا ہے۔ ہم سب کو احمر بھائی کو''۔ احمر کا نام آتے ہی اس کی حالت عجیب سے ہو گئی تھی۔

''آج 15 دن ہو گئے ان کو گھر چھوڑے ہوئے، تائی اماں کا رو رو کر برا حال ہے، ان سب کا کیا قصور تھا زیب؟''

''اور میرا کیا قصور تھا زین؟''

''یہ آپ خود سے پوچھیں تو بہتر ہوگا۔''

''میں بے قصور ہوں زین! میں نے......'' وہ کچھ سنے بغیر کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆......☆

شام کی نارنجی روشنی ہولے ہولے رات کی تاریکی میں ڈھل رہی تھی، وہ ریلنگ سے لگی کھڑی اداس شام کو دیکھ رہی تھی، حویلی کے در و دیوار پر یاسیت اتر رہی تھی، دور افق پر پرندے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے، یونہی مگن سی زیب النساء کو خبر نہیں ہوئی کب وہ اس کے برابر میں آ کھڑا ہوا۔

''کیا تلاش کر رہی ہیں زیب؟ کسی کی یاد کا احساس کا کسی رات کا عکس؟'' وہ طنزاً بولا تھا، وہ چونک پڑی۔

''اگر تم میرے دکھوں کا مداوا نہیں کر سکتے تو پلیز ان پر نمک چھڑکنے بھی مت آ جایا کرو''۔ اسے حقیقت میں تکلیف ہوئی۔

''یہ زخم ہم نے تو نہیں دیئے آپ کو، آپ نے خود مقدر سے ضد کر کے لئے ہیں، پھر تکلیف کیوں؟''

''زخم بھی اتنی تکلیف نہیں دیتے زین جتنی تم سب کے الفاظ دیتے ہیں، کیا تمہیں میری صداقت پر رتی برابر بھی یقین نہیں؟''

''مجھے رتی برابر بھی شک نا ہوتا زیب! اگر میری دو آنکھیں نہ ہوتیں، کانوں سنا غلط ہو سکتا ہے لیکن آنکھوں دیکھا بھی''۔

''آنکھوں دیکھے کو اپنی مرضی سے معانی پہنائے جا سکتے ہیں، زین! وہ سچ نہیں تھا، میں نے کچھ نہیں

کیا۔"
"اچھا پھر اتنی رات کو آپ ایسے فیصل بھائی کے ساتھ کیوں تھیں۔"
"مجھے احمر نے بلوایا تھا زین"۔
"لیکن احمر بھائی تو گھر میں تھے ہی نہیں اس رات، اور نہ ہی انہوں نے آپ کو بلوایا تھا، وہ قسم کھا چکے ہیں۔" وہ رکی۔
"اس کی قسم پر اعتبار ہے اور میری قسم؟"
وہ خاموش رہا، کچھ لمحے تیزی سے گزر گئے۔
"احمر نے یہ سب کب کہا؟" وہ پوچھنے لگی۔
"کل رات، وہ واپس آ گئے ہیں، بہت پریشان ہیں، پتہ نہیں زندہ کیسے ہیں"۔ وہ کہتا ہوا نیچے چلا گیا، وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

☆......☆......

وہ اپنے کمرے میں کپڑے ہینگ کر رہی تھی جب زین اندر آیا۔
"میں کل سے ہاسٹل شفٹ ہو رہا ہوں، امتحان ہونے والے ہیں، گھر میں پڑھ نہیں پاتا۔"
"مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" وہ تڑخ کر بولی۔
"بیوی ہیں آپ میری"۔
"اچھا؟ یاد ہے یہ رشتہ تمہیں؟"
"میرے پاس آپ کے اس فضول طنز کا جواب دینے کا وقت نہیں ہے۔" وہ کہہ کر نکل گیا، اور وہ اگلی صبح واقعی چلا گیا۔ حریم کو روز چھوڑ کر آنے کی ذمہ داری نعمان چچا نے لے لی۔ وہ مزید اکیلی رہ گئی، لمبے لمبے دن...... لمبی لمبی راتیں......
"تم خوش تو ہو ناں؟" عالیہ چاچی دن میں کئی بار پوچھتیں۔
"ناخوش ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔" اور ویسے بھی اگر وہ ناخوش بھی ہوتی تو کیا فرق پڑتا......
وہ اکثر سوچتی تھی، جب احمر سے سامنا ہوگا تو کیا کہے گی؟ کیسے کہے گی؟ اور پھر اس دن۔

وہ چھت پر کپڑے ڈال کر آ رہی تھی جب وہ سامنے آ گیا۔ وہ اس کے دل کا مقیم تھا، وہ جو صبح شام اس کے نام کی مالا پڑھا کرتی تھی، لیکن اب کسی اور کی بیوی تھی۔
"چھت کچھ زیادہ ہی پسند نہیں آ گئی تمہیں؟" وہ طنزاً بولا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے گزر جانا چاہتی تھی جب اس نے کلائی تھام لی۔ "مجھے دھوکہ کیوں دیا تم نے زیب؟" وہ ہر شخص کی زبان سے نکلنے والے الزام سہہ سکتی تھی، وہ سب کی نفرت سہہ سکتی تھی لیکن اس کی نہیں، اس نے دھیرے سے کلائی چھڑائی اور چل پڑی۔
"میری بات کا جواب دو زیب! کیوں؟ کیوں میری وفا کے بدلے میں یہ سب کیا تم نے؟"
زیب کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔
"میں کیا ہوں اور میں نے کیا کیا ہے؟ یہ میرا خدا جانتا ہے احمر اور میں تم سب کو جواب دینے کی پابند نہیں۔"
"لیکن مجھے جوابدہ ہو، مجھ سے محبت کے دعوے کیے تھے تم نے، پھر یہ کیوں؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
"مجھے بھی جواب چاہیے احمر! مجھ سے محبت کے دعوے کیے تھے تم نے، پھر جب میں سنگسار کی جا رہی تھی تم کہاں تھے؟ جب الزام لگ رہے تھے، کہاں تھے تم؟"
"تم نے مجھے کسی کے سامنے کھڑے ہونے کے قابل چھوڑا ہی کب ہے زیب! میرا سر جھکوایا، تم نے، عزت مٹی کر دی، تم نے، میری محبت پاک تھی، ملاوٹ کی...... تم نے......" وہ کہتا چلا گیا۔

☆......☆......

وہ کافی دیر سے اکیلی بیٹھی دور خلاؤں کو تک رہی تھی، نارنجی شعاعیں سبز پتوں سے چھن چھن کر اس تک آ رہی تھیں، دور مالٹے کے درخت مالٹوں سے

لیے ہوئے تھے، وہ اداسی سے ہر شے کو دیکھ رہی تھی، ان مناظر میں ہی کہیں اس کے بچپن کی یادیں پوشیدہ تھیں، ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے قدموں کی آوازیں ابھی بھی پگڈنڈیوں سے ابھرتی تھیں۔ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کی آوازیں فضا میں گونجتی تھیں۔ بچپن کے دکھ بھی کتنے اچھے تھے۔

جب دل نہیں، کھلونے ٹوٹا کرتے تھے۔
وہ خوشیاں بھی جانے کیسی خوشیاں تھیں۔
تتلیوں کے پر نوچ کر خوش ہوتے تھے۔
چھوٹے تھے تو مکر و فریب چھوٹے تھے۔
دانہ ڈال کر چڑیا پکڑا کرتے تھے۔
اپنے جلنے کا احساس بھی نہیں تھا۔
جلتے شعلوں کی طرف لپکا کرتے تھے۔
پاؤں مار کر بارش کے پانی میں۔
اپنی کشتی خود ہی ڈبویا کرتے تھے۔
اب ایک آنسو گرے تو رسوا کر دیتا ہے۔
بچپن میں دل کھول کر رویا کرتے تھے۔

زیب النساء پھوٹ پھوٹ کر رو دی، کوئی ہوتا جو اس کا بچپن لوٹا دیتا، جہاں کوئی الزام نہیں تھا، جہاں سب اپنے تھے۔

اسے احمر سے زیادہ شدت سے زین کی یاد آ رہی تھی، زین نعمان...... اس کا محافظ۔

......☆......

آج چھٹی کا دن تھا، کافی دن بعد آج سورج نکلا تھا، سارے افراد خانہ بڑے صحن میں جمع تھے، اپنے اپنے کاموں میں مصروف دھوپ سینک رہے تھے، تائی اماں گاجروں کا ڈھیر دھونے میں مصروف تھیں، مہر النساء کوئی رسالہ لئے بیٹھی تھی، حریم اس کے پاس آ بیٹھی۔

''آپ سارا دن فارغ بور نہیں ہوتیں؟'' وہ مسکرا دی۔

''آپ کے لئے ایک مشورہ ہے، آپ دوبارہ سے شاعری کیوں نہیں شروع کر دیتیں، یاد نہیں بچپن میں آپ ہمیں کیسے نظمیں سناتی تھیں''۔ اسے یاد تھا، اسے سب یاد تھا، وہ دیوانی تھی شاعری کی ہر دستہ اور کاپی بھر رکھی تھی اس نے شعروں سے......

''کوشش کروں گی''۔ وہ مسکرائی، نظریں اچک کر دور چلی گئیں، احمر تخت پر لیٹا اسے ہی دیکھ رہا تھا، وہ دوپٹہ سنبھالتی اٹھ گئی۔

اندر ایک اور نیا منظر اس کا منتظر تھا، عالیہ دل پر ہاتھ رکھے لمبے لمبے سانس لے رہی تھیں، وہ گھبرائی، حریم کو پکارا...... انہیں سہارا دیا، ایمبولینس کال کی، لیکن وہ راستے میں ہی دم توڑ گئیں۔

زین آ گیا...... زیب النساء نے دیکھا۔ روتا ہوا، کمزور سا...... وہ کتنا اکیلا لگ رہا تھا ناں، روتی ہوئی حریم کو سہارا اسی نے دیا، زین کو تسلی دے کر چھوٹے چچا کے آنسو بھی اسی نے صاف کیے تھے۔

چھ ماہ مزید بیت گئے، وہ مزید اکیلی رہ گئی تھی۔

......☆......

اس خوفناک واقعے کو گزرے سال ہونے والا تھا جب وہ اس موہوم امید پر کہ شاید اب ماں باپ کے دل پگھل گئے ہوں، اماں کے پورشن میں آئی تھی۔

''اماں! مجھے معاف کر دیں''۔ وہ اسے دیکھتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئیں، وہ ابھی تک گنہگار تھی ان کے لئے، وہ ابھی تک ناقابل معافی تھی، احسان چچا (اس کے ابا) نے دیکھا تو ہاتھ سے پکڑ کر باہر دھکا دے دیا، ہونٹ کسی پتھر پر لگا اور خون بہہ نکلا، حریم ہی نے اسے آ کر اٹھایا۔

''کیا ضرورت تھی آپ کو وہاں جانے کی۔'' وہ اس کے زخم صاف کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ بول رہی تھی۔

دن گزرتے گئے، گرمیوں کے لمبے لمبے دن سردیوں میں بدل رہے تھے جب ایک دن حریم نے اطلاع دی۔

''زین بھیا آرہے ہیں، اگلے ہفتے''۔
اس کا دل خوشی سے بھر گیا، انتظار کرنے لگی، ایک ایک دن...... ایک ایک رات۔
اور اس دن وہ آ گیا، اس کے پیپرز ختم ہو گئے، ایک ہفتے بعد اس کا نیا سمسٹر شروع ہونا تھا، آج کل وہ B.Z.U سے بی۔ ایس آنرز کررہا تھا، زیب النساء نے دیکھا، وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہورہا تھا، یا شاید اسے لگا تھا۔
''سب کہاں ہیں، حریم اور ابو؟''
''چچا زمینوں پر گئے تھے اور حریم دوست کے گھر۔'' وہ اماں کے پورشن کی طرف چلا گیا۔
''اوہ زین......'' مہر النساء کی خوشی سے جھومتی آواز اس نے سنی تھی۔
اور شام میں جب وہ باہر صحن میں چائے پی رہے تھے تب بھی مہر زین ہی کے ساتھ تھی۔
''یو نو واٹ زین! میرا دل بالکل نہیں لگتا تمہارے بغیر...... جلدی آیا کرو، آئی ریئلی مس یو......'' جواباً حریم کھنکاری۔
''اوہیلو! تمہیں مس کرنے کی ضرورت نہیں، ان کی زندگی میں آل ریڈی ایک مس موجود ہیں۔''
ایک لمحے کے لئے زین اور مہر، دونوں کے چہروں سے ہنسی جدا ہوئی تھی، تبھی کچھ دیر بعد زین بولا تھا۔
''کچھ بھی ہو......، مہر کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔''

......☆......

وقت ہولے ہولے سرکتا رہا، دو سال مزید گزر گئے، لیکن اس کا ناکردہ جرم آج بھی ویسا ہی ہرا تھا، آج بھی سب کے پاس اسے دینے کو صرف نفرت تھی، سوائے حریم اور نعمان چچا کے کوئی اسے مخاطب نہیں کرتا تھا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، دادو جی نے تو پھر جیسے اسے دیکھنا بھی بند کردیا تھا، وہ جہاں بیٹھ جاتی، وہاں کوئی دوسرا بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا، اس کو نہ کسی خوشی میں شامل کیا جاتا اور نہ ہی اسے کوئی خبر دی جاتی، وہ حقیقتاً اس سے ہر تعلق توڑ چکے تھے، وہ بس ایک ایکسٹرا سی حیثیت سے اس حویلی میں رہ رہی تھی۔ وہ ستائیس سال کی تھی لیکن چالیس کی نظر آنے لگی تھی۔ زندہ دل اور خوش مزاج زیب بہت پیچھے کہیں رہ گئی تھی۔ اب جو تھی وہ اس کا بھوت تھا۔
انہی دنوں گھر میں عثمان کی شادی تھی، اس کا سگا بھائی...... دعوت تو درکنار اسے اطلاع بھی نہیں دی گئی تھی...... زین البتہ آیا تھا۔
''آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں، کیا ہوا؟'' مہندی کی رات زین نے حیرت سے سوال کیا تھا۔
''میں نہیں جارہی''؟ ''لیکن کیوں''؟ وہ حیران ہوا۔
''اماں نے منع کیا ہے کہ میں ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی میں نظر نہ آؤں اور یہ کیوں کہا ہے، تم یقیناً نہیں پوچھنا چاہو گے''۔ وہ طنزاً بولی اور لحاف اوڑھ کر لیٹ گئی۔ زین نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔
البتہ وہ خود بھی نہیں گیا تھا، مہر بہت دفعہ بلانے آئی لیکن ہر دفعہ اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کردیا، وہ اگلے دن برات میں جانے کے بجائے واپس چلا گیا تھا۔

......☆......

اس دن سب گھر والے عثمان کے سسرال گئے ہوئے تھے، وہ اکیلی آنگن میں تخت پر بیٹھی سوچوں میں گم تھی جب احمر نے اس کو چونکا دیا۔
عرصہ ہوا اس نے اسے سوچنا چھوڑ دیا تھا، وہ ہمہ وقت طنز کے تیر چلاتا، اور اس کی صفائیوں اور دلیلوں کے جواب میں تمسخرانہ ہنسی ہنستا۔
''ویسے زیب! مزے ہیں تمہارے، اتنا کچھ کرکے بھی اتنے دھڑلے سے نعمان چچا کے گھر کی مالک بنی بیٹھی ہو۔ امیزنگ۔'' وہ گاجر کھا رہا تھا،

زیب کا دل چاہا وہی گاجر لے کر اس کا سر کھول دے۔

''ویسے زیب! تمہیں کوئی خاص فرق تو نہیں پڑا، ہے ناں؟''

''ویسے کیا تمہیں ذرا سی ندامت بھی ہے اس پر جو تم نے کیا ہے؟ آئی مین ضمیر کچو کے تو لگاتا ہوگا ناں؟'' وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہارے فضول سوالوں کے جواب نہیں ہیں میرے پاس''۔

☆......☆

صبح سے موسم خاصا خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی بوندیں برس رہی تھیں لیکن اب تو خاصی تیز بارش شروع ہو گئی تھی، زیب النساء کا دل مچلنے لگا، دل کرنے لگا کہ برستی بارش میں خوب جھوم جھوم کر بھیگے، نجانے کس لمحے وہ صحن میں نکل آئی اور بازو کھول کر بارش میں بھیگنے لگی۔

بچپن میں جب بارش ہوتی تھی تو وہ سارے کھیتوں میں جا نکلتے تھے، آم کے درختوں کے نیچے کیریاں جمع کرتے اور خوب ہلا گلا کرتے، اس کا دل چاہا آج بھی ویسے ہی زور زور سے شور مچائے، اپنے زین کا ہاتھ تھام کر اونچا اونچا اڑے۔

اور تبھی اس کی خواہش تعبیر کا مجسم روپ دھار کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی، زین نعمان...... اس کے ہاتھ میں بیگ تھا وہ مبہوت رہ گئی، چند لمحے خاموشی سے گزر گئے، زین نے ہاتھ سے اس کی بھیگی لٹ کو اس کے کان کے پیچھے اڑسا تھا، تبھی وہ چونکی اور تیزی سے کمرے میں بھاگ گئی، زین مسکرا دیا اور سوچنے لگا۔'' خطا کاروں کے چہرے اتنے معصوم کیسے ہو سکتے ہیں؟''

وہ جلدی سے کپڑے تبدیل کر کے آئی، وہ برآمدے کے ستون سے لگا کھڑا تھا۔'' کھانا گرم کروں زین!'' وہ چونکا۔

''جی...... میں آتا ہوں۔'' وہ اماں کے پورشن کی طرف بڑھا۔ دوپہر کا سالن گرم کر کے اس نے روٹیاں ڈالیں۔ جب تک وہ کھانا لے کر آئی کافی چھینکیں آ چکی تھی۔

''کس نے مشورہ دیا تھا آپ کو کہ سردی میں بارش میں بھیگیں؟'' زین ہولے سے بولا تھا، وہ کچن کی طرف بڑھی لیکن راستے میں ہی چکر سا آ گیا، وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟'' وہ اسے منع کرنے کے باوجود کمرے تک لے آیا۔

''آپ کو تو بخار ہے''۔ وہ سائیڈ ٹیبل کی دراز میں کوئی دوائی ڈھونڈتے ہوئے فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔

''بچوں جیسی حرکتیں کیوں کرتی ہیں آپ، جانتی ہیں ناں بچپن میں بھی کیسے بارش سے ٹھنڈ لگ جاتی تھی آپ کو۔'' زیب کے اردگرد سکون کا سا احساس اترنے لگا۔

☆......☆

ایک ہفتے تک اسے شدید بخار رہا تھا، وہ چار دن کے لئے آیا تھا، اس کے لئے ایک ہفتے تک رکا۔

پھر چلا گیا، جانا ہی تھا......

چار ماہ بعد کا قصہ ہے جب اس رات وہ کمرے میں اکیلی تھی، نعمان چچا بھی آج رات زمینوں پر تھے، حریم دوست کی طرف گئی تھی ہفتے بھر کے لئے۔

رات کا کوئی پہر تھا جب دروازے پر دستک سے اس کی آنکھ کھل گئی، پہلے تو اس نے اپنا وہم سمجھا لیکن دوسری دستک پر وہ شال خود پر لپیٹتی ہوئی باہر آئی، لیکن دروازہ کھلتے ہی وہ اندر آ گیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

''احمر......'' وہ حیران ہوئی...... ''تم اس وقت ......''

وہ اس کی طرف بڑھا۔

''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زیب! اب میں مزید تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا''۔ یہ الفاظ اس کے لئے غیر شناسا نہیں تھے، چار سال پہلے انہی الفاظ نے اس کی زندگی تباہ کی تھی اور آج...... پھر......

''احمر پلیز! چلے جاؤ، میں چلا چلا کر سارے لوگوں کو اکٹھا کرلوں گی، چلے جاؤ......'' وہ چلائی اور ہٹتے ہٹتے میز سے جاٹکرائی۔

''ایسے مت کرو زیب! تم مجھ سے یوں بے رخی نہیں کرسکتیں......'' زیب النساء کی نظر اس چھری پر پڑی تھی جو وہ نجانے کس لئے کمرے میں لائی تھی، وہ تیزی سے بڑھی اور چھری اٹھا کر اپنی شہ رگ پر رکھ لی، احمر حیرانی سے رک گیا تھا۔

''چلے جاؤ...... ورنہ میں خود کو کاٹ لوں گی، جاؤ''۔

احمر کی آنکھوں میں کچھ تو ایسا ضرور تھا جسے وہ سمجھ نہیں پائی، وہ کمرے سے نکل گیا، وہ وہیں بے دم ہوکر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

اپنی بے وقعتی اسے توڑے ڈال رہی تھی، آنسو ایک روانی سے اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

......☆......

تین سال مزید گزر گئے۔

زین کو بی۔ ایس آنرز کے بعد ملتان میں ہی نوکری مل گئی تھی۔ حریم بی اے کرکے گھر میں ہی ہوتی تھی، نعمان چچا اس کے لئے اچھے رشتے کی تلاش میں تھے۔

اس دن وہ چھٹی پر گھر آیا ہوا تھا، وہ واش روم سے نکلا تو زیب کمرے میں نہیں تھی، وہ بیڈ پر آکر لیٹا اور بے دھیانی میں پاس پڑی ڈائری اٹھالی، اس نے کھولی تو پہلے ہی صفحے پر اس کی تصویر موجود تھی، زین نعمان کی تصویر......

اس نے تجسس سے ڈائری کھولی

تھکا دیا اسے آندھیوں نے مل جل کر
وہ ایک پرندہ جو اونچی اڑان رکھتا تھا

اسے خوشگوار حیرت ہوئی، زیب ابھی بھی Poetry کرتی تھی اس نے صفحہ الٹا۔

یہ غم دل کو راس بہت ہے
اگرچہ بھلے دنوں کی آس بہت ہے
مانا کہ مل نہیں سکتے تم فاصلے بہت ہیں
مگر اس دل کا کیا کروں کہ اداس بہت ہے

وہ تجسس سے پڑھتا چلا گیا۔ آگے صفحے پر دل بنا ہوا تھا، دل میں اس کا اور زین کا نام لکھا ہوا تھا۔

تبھی باہر ہونے والے شور کی آواز پر وہ چونکا، آوازیں احسان چچا کے پورشن سے آرہی تھیں، وہ ادھر آیا، سامنے احسان چچا نے زیب کو گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکالا تھا، وہ مسلسل رو رہی تھی اور اس کے ہونٹ سے خون بہہ رہا تھا، وہ یقیناً ایک دفعہ پھر معافی مانگنے وہاں پہنچی ہوگی اور پھر...... زین کے اندر غم و غصہ بھر گیا، وہ تیزی سے ان تک آیا۔

''چچا......! یہ آپ کی کوئی بھیڑ بکری نہیں ہے، بیوی ہے میری، آپ کا کوئی اختیار نہیں کہ ان سے ایسا سلوک کریں۔'' وہ آگے بڑھ کر چلایا اور گری ہوئی زیب کو سہارا دے کر اٹھانے لگا۔

''میں جان سے ماردوں گا اسے۔''

''یہ اب میری عزت ہیں چچا! اور میں کسی کو اختیار نہیں دوں گا کہ وہ یوں وحشیوں کی طرح ان کو ماریں۔''

وہ زیب کو سہارا دے کر کمرے تک لے آیا۔

زیب النساء کو لگا جیسے وہ تپتی دھوپ سے گھنی چھاؤں میں آگئی ہو، وہ ہر زخم بھول گئی، ہر درد جیسے شفا پا گیا۔

''کیوں جاتی ہیں ادھر؟ کیوں کرواتی ہیں بے عزتی؟'' وہ بینڈ تیج کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بس طے ہوگیا آپ میرے ساتھ چلیں گی، اپنا

سامان باندھ لیں۔"

☆......

سردی شدید ہو چکی تھی، شام ہوتے ہی فضا سے کہر برسنے لگتی تھی، وہ خاموشی سے بھیگی پگڈنڈی پر بیٹھی ہوئی دور فضاؤں میں دیکھ رہی تھی، یہاں بیٹھ کر زین کو سوچنا اسے عجیب سی راحت دیتا تھا، وہ جو گزرے چھ سالوں میں اس کی کل کائنات بن چکا تھا، وہ جو اس سے آٹھ سال چھوٹا تھا، وہ جو شاید کسی اور سے محبت کرتا تھا، وہ ہی زین نعمان اس کی سوچوں کا محور بن چکا تھا۔ وہ اس کا اپنا تھا، وہ جب اکیلی ہوتی تو اسے یاد کرتی تھی، اس کی یادیں تنہائی ختم کر دیتی تھیں، وہ جب زندگی میں تاریک راہوں میں ٹھوکر کھاتی تو اسے یاد کر لیتی، اس کی یاد روشنی دیتی تھی۔

اس نے دیکھا، وہ دور سے آ رہا تھا، بلو جینز اور سفید شرٹ پہنے، شرٹ پر اس نے جیکٹ پہن رکھی تھی، وہ اسی طرف آ رہا تھا۔

"اتنی سردی میں کیوں بیٹھی ہیں زیب! چلیں اٹھیں، ٹھنڈ لگ جائے گی۔" وہ اس کے ساتھ حویلی واپس آئی تھی۔ ہر کسی نے ان کو ساتھ آتے دیکھا تھا، مہر النساء نے زہر خند نظروں سے اسے دیکھا، وہ اسے لئے اندر کمرے میں آ گیا۔

"میرے رحم کو میری محبت مت سمجھئے گا"۔ وہ کہہ کر باہر نکل گیا، وہ ایک دفعہ پھر تپتی دھوپ میں اکیلی رہ گئی۔

☆......

وہ اس کے ساتھ ملتان آ گئی، آنا نہیں چاہ رہی تھی کہ پیچھے حریم اور چچا اکیلے ہیں لیکن پھر چچا نے ہی کہا تھا کہ وہ چلی جائے، اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر الوداع کیا تھا۔

"زین بیٹا! 6 سال ہو گئے ہیں، اب سب کچھ بھولنے کی کوشش کرنا۔" انہوں نے کہا تھا۔

دو کمروں کا اپارٹمنٹ، اس کے آنے سے گھر ہو گیا تھا۔ اس نے ہر چیز کو ٹھکانے پر لگایا، تفصیلی صفائی کی، گھر نکھر گیا۔

اس کی زندگی ایک پرسکون ندی کی مانند رواں تھی، اس پرسکون ندی میں ہلچل مچانے والا پتھر "زیب النساء" نامی تھا۔ اس سے 8 سال بڑی کزن جس کا حادثاتی طور پر اس سے نکاح ہو گیا، اور پھر وہ تب سے وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا، کیا اسے محبت تھی زیب سے؟" شادی کی پہلی رات اس نے خود سے سوال کیا تھا۔ لیکن پھر اس نے خود سے فرض کر لیا کہ اسے زیب سے محبت نہیں کرنی، دل توڑے ہیں، اسے زیب سے محبت نہیں کرنی تھی، دوسری طرف مہر النساء تھی، وہ محبت نہیں تھی، کم از کم وہ اپنے اور اس کے رشتے کو محبت کا نام نہیں دیتا تھا، وہ صرف ایک دوست تھی، بچپن کی اچھی دوست، ہاں زیب النساء کی بات اور تھی، وہ بات بے بات اسے یاد آتی تھی، دل اسے ہر لمحے سوچنا چاہتا تھا، وہ ہمیشہ اس کے پاس رہنا چاہتا تھا لیکن وہ رات تھی جو اسے زیب سے دور رکھتی تھی، اسے بدکردار کہتے ہوئے دل دکھتا تھا لیکن حقیقت تھی کہ وہ واقعی گنہگار تھی، اپنی صفائی میں کہنے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں تھا، اس کا دل چاہتا تھا کہ اس پر اعتبار کرے لیکن......

انہی دنوں وہ گاؤں گیا تو احمر بھائی نے عجیب بات کی۔ اس دن ریت کے کنارے چلتے ہوئے اس نے احمر سے کہا تھا کہ وہ شادی کیوں نہیں کر لیتے، کیوں اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں تو جواباً وہ مسکرا دیئے۔

"آپ ابھی تک زیب کی بے وفائی کا جوگ لئے بیٹھے ہیں؟"

"وہ بے وفا نہیں ہے زین!" وہ کچھ لمحوں بعد بولے۔

زین حیران رہ گیا۔

''سارا زمانہ اسے بدکردار کہتا ہے زین! لیکن اس کی آنکھیں اس کی صداقت کی گواہ ہیں، مجرم اس جیسے نہیں ہوتے، بہادر''۔

احمر نے اسے بتایا کہ کیسے وہ رات کو اکیلے میں اس کے کمرے میں گئے، کیسے اس نے خود پر چھری تان لی۔

''داؤجی کہتے ہیں وہ نفس کی غلام ہے لیکن زین نہیں، وہ بے گناہ ہے، اس رات میں یہی عہد کرکے گیا تھا کہ اگر وہ واقعی بدکردار ہوئی تو میں خود اس کا گلا گھونٹ دوں گا، لیکن اس نے خود پر چھری تان لی، مجرم اتنے بہادر نہیں ہوتے زین، وہ مجرم ہوتی تو مجھ پر حملہ کرتی''۔ زین نے ان کو روتے دیکھا۔

''آپ اسے بے گناہ کیسے ثابت کریں گے؟''

''چھ سال ہوگئے زین! مجھے کوئی ایک کلیو ڈھونڈتے ڈھونڈتے، کہیں کچھ غلط ضرور ہوا ہے، میں کوئی ایک سرا ڈھونڈ رہا ہوں، جو اس الجھی ڈور کو سلجھا سکے۔''

اور تب سے اس کا دل اور زیادہ شدت سے زیب النساء کی وکالت کرنے لگا تھا۔

......☆......

''جسٹ شٹ اپ!'' وہ زور سے چلایا، مہر النساء ڈر گئی۔

''وہ میری بیوی ہیں مہر! نیکسٹ ٹائم میں ان کے لئے ایسے تھرڈ کلاس الفاظ نہیں سنوں گا۔''

''ساری دنیا انہیں بدکردار کہتی ہے کس کس کا منہ بند کرواؤ گے زین نعمان؟'' وہ بھی چلائی، وہ شاکڈ رہ گیا۔

''وہ تمہاری بہن ہے مہر!''

''مجھے یاد مت کرواؤ، مجھے بھولنے دو کہ وہ میری کچھ نہیں لگتیں۔'' وہ خاموش رہ گیا۔

''تمہیں انہیں طلاق دینی ہوگی زین''۔

''میں ایسا نہیں کرسکتا۔''

''میں تم سے محبت کرتی ہوں زین! اینڈ آئی وانٹ ٹو میری ود یو۔'' وہ کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''غور سے سنو اور سمجھ لو، وہ میری بیوی ہیں اور میری عزت ہیں، میں ان کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا اور نہ ہی مجھے کسی اور سے شادی کرنے کی ضرورت ہے۔''

وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

......☆......

درختوں کی ڈالیوں پر چڑیاں شور مچانے میں مصروف تھیں، آم کے اونچے اونچے درختوں پر بور آچکا تھا، کھیتوں کے درمیان بنے کھالے میں شفاف پانی بہہ رہا تھا، زیب النساء خالی الذہنی سے بہتے پانی کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اب تھکنے لگی تھی، سب کی نفرتیں سہتے سہتے اب بس ہونے لگی تھی، اعصاب جواب دینے لگے تھے، جب کوئی قصور تھا ہی نہیں تو سزا کیوں مل رہی تھی۔

زمانے اور مقدر نے مل کر جو بھونڈا انداق کیا تھا، اس کا اختتام اب بس ہوجانا چاہئے تھا، چھ سال زبان سے کہہ دینا بہت آسان ہے لیکن چھ سال ایک ہی تکلیف سہنا بہت مشکل، تکلیف صرف اس کو ہوتی ہے، جس کی ہوتی ہے۔

''میرے مالک! تو سب انصاف کرنے والوں سے بڑھ کر انصاف کرنے والا ہے، میرے مالک! تیرے انصاف کے بعد مجھے کسی اور کے انصاف کی ضرورت نہیں رہے گی، بس اب تو انصاف کردے، میں اپنی عرض لے کر تیری عدالت میں آگئی ہوں، اب بس انصاف کردے، مالک! صرف تو میری پاکبازی ثابت کرسکتا ہے، تو بھیج دے، کوئی گواہی دینے والا۔'' وہ دل سے مانگ رہی تھی۔

چڑیاں ابھی تک چہچہا رہی تھیں، دور آم کے

درخت پر کوئل کوک رہی تھی۔

☆......

ایک نئی صبح منڈیروں سے آنگن میں اتر رہی تھی، وہ کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی، عباس چچا ابھی زمینوں سے واپس لوٹے تھے، حریم بستر سمیٹ رہی تھی، تبھی بیرونی دروازہ ہولے سے کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔

''فیصل......آپ......؟''

زیب النساء کے ہاتھ سے فرائنگ پین چھوٹ گیا تھا۔

وہ داؤ جی کے پیروں سے لپٹا ہوا تھا۔

''داؤ جی! خدا کے لئے معاف کردیں، خدا کے لئے مجھے معاف کردیں، میں نے گناہ کیا، میں نے بہتان لگایا، خدا نے مجھے برباد کردیا، کل رات کسی نے میرے فارم ہاؤس کو آگ لگادی، میرا سارا مال جل گیا، گھر آیا تو میری بیوی، وہ پریگننٹ تھی، سیڑھیوں سے پھسل گئی، ہمیشہ کے لئے بے اولاد ہوگیا میں، یہ بددعائیں ہیں داؤ جی......''

وہ زار و قطار رو رہا تھا، ہر شخص اپنی جگہ سن رہا گیا۔

''مجھے ایک دفعہ زیب سے ملوادیں، میں نے اس پر بہتان لگایا تھا، مجھے اس کی بددعا کھا گئی داؤ جی''۔

تبھی حریم بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

''زین بھیا! زیب آپی بے ہوش ہوگئی ہیں۔''

سب کا جیسے سکتہ ٹوٹ گیا تھا، زین جلدی سے اسے لے کر شہر کی طرف بھاگا، گھر کے بڑے ساتھ تھے، داؤ جی نے اس کا سر اپنی گود میں رکھا تھا، وہ مسلسل رو رہے تھے۔

''اگر زیب کو کچھ بھی ہوا تو میں تمہیں قتل کردوں گا یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے......''

زین پھنکارا، سارا الزام اس کے سر تھوپ کر بری الذمہ ہوگیا تھا ذمہ دار تو وہ سب تھے۔

☆......

وہ بہت عام سے دن تھے، زندگی معمول پر رواں تھے۔

اس دن احمر نے ان سے کہا تھا کہ اسے زیب النساء سے شادی کرنی ہے، تائی اماں شاکڈ رہ گئیں۔ وہ تو اس کے لئے اپنی بہن کی بیٹی کو مانگ چکی تھیں، لیکن وہ اڑ گیا تھا۔

''مجھے صرف اور صرف زیب النساء سے شادی کرنی ہے۔'' انہوں نے بغور دیکھا، جوان بیٹا، گرم خون، تازہ تازہ محبت کا جنون، اگر منع کرتیں تو شاید بیٹے کو کھو دیتیں۔ اکلوتا جوان جہان کماؤ بیٹا وہ کھونا نہیں چاہتی تھیں اور اپنی بہن کو وہ زبان دے چکی تھیں، مسئلہ سیدھی انگلی سے حل نہ ہوا تو انہوں نے انگلی ٹیڑھی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

فیصل، داؤ جی کے کسی قریب کے دوست کا پوتا تھا، دوست کی وفات کے بعد وہ داؤ جی کے ساتھ حویلی آگیا اور پھر وہیں رہا، وہ تائی اماں سے بہت نزدیک تھا، ان کی ہر بات مانتا تھا، تائی اماں کو بھی وہ پسند تھا لیکن احمر سے زیادہ نہیں، احمر آخر کو بیٹا تھا، خیر، ان دنوں فیصل کو پچاس لاکھ کی ضرورت تھی، وہ بیرون ملک جاکر بزنس سیٹ کرنا چاہتا تھا، داؤ جی سے پہلے اس نے تائی اماں سے بات کی، تائی اماں نے ایک لمحے کے لئے سوچا، اگر وہ داؤ جی سے بات کرتا تو وہ یقیناً پیسے دے دیتے، لیکن......

''داؤ جی کبھی پیسے نہیں دیں گے، تجھے تو کبھی بھی نہیں، احمر کو تو دے بھی دیتے، لے پالک کو کون اتنا دیتا ہے؟'' انہوں نے پورا پلان ترتیب دیا، پہلے فیصل کو داؤ جی کے خلاف بھڑکایا، خوب نفرت دلائی، پھر اس سے کہا وہ اسے پچاس لاکھ کا انتظام کردیں گی لیکن اسے بدلے میں ان کا بھی ایک کام کرنا ہوگا، وہ راضی ہوگیا۔

زیب النساء نامی کانٹے کو حلق سے نکالنے کے لئے انہوں نے فیصل کا استعمال کیا۔

مہندی کی رات کو انہوں نے احمر کو گھر سے باہر

بھیج دیا، پھر زیب النساء کے کمرے میں وہ رقعہ بھیجا۔

''مجھ سے اکیلے چھت پر ملو، احمر''۔

منصوبے کے عین مطابق زیب چھت پر جا پہنچی، وہ جلدی سے اس کے کمرے میں پہنچ گئیں اور وہ رقعہ ڈھونڈ کر ضائع کر دیا، دوسری طرف ویسا ہی ایک رقعہ زیب کی طرف سے لکھ کر فیصل کو دیا اور اسے بھی چھت پر بھیجا۔

اور پھر...... پھر سب طے شدہ تھا، فیصل کا زیب پر حملہ...... چچا کا وہاں آنا، زیب پر بہتان، اور ان کا اس کا احمر سے نکاح کروانے سے انکار......

اس رات احمر لوٹا تو انہوں نے رو رو کر اسے ساری تفصیل سنائی۔

''وہ بدکردار نکلی احمر! ہم سب کی عزت رول دی اس نے، کیچڑ میں ملا دیا......''

وہ سنتا رہا اور پھر گھر سے چلا گیا۔

فیصل کو 50 لاکھ مل گئے، وہ لندن چلا گیا اور کاروبار سیٹ کر لیا۔

......☆......

سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

بڑے صحن میں تمام افراد خانہ موجود تھے، اس کی جگہ آج وہ کھڑی تھیں، اصل مجرم، کتنی احتیاط سے چال چلی تھی انہوں نے اور کیسے خدا نے ان کی چال کو الٹ دیا تھا اور وہ ان کا برسر روزگار خوبرو بیٹا تاسف سے رو رہا تھا ان کے سامنے زمین پر بیٹھ کر زار زار۔

''چھ سال اماں!...... چھ سال یہ اس کی ہمت تھی کہ وہ مر نہیں گئی، ورنہ ہم نے تو مار ہی ڈالا تھا اسے، وہ روتی رہی فریادیں کرتی رہی اور ہم سب آپ کی باندھی پٹی آنکھوں سے کھول ہی نہ پائے، اتنے ظالم اور خود غرض ہو گئے کیا بگاڑا تھا اس نے آپ کا؟ کیوں اتنی نفرت کرتی رہیں آپ اس سے؟ کیوں اماں''۔ وہ پانچ چھ سال کے بچوں کی طرح ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ کوئی مداوا ابھی تو نہیں تھا ناں اس کے دکھ کا......

''میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی احمر! مار یہ تمہیں زیب سے زیادہ خوش رکھتی''۔

''خوشی...... ہاں...... میں بہت خوش ہوں ہاہاہا...... یہ دیکھیں قہقہے لگا رہا ہوں کسی دوسرے کی خوشیوں کو غموں میں بدل کر آپ مجھے کیسے خوشی دے سکتی تھیں؟'' سوال در سوال جواب نہیں تھے جواب کسی کے پاس بھی نہیں تھے۔

''میں خالی دامن نہیں رہنا چاہتی تھی احمر! میں ہمیشہ تمہیں اپنے سامنے دیکھنا چاہتی تھی''۔

''خالی ہاتھ تو پھر بھی رہ گئیں آپ کیا رہا اماں؟ باقی کیا رہ گیا؟'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

''میں جا رہا ہوں آپ سے بہت دور......'' وہ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا جب وہ اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔

''نہیں احمر! نہیں ایسے مت جاؤ، سزا سنا کر جاؤ مجھے ایسے مت جاؤ......'' وہ رکا۔

''ماں کو کیا سزا سناؤں اماں! دنیا تو میری برباد ہو گئی، آپ کو سزا دے کر آخرت کیسے تباہ کر لوں میں تو بس خود کو سزا دے رہا ہوں''۔

وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا، وہ خالی ہاتھ رہ گئیں چند پچھتاوے رہ گئے، ندامت کے چند آنسو آج بیٹے کے چند سوالوں کے جواب نہیں تھے ان کے پاس، کل خدا کی عدالت میں جب زیب النساء جواب طلب کرے گی تو وہ کیا کریں گی؟ وہ لرز گئیں تباہ کر لیا تھا انہوں نے سب کچھ۔

''مجرم تو ہم سب ہیں اس کے دادو جی! ہم سب''۔ زین کی آواز دور ویرانے سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔

......☆......

زیب النساء نے مندی مندی سی آنکھیں کھول کر دیکھا ..... داؤ جی، اماں، ابا، مہر، عثمان ...... حریم سب موجود تھے۔ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر داؤ جی آگے آئے تھے اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے تھے، زیب النساء کو لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے، لیکن وہ خواب نہیں تھا، حقیقت تھی، وہ سب شرمندہ تھے، چھ سال جو جو اذیتیں دی تھیں، ان سب کی معافی چاہتے تھے، آسان نہیں ہوتا معاف کرنا لیکن بہت سکون ملتا ہے...... معاف کر کے۔

''واہ مولیٰ سائیں! تیری، تو ہی جانے، مان گئی تجھ سے بڑھ کر منصف کوئی نہیں، کوئی بھی نہیں۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، اطمینان کی ایک لمبی سانس بھر کر اس نے سب چہروں پر نظریں ڈالیں، کھلے دروازے میں احمر آ کھڑا ہوا تھا، زیب النساء نے ایک نظر اس پر ڈالی اور آنکھیں موندلیں۔

......☆......

کوئل کی کوک سناٹوں کو پاش پاش کر رہی تھی، آم کے بور سے لدے درخت کے نیچے وہ پانی کے شفاف کھالے (نالہ) میں پانی لٹکائے بیٹھے تھے۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے زیب؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ پانی میں پتھر اچھالتے ہوئے بولی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا زیب! کہ کہاں سے شروع کروں، کس جرم کی معافی پہلے مانگوں، کس گناہ کے کفارے کا عہد کروں۔''

زیب نے نظریں موڑ کر اسے دیکھا، درختوں سے چھن چھن کر دھوپ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

''میں سوچتی تھی کہ وہ وقت کب آئے گا جب میں بے قصور ثابت ہوں گی، کب میں بے گناہ ثابت ہوں گی، کیسے میں بدلے لوں گی، ہر ہر اذیت کی سزا کیسے دوں گی سب کو، لیکن زین! جب وہ لمحہ آیا تو میں سب کچھ بھول چکی تھی، رتی برابر بھی شکوہ میرے دل میں نہیں رہا تھا، جب وہ مولیٰ سائیں اتنے بڑے گناہ معاف کر سکتا ہے تو میں ...... میں کون ہوتی ہوں سزا دینے والی۔''

وہ پر سکون لہجے میں بولتی چلی گئی۔

''ایک وعدہ کرنا ہوگا تمہیں مجھ سے زین!''

''وہ کیا؟''

وعدہ کرو مجھے رلاؤ گے نہیں

حالات جیسے بھی ہوں،

مجھے بھلاؤ گے نہیں

چاہے زمانہ کچھ بھی کہے،

کبھی مجھے چھوڑ کر جاؤ گے نہیں

وہ مسکرا دیا۔

''پکا وعدہ۔'' وہ بھی مسکرا دی۔

''آپ ابھی بھی Poetry کرتی ہیں ناں؟''

''تمہیں کس نے کہا؟''

وہ حیران ہوئی، وہ ہنسا۔

''میں نے آپ کی ڈائری پڑھی تھی۔''

''تم ...... بدتمیز آدمی......''

''ہاں...... '' زین کا منہ کھل گیا۔ ''آپ کا شوہر ہوں ۔ ــــــــــــــ ذرا تمیز سے بات کیا کریں مجھ سے'' ......

''اتنے بڑے نہیں ہو تم......''

وہ بولی اور پانی میں چھپا چھپ پاؤں چلانے لگی، پانی کے چھینٹے زین کی جینز بھگونے لگے تھے۔

''زیب......!'' اس نے ہولے سے پکارا۔

''آئی لو یو'' ...... وہ جھینپ گئی، چہرہ سرخ پڑ گیا، وہ اس کے شرمانے پر مسکرا پڑا، زیب نے طمانیت سے سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا تھا، سرسراتی ہوا کہیں دور سے خوشبو چرا لائی تھی، شفاف ندی کا پانی رواں تھا اور دور کسی درخت پر کوئل کوکنے لگی تھی۔

......☆......

ثوبیہ ملک

افسانہ

خوبصورت ہے وہ اتنا

''اف..... اتنی زیادہ گرمی ہے لگتا ہے جیسے سورج زمین پر آگیا ہو۔'' نوفل جو تھکا ہارا نائٹ ڈیوٹی بھگتا کر آیا تھا اور کچھ دیر آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں آکر لیٹا تو نیچے سے آتے شور نے اس کے غصے کو



بڑھا دیا۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق جب وہ نیچے آیا تو میڈم قمر صاحبہ ٹی وی کا والیوم بڑھائے میچ دیکھنے میں مصروف تھیں اور ساتھ ہی اگر کوئی مخالف ٹیم کا کھلاڑی آؤٹ ہوتا تو خوشی سے نعرہ لگاتی۔ کچھ دیر تو نوفل اسے دیکھتا رہا پھر جا کر ٹی وی کا بٹن بند کر دیا تو ایک دم خاموشی چھا گئی۔

''آخر کب بڑی ہو گی تم؟ عجیب مضحکہ خیز حرکتیں ہیں تمہاری۔ اب ٹکر ٹکر میری شکل کیا دیکھ رہی ہو اٹھو اور ایک کپ چائے کا بنا کر دو مجھے اگر میں نے تمہارے آرام میں خلل نہ ڈالا ہو تو۔'' نوفل طنز کے تیر برساتا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔

کچھ دیر تو وہ یوں ہی غصے سے بیٹھی رہی پھر یاد آنے پر اس ہٹلر کے لیے چائے بنانے لگی۔

''دل تو چاہتا ہے چائے کی جگہ زہر دے دوں پتا نہیں خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ کہنے کو تو ڈاکٹر ہے مگر دل تو لگتا ہے فٹ ہی نہیں پتھر ہے ارے کوئی پوچھے ان سے ڈاکٹر تو مسیحا ہوتے ہیں پر یہ اف......''

وہ جلدی جلدی بڑبڑاتی ہوئی چائے نوفل کے کمرے میں لے آئی اور بغیر ناک کیے جو دروازہ کھولا تو سامنے نوفل بغیر شرٹ کے کھڑا تھا۔ اسے



دیکھ کر جلدی سے شرٹ پہنی۔
''تمہیں کچھ ایٹی کیٹس ہیں کہ دروازہ ناک کیا جاتا ہے پہلے۔''
''سوری وہ میں بھول گئی۔'' دھت تیری یہ کیا بول دیا اور جلدی سے چائے رکھ کر باہر آ گئی۔
جب کہ وہ گہری سانس لیتا چائے کا سپ لینے لگا جس میں چینی کے بجائے نمک موجود تھا۔
''کوئی کام بھی ٹھیک نہیں ہے، اس لڑکی کا۔'' وہ تاسف سے سوچتا ہوا اپنے لیے کافی بنانے چل دیا۔

☆......☆

وہ بہت چھوٹی سی تھی جب اس کے والدین کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا تو دادی نے اس کی پرورش کی، نوفل احمد جو اس کے چچا کا بیٹا تھا نہ جانے اسے قمر سے کیا پرخاش تھی جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی اسے عجیب سی چڑ تھی۔ جب بھی وہ چچا یا چچی کی گود میں جاتی وہ ضد کر کے اسے وہاں سے نکال دیتا لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ آہستہ آہستہ اپنی معصوم حرکتوں سے سب کا دل جیت لیا۔

☆......☆

اس وقت بھی پودوں میں پانی دے رہی تھی کہ سامنے سے آتے نوفل سے ٹکرا گئی۔ جو نک سک سے تیار کہیں جا رہا تھا لیکن اس سے ٹکرانے کی وجہ سے سارے کپڑے گیلے ہو گئے۔
''یا وحشت تم ایسی اوچھی حرکتیں کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو باہر نکل آؤ اپنی افسانوی زندگی سے۔'' وہ اسے ایک طرف دھکیل کر تن فن کرتا اپنے روم کی جانب بڑھ گیا جب کہ وہ پیچھے آنسو بہانے لگی۔
''ارے قمر بیٹی! کیوں رو رہی ہو ادھر آؤ میرے پاس۔''
''دادی! آپ کے لاڈلے نے ڈانٹا ہے مجھے کیا خبر تھی کہ وہ ہٹلر کا جانشین آ رہا ہے اور غلطی سے سارا پانی پودوں کے بجائے اس پر انڈیل دیا میں نے۔''
''تو بیٹا بیٹی اسے ضروری میٹنگ میں جانا تھا ابھی لیکن تمہاری وجہ سے اس کی میٹنگ میں تاخیر ہو گئی ہے۔''
''بس دادی اماں! آپ کو تو میری ہی غلطی نظر آئے گی یہ دیکھیں کتنی زور کا دھکا دیا ہے بازو پر چوٹ بھی لگ گئی۔''
''اچھا چل چھوڑ ادھر آ میرے پاس میں اپنی بیٹی کے دوا لگاتی ہوں۔'' جب کہ وہ چچا کو اس کی شکایت لگانے کا سوچنے لگی تا کہ وہ اس کی اچھی خبر لیں۔
جیسے ہی شام میں چچا آئے تو اس نے رو رو کر تمام واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا جس کے نتیجے میں جیسے ہی نوفل احمد گھر آیا اسے فوراً قمر سے معافی مانگنی پڑی۔ جب کہ وہ مزید معصوم بنی فوراً دادی کے پاس چلی گئی۔
''دادی اماں! آپ کی وجہ سے میں انہیں معاف کر رہی ہوں، ورنہ تو یہ جتنا مجھے تنگ کرتے ہیں میں ان کو دیکھوں بھی ناں۔''
جب کہ چچا جان نے مسکراتے ہوئے گلے لگا لیا۔

☆......☆

نوفل احمد اس وقت چائے پی رہا تھا کہ اس کا دروازہ ناک ہوا۔
''یس کم ہیئر۔'' سامنے خالدہ بیگم کھڑی تھیں۔
''ارے امی! آپ کو میرے کمرے میں آنے کی اجازت کی ضرورت کیوں پڑی مجھے بلا لیا ہوتا۔'' وہ ماں سے عقیدت بھرے لہجے میں بولا۔
''بس میرا دل چاہ رہا تھا اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ورنہ تم تو اب ٹائم ہی نہیں دیتے ہمیں۔ تمہارے ابو بھی کل شکایت کر رہے تھے۔'' وہ قدرے خفا خفا سی بولیں۔
''سوری امی! میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ سب کے لیے وقت نکال سکوں۔''

''اچھا بیٹا! ذرا قمر کو میتھ کے سوال سمجھا دو، کافی پریشان لگ رہی ہے کل اس کا ٹیسٹ ہے۔''

''او کے امی بھیج دیں میں سمجھا دوں گا۔'' نوفل نے کافی اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تقریباً پانچ منٹ بعد قمر صاحبہ اپنی بکس اٹھائے مرے مرے قدموں سے آئی تو وہ جو بیڈ پر آرام سے لیٹا ہوا تھا گہری سانس لیتا اٹھ بیٹھا۔

''کون سی ایکسا سائز سمجھنی ہے تم نے؟''

اگر یہی تم پڑھنے میں دھیان دو تب ناں لاؤ ادھر دو اپنی بک۔'' کچھ دیر نوفل اس کی بک دیکھتا رہا پھر اہم پوائنٹس اسے نوٹ کروانے کے بعد تقریباً آدھے گھنٹے میں پوری سمجھا دی جسے قمر نے نہایت دل جمعی سے سمجھا۔

''او کے اب تم اٹھاؤ اپنی بکس اور جاؤ میں آرام کرنا چاہتا ہوں اب۔''

''تھینک یو۔'' وہ آہستگی سے بولتی اس کے کمرے سے نکل آئی۔

☆......☆

پچھلے کچھ دن سے جو گرمی تھی آج بارش نے تمام گرمی کو ختم کر دیا تھا۔ اتنے خوب صورت موسم کو دیکھ کر قمر انجوائے کرنے فوراً باہر آ گئی۔

''ارے لڑکی باولی ہو گئی ہے کیا بس کر دے بیمار پڑ جائے گی۔'' دادی اماں اس کو کتنی دیر سے منع کر رہی تھیں مگر وہ کان بند کیے بس اپنی ہی مستی میں گم تھی۔ اسے احساس ہی نہیں ہو سکا کہ چھت پر کوئی کھڑا اس کے ہوشربا جسم پر نظر ڈالے ہوئے ہے لیکن برا ہو نوفل کا جو اس وقت وہاں آ گیا۔

''قمر! اندر دفع ہو جاؤ۔'' اس کی دھاڑ پورے گھر میں گونجی تو چچی اور دادی اماں فوراً آئیں۔

''کیا ہوا نوفل! ہر وقت ڈانٹتے رہتے ہو بچی کو۔'' دادی اماں خفا خفا سی بولیں۔

''دادی جان! اس لڑکی کو گرد و پیش کا بھی جائزہ لے لینا چاہیے لیکن اس میں عقل ہو تب ناں۔''

نوفل کی بات سمجھتے ہوئے چچی نے بھی فوراً چھت کی طرف دیکھا جہاں وہ لڑکا اب بھی ڈھٹائی سے دیکھنے میں مصروف تھا۔

چچی کی بے تحاشا ڈانٹ سے گھبرا کر وہ پیر پٹختی اپنے روم میں چلی گئی اور نوفل کو دل ہی دل میں گالیوں سے نوازنے لگی پھر جب غصہ ختم ہوا اور اس نے ٹھنڈے دل سے سوچا تو اسے اپنی ہی غلطی محسوس ہوئی کہ اسے ہی اپنی کنڈیشن کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ کپڑے بدل کر اور بالوں کو سلجھانے کے بعد وہ چچی کے پاس چلی آئی۔

''سوری چچی پلیز! بات کریں ناں مجھ سے۔''

''دیکھو قمر! اب تم بچی نہیں رہیں بڑی ہو گئی ہو۔ کل کو تمہاری شادی بھی کرنی ہے تو تم کیوں چاہتی ہو کہ تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے ہمیں شرمندگی اٹھانی پڑے۔''

''چچی میں پورا خیال رکھوں گی اور آپ سے کس نے کہا کہ میں آپ کو چھوڑ کر جاؤں گی مجھے بس آپ کی خدمت کرنی ہے۔''

''پوری پاگل ہے تو۔'' وہ اس کی معصومیت پر مسکرانے لگیں جو دل کی بہت صاف تھی۔ اپنی غلطی پر نا صرف نادم ہوتی بلکہ معافی بھی مانگ لیتی۔

☆......☆

کبھی کبھی دل بے وجہ ہی اداس ہوتا ہے جس کی وجہ سے کائنات کے سارے رنگ پھیکے محسوس ہونے لگتے ہیں اس وقت بھی وہ اداس اداس بیٹھی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ بہت سا روئے پتا نہیں اللہ نے اس سے والدین کیوں چھین لیے وہ آج خدا کے سامنے شکوہ کناں تھی۔ ابھی نہ جانے وہ اور کتنی دیر یوں ہی بے معنی سوچوں میں گم رہتی کہ چچی کے رونے کی آواز نے اسے بوکھلا دیا۔

سامنے کا منظر واقعی ہولناک تھا۔ دادی جان بے

ہوش تھیں۔ قمر نے خود کو سنبھالتے ہوئے جلدی جلدی نوفل کا نمبر ملایا۔
''پلیز نوفل بھائی! جلدی آئیں گھر دادو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' نوفل نے آدھے گھنٹے کا رستہ دس منٹ میں طے کیا اور دادی کو چیک کرنے کے بعد ضروری ٹریٹمنٹ دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ ہوش میں آچکی تھیں اور اس عرصے میں قمر نے رو رو کر اپنی جان آدھی کر لی تھی۔
''ارے قمر! اب بس بھی کرو اب تمہاری دادی بالکل ٹھیک ہے۔''
''دادی! آپ کو کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا۔'' جب کہ چچی جان نے اسے گلے لگا لیا جانتی تھیں کہ وہ دادی سے بے تحاشا پیار کرتی ہے۔
''اچھا جاؤ تم اب آرام کرو۔ دادی کو بھی آرام کرنے دو۔'' سب ایک ایک کر کے ان کے کمرے سے باہر جانے لگے تو دادی نے نوفل کا ہاتھ تھام لیا۔
''مجھے ضروری بات کرنی ہے تم سے۔''
''جی دادی! آپ بولیں کیا بات ہے؟''
''دیکھو بیٹا! میں تم سے کچھ مانگنا چاہتی ہوں اس امید کے ساتھ کہ تم انکار نہیں کرو گے۔''
''ارے دادی اماں! آپ کا حکم سر آنکھوں پر میں کیوں انکار کروں گا۔'' پھر دادی نے اس سے جو خواہش ظاہر کی وہ اسے ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھا لیکن پھر بھی مجبوراً اسے ماننا پڑا۔
☆......☆
یہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا کہ وہ قمر کو اپنی زندگی میں شامل کرے وہ شروع سے ہی حسن پرست واقع ہوا تھا۔ ہر اچھی چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا کجا کہ سیانولی سلونی سی قمر جس سے اسے حد سے زیادہ چڑ تھی لیکن دادی کو اب انکار نہیں کر سکتا تھا۔
قمر کو تو لگتا تھا گویا ہفت اقلیم ہاتھ لگ گیا ہو وہ تو نوفل کو کب سے ہی دل میں بسائے ہوئے تھی اور آج قدرت نے سب سے بڑی خوشی بن مانگے ہی جھولی میں ڈال دی تھی تو وہ کیوں کفران نعمت کرتی۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہ خوشی سے بھنگڑے ڈالے۔ دل میں عجیب سرمستی چھائی تھی گویا کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ نوفل دل میں کیا چھپائے بیٹھا ہے وہ تو اس کے سامنے جانے سے ہی اجتناب برتتی کہ کہیں اس کے چہرے پر پھیلے رنگ اس کی خوشی کا پتا نہ دے دیں۔
چٹ منگنی پٹ بیاہ والا ہی معاملہ ہوا تھا۔ ٹھیک ایک مہینے کے اندر اندر ان کی شادی طے پائی تھی اور اس وقت دلہن کے روپ میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ چہرے پر محبت کو پانے کا نکھار اور اس کے چہرے کے نقوش اتنے خوب صورت تھے کہ لگتا تھا گویا پری آسمان سے اتر آئی ہو۔ آنکھیں بند کیے وہ نوفل کا انتظار کر رہی تھی کہ دروازے پر ہوتی چرچراہٹ نے اسے سیدھے ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ کچھ دیر تو نوفل اسے نفرت سے گھورتا رہا پھر تن فن کرتا اس کے سر پر پہنچ گیا اور جب بولا تو گویا زبان سے انگارے برس رہے ہوں۔
''اگر تم یہ سوچ کر یہاں آئی ہو کہ میں تمہارے حسن کا خراج تمہیں دوں گا تو سن لو مجھے تم سے اتنی نفرت ہے کہ میں تمہیں ہاتھ لگانا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں ارے میں تو لباس بھی وہ پسند کرتا ہوں جو مجھ پر جچ جائے تو اس کی قیمت بڑھ جائے لیکن تم، تم میرے ساتھ تو کیا کسی کے ساتھ بھی سوٹ نہیں کرو گی۔ پتا نہیں کس نے تمہارا نام قمر رکھ دیا۔ مطلب چاند اور تم چاند جیسی بھی ہو۔'' وہ ہنستا ہی چلا گیا۔ پھر ہنسی تھمی تو قہر بھری نظر ڈالنے کے بعد اس کی کلائی اتنی زور سے پکڑی کہ کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ گئیں اور اس کی کلائی سے خون بہنا شروع ہو گیا۔
''پلیز چھوڑیں میرا ہاتھ مجھے درد ہو رہا ہے بہت زیادہ۔''

''بس اتنا معمولی درد برداشت نہیں کرسکیں ابھی تو تمہیں ساری زندگی اس آگ میں جلنا ہے۔'' وہ درشت لہجے میں کہتا اس کا ہاتھ چھوڑ کر واش روم میں بند ہوگیا۔ جب کہ وہ اسٹڈی روم میں ساری رات آنسو بہاتی رہی۔

☆......☆

رات جتنی بھیانک تھی دن کے اجالے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس وقت تمام کزنز کے درمیان خوشی کی ایکٹنگ کرنا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا لیکن اپنی ذات کا بھرم بھی تو رکھنا تھا جو کہ مشکل ضرور تھا لیکن ناممکن ہرگز نہیں تھا۔

''لگتا ہے نوفل بھائی نے رات بھر سونے نہیں دیا۔ اسی لیے تو قمر کی آنکھیں سرخ ہورہی ہیں۔'' سارہ جو کہ قمر کی دوست تھی اچانک بولی۔

جب کہ وہ پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اپنے آنسو اندر پینے لگی۔

''قمر! نوفل بھائی نے منہ دکھائی میں کیا دیا ہے ذرا دکھاؤ تو۔''

''کیوں دکھاؤں کچھ چیزیں نہیں بھی دکھانے کی ہوتیں۔'' جب کہ اس کے بولنے پر گویا تمام محفل میں معنی خیز سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔

''ارے نوفل بھائی آپ سے ذرا بھی انتظار نہیں ہوا ابھی تو ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا اور آپ دوبارہ کمرے میں آگئے۔''

''بس دل ہی نہیں لگتا ہمارا اپنی دلہن کو دیکھے بغیر جادو کردیا ہے تمہاری دوست نے۔'' جب کہ قمر اس کے دوغلے پن پر حیران رہ گئی۔

''ارے لڑکیوں اب بس بھی کرو اٹھو کوئی کام کرو، شام کو ولیمے کی تقریب بھی ہے لیکن تم لوگوں کی باتیں ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔'' دادی اماں نے سب کو فناٹ اٹھایا۔

ولیمے کی تقریب میں شاکنگ پنک شرارے میں اپنے سوگوار حسن کے ساتھ ایک عجیب سی کشش تھی جو دوسروں کو ضرور اپنی جانب کھینچتی تھی۔ نوفل کی نظریں بار بار اس کا طواف کرتی تھیں لیکن وہ سر جھٹکتا وہاں سے اٹھ گیا۔

اپنے کمرے میں لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ اسٹڈی روم میں جانے لگی تو نوفل اس کے رستے میں حائل ہوگیا۔ جب کہ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ چوڑیاں بھی اتار دو کل بھی ساری رات ان کی چھن چھن کے شور نے مجھے سونے نہیں دیا۔'' جب کہ وہ خاموشی سے چوڑیاں اتارنے لگی۔

''ابو نے ہمارے ہنی مون کے لیے ٹکٹ بک کروا دی ہیں۔ شمالی علاقہ جات کے لیے میں نے تو بہت منع کیا لیکن وہ نہیں مانے تم اپنا سامان پیک کرلو ہمیں کل صبح تک نکلنا ہے۔''

''لیکن مجھے آپ کے ساتھ بالکل بھی نہیں جانا۔''

''میں تم سے پوچھ نہیں رہا اور مجھے بھی کوئی تمہاری ہمراہی میں جانے کا شوق نہیں ہے دادی کی خواہش ہے اس لیے۔''

''تو میں منع کردیتی ہوں دادی کو۔''

''لیکن میں دادی کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے جو کہا ہے صرف وہی کرو۔ مجھے انکار سننے کی عادت نہیں۔'' دل تو چاہ رہا تھا کہ وہ تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر اس کا دماغ ٹھکانے لگائے لیکن ہمیشہ وہی نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں، کبھی کبھی ہمیں دوسروں کے لیے بھی جینا پڑتا ہے، کیوں کہ اصل زندگی یہی ہے اور وہ بھی یہی کررہی تھی کیوں کہ وہ چچا کا سر جھکا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

☆......☆

''نوفل! میری بچی کا خیال رکھنا مجھے کوئی شکایت نہ ملے تمہاری۔'' امی نے نوفل کو بارہا یاد دلایا تو وہ جھنجھلا گیا۔

''ایسا کریں آپ اس بچی کو اپنے پاس ہی رکھ لیں۔''
''نوفل تمیز سے بات کرو کیا ہوگیا ہے تمہیں۔''
''سوری امی! وہ بس ایسے ہی۔''
''اچھا جاؤ تم سارا سامان گاڑی میں رکھ دیا ہے۔''
''قمر بیٹی! ذرا لاڈ پیار میں بگڑ گیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اسے سنوار لوں گی اب جاؤ دیر ہو رہی ہے۔'' جب کہ وہ سب سے ملتی گاڑی میں آبیٹھی۔
''مزید اور ہمدردیاں سمیٹنی رہ گئی تھیں وہ بھی سمیٹ لیتیں۔''
''میں صرف ملنے گئی تھی۔'' وہ تلخی سے بولی۔
اسلام آباد سے مری پہنچنے تک وہ بے حد تھک چکی تھی۔ ہوٹل بک کروانے کے بعد اس نے سوٹ کیس سے اپنا لباس نکالا اور فریش ہوگئی کہ اتنی دیر میں ویٹر کھانے کا آرڈر لینے آگیا۔ مزیدار کھانا کھانے کے بعد جو وہ سوئی تو نوفل کے اٹھانے پر اٹھی۔
''دروازہ بند کرلو میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو مجھے۔''
''صرف آپ کی ضرورت ہے۔'' وہ دل میں ہی کہہ سکی اور نفی میں گردن ہلا دی۔
نوفل کے جانے کے بعد کچھ دیر تو یوں ہی بے کار کی سوچوں میں وقت برباد کیا پھر بادلوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنی تو باہر ٹیرس پر آگئی اور ابر رحمت کا لطف لینے لگی۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی بارش کی دیوانی تھی اور اس وقت بھی دل میں لگی آگ کو پانی کی بوندوں سے بجھانے کی ناکام کوشش کرنے لگی لیکن بارش ختم ہونے کے بجائے مزید بڑھتی ہی جا رہی تھی کہ نوفل کی آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کردیا۔
''تم یہاں فضول شغل فرما رہی ہو اور میں وہاں پریشان ہو رہا ہوں۔'' نوفل نے اس کا رخ اپنی جانب موڑا تو وہ جو بارش میں بھیگنے کے بعد مزید قیامت ڈھا رہی تھی۔ نوفل خود پر قابو نہ رکھ سکا اور اسے بازوؤں کے گھیرے میں بیڈروم میں لے آیا۔ جب کہ قمر تو سانس تک لینا بھول گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی مزاحمت کرتی وہ اس کی قربت میں بہکتا ہی چلا گیا۔

☆......☆

صبح وہ بری طرح بخار میں پھنک رہی تھی جب کہ نوفل خود سے نظریں چرائے ہوئے تھا کہ وہ کیسے کمزور لمحے کی گرفت میں آکر اپنا آپ اس پر ہار بیٹھا۔
''یہ سوپ پی لو اور میڈیسن لے لو۔''
''پلیز مجھے دادی کے پاس لے چلیں۔'' قمر نے کرب سے کہا۔
''او کے ابھی تھوڑی دیر تک چلتے ہیں تم کچھ کھا تو لو۔'' تمام رستے وہ نقاہت کے مارے سوئے رہی اور نوفل نے بھی اسے تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔
''نوفل! تو نے دو ہی دن میں بچی کا کیا حال کردیا ہے ہم نے اس لیے تیرے ساتھ قمر کو بھیجا تھا۔''
''دادی جان! آپ کی لاڈلی کل بارش میں بھیگتی رہی ہے اس لیے اس حال تک پہنچی ہے۔'' نوفل نے خود کو صاف بچایا۔
''چچی جان! میں آرام کرنا چاہتی ہوں پلیز آپ مجھے روم تک لے چلیں۔''
''صدقے اپنی بچی کے چل آ میرے ساتھ تو یہاں آرام کر میں ذرا تیرے لیے دلیہ تیار کرتی ہوں۔''

☆......☆

''یہ ہماری نئی کولیگ ہے ڈاکٹر صبا میر۔'' ڈاکٹر اطہر نے نوفل کا تعارف کروایا۔
''ہیلو آئی ایم ڈاکٹر صبا میر! بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''
نوفل نے بغور ڈاکٹر صبا میر کی جانب دیکھا جو خوب صورتی میں یکتا تھی۔ لگتا تھا خدا نے بڑی

فرصت سے اسے تخلیق کیا تھا۔ اسی وقت اس کی نگاہوں میں قمر کا چہرہ سامنے آیا تو تلخی سے اس نے سر جھٹکا۔

''او کے میں چلتی ہوں مجھے آپریشن کی تیاری کرنی ہے پھر ملیں گے۔''

''شیور ضرور ملیں گے۔''

''واپس آ جا چلی گئی ہے۔'' وہ ڈاکٹر اطہر نے چٹکی بجائی۔

''اطہر بہت ہی ایڈیٹ ہے تو۔''

''وہ تو میں ہوں کوئی اور تعریف کرنی رہتی ہو تو......'' نوفل نے اسے گھورا پھر دونوں ہنستے ہوئے اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔

☆......☆

گھر آیا تو سامنے قمر کا چہرہ دیکھ کر سارے موڈ کا ستیاناس ہو گیا جس کا غصہ اس نے چیزوں کو اِدھر اُدھر پھینک کر نکالا۔

''نوفل! کوئی چیز چاہیے آپ کو تو مجھے بتایئے میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔'' قمر نے دہل کر پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں چاہیے مجھے تم اپنی منحوس شکل یہاں سے لے کر دفع ہو جاؤ تو بہتر ہے۔''

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں بات بات پر بے عزتی کرتے ہیں۔ میں بھی آخر انسان ہوں کہاں تک برداشت کروں اور کیوں؟''

''تمہیں کس نے کہا ہے برداشت کرنے کے لیے مت کرو۔''

''نوفل پلیز! ایسا مت کریں۔'' قمر نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

''اچھا تم کہتی ہو ناں تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو، میرے لیے ہر طرح کی قربانی دے سکتی ہو تو پھر بولو اگر میں تم سے ایک کام کہوں تو تم مانو گی۔''

''نوفل آپ کہہ کر تو دیکھیں میں آپ کا مان نہیں توڑوں گی۔''

''پھر سنو مجھے ایک لڑکی پسند آ گئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم سب گھر والوں سے بات کرو۔''

''نوفل! آپ کیا کہہ رہے ہیں آپ جھوٹ بول رہے ہیں ناں۔'' وہ بے یقین تھی۔

''اچھی طرح سوچ لو میں تمہاری مرضی کے بغیر بھی یہ سب کر سکتا ہوں لیکن میں دادی کا مان نہیں توڑنا چاہتا اور تم فکر نہیں کرو میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ اپنی کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا جب کہ وہ اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگی وہ تو ابھی تک ان لمحوں میں جی رہی تھی جب نوفل نے اسے اپنا آپ سونپا تھا۔

وہ روئی بھی اور پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

''کاش تم مجھ سے میری جان مانگتے تو میں بغیر کسی انکار کے تمہاری ہتھیلی پر رکھ دیتی لیکن تم تو مجھے ایسی زندگی دینا چاہتے ہو جس میں پل پل مجھے مرنا ہے۔''

☆......☆

ڈاکٹر نوفل اور ڈاکٹر صبا میر کی ملاقاتوں کا سلسلہ بتدریج بڑھتا ہی جا رہا تھا لیکن نوفل احمد ابھی تک اس سے محبت کا اظہار نہیں کر سکا تھا۔ وہ جتنی شدت سے اس سے محبت کرتا تھا صبا میر کی دیوانگی نہ ہونے کے برابر تھی اور یہی بات اسے ڈسٹرب کرتی تھی۔

اس وقت بھی وہ لوگ ایک مشہور ریسٹورنٹ میں کھانا کھا رہے تھے تو نوفل نے صبا کو مخاطب کیا۔

''صبا! مجھے ایک ضروری بات کرنی ہے تم سے۔''

''ہاں بولو کیا بات کرنی ہے؟''

''صبا ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں اور ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اگر تم بھی اجازت دو تو۔'' وہ ابھی مزید بات جاری رکھتا کہ ایک سوٹڈ بوٹڈ مرد صبا میر کے پاس بے تکلفی سے آیا۔

''صبا! تم یہاں ہو اور میں تمہیں پچھلے ایک گھنٹے

سے کال کر رہا ہوں۔ یہاں اچانک میری نظر تم پر پڑی تو چلا آیا اور اب اٹھو پہلے ہی کافی ٹائم ویسٹ ہو چکا ہے تمہارے چکر میں۔''

''اپنی زبان کو بریک لگاؤ اور ان سے ملو یہ میرے بہت اچھے دوست ہیں ڈاکٹر نوفل احمد بتایا تھا ناں تمہیں۔'' نوفل نے ہاتھ ملایا۔

''مجھے چلنا ہوگا نوفل! کیوں کہ مجھے اور دانش کو کارڈ فائنل کرنے ہیں۔''

''کیسے کارڈ صبا؟'' نوفل نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے صبا! تم نے بتایا نہیں بہت ہی بھلکڑ ہو خیر ہماری ایک ہفتے بعد شادی ہونے والی ہے اور ظاہر ہے صبا تمہیں بھی انوائیٹ کرے گی آخر کو دوست جو ہو۔'' جب کہ وہ غائب دماغی سے سب سن رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ ہر کوئی اس پر ہنس رہا ہے حتیٰ کہ در و دیوار بھی۔

☆......☆

کبھی کبھی بغیر ٹھکرائے یا رد کیے بھی اتنا درد نہیں ہوتا جتنا اس وقت وہ درد سہہ رہا تھا۔ ابھی تو اس نے محبت کی منزل کو پایا بھی نہیں تھا یا پھر جس منزل کو پانے کے لیے اس نے مسافت طے کی تھی وہ منزل ہی اس کی نہیں تھی اور جو تھی اس کو جانتے ہوئے بھی بے خبر تھا۔ قمر جو کافی دیر سے نوفل کو پریشان دیکھ رہی تھی اس کے پاس چلی آئی۔

''نوفل! آپ کچھ پریشان ہیں؟'' نوفل نے پل بھر کے لیے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر بولا تو صرف اتنا ''میری طبیعت خراب ہے پلیز میرا سر دبا دو۔'' جب کہ قمر تو اس کے اتنا بولنے پر حیران رہ گئی اور خاموشی سے اس کا سر دبانے لگی۔ اس کے ہاتھوں کے لمس کا اثر تھا کہ وہ گہری نیند سو گیا۔ جب کہ وہ آہستگی سے دروازہ بند کرتی دادی کے پاس چلی آئی۔

''نوفل آ گیا کیا گھر؟''

''جی دادی! وہ سو رہے ہیں سر میں درد ہے شاید۔''

''میری بچی خیال رکھا کرو اس کا۔''

''جی! دادی اماں آپ سے ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں پوچھو بیٹا! اس میں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔''

''دادی! جو لوگ خوب صورت نہیں ہوتے کیا ان کو جینے کا کوئی حق نہیں ہوتا؟''

''ایسا کیوں بول رہی ہو کیا نوفل نے کچھ کہا ہے۔''

''دادی! وہ کیا بولیں گے وہ تو میرا بہت خیال رکھتے ہیں مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔'' قمر نے اپنے آنسو پیتے ہوئے کہا جب کہ دادی اس کے جھوٹ پر گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

☆......☆

وہ نہا کر نکلی تو پھر بالوں کو ایسے ہی کھلا چھوڑ دیا جس میں سے ٹپ ٹپ پانی گر رہا تھا۔ بلیک اور پنک رنگ کے کمبینیشن میں اپنے سوگوار حسن کے ساتھ وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ نوفل جو ابھی سو کر اٹھا تھا تو ایک پل کے لیے ٹھٹھک گیا۔ آج سے پہلے اس نے کبھی اس پر اتنی توجہ نہیں دی تھی۔ بے شک وہ کوئی اتنی خوب صورت نہیں تھی لیکن اس کے نقوش میں ایسی کشش ضرور تھی جو دیکھنے والے کو اپنی جانب ضرور کھینچتے تھے۔ اس کی نگاہوں کی تپش تھی کہ اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تو نوفل کو کھڑے پایا تو جلدی سے اپنے دوپٹے کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں تو نوفل نے اس کا دوپٹہ اس کے شانوں پر پھیلا دیا جب کہ وہ مزید کنفیوژ ہوگئی۔

''کچھ چاہیے آپ کو کیا؟''

''ہاں ایک کپ چائے کا بنا دو میں ذرا امی کے پاس جا رہا ہوں۔''

''اب کیسی طبیعت ہے میرے بچے کی؟''

''ٹھیک ہوں میں آپ تو بس ایسے ہی پریشان ہو جاتی ہیں۔''

''ہاں ہوں ناں اس لیے جب تم خود باپ بنو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اولاد والدین کے لیے کیا ہوتی ہے۔'' جب کہ وہ مسکرا دیا۔

''یہ چائے پی لیں۔'' قمر نے نوفل کو چائے پکڑائی اور وہ نہ جانے کس خیال میں تھا کہ کپ پکڑنے کے بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسی گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا اور گرم گرم چائے قمر کے پاؤں پر گر گئی اور درد کی شدت برداشت کرنے کے باوجود بھی آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔

''نوفل! کہاں دھیان تھا تمہارا رکو میں برنال لے کر آتی ہوں تم قمر کو کمرے میں لے چلو۔'' قمر نے اٹھنے کی بہ مشکل کوشش کی لیکن دو قدم چلنے پر ہی لڑکھڑا گئی۔ تو نوفل نے اسے بانہوں میں بھر کر بیڈ پر لٹا دیا اور قمر کی تو گویا سانس ہی اٹک گئی کہ اتنی دیر میں امی برنال لے آئیں۔

''لائیں امی مجھے دیں میں لگا دیتا ہوں۔'' وہ آہستگی سے اس کے پیروں میں برنال لگانے لگا اور قمر کو لگا کہ جو کچھ دیر پہلے جلن ہو رہی تھی اس کے لمس نے سارا درد ختم کر دیا ہو۔

☆......☆

وہ کچھ دنوں سے اپنی طبیعت گری گری محسوس کر رہی تھی۔ کچھ کھانے کا دل ہی نہیں چاہتا اور جو کھاتی وہ قے کے ذریعے نکل آتا۔ اس وقت بھی قے کرنے کے بعد دل عجیب سا ہو رہا تھا اور چچی جان نے لیڈی ڈاکٹر کو اس کا چیک اپ کروایا پھر اس کے بعد جو اس پر انکشاف ہوا وہ خود بھی حیران رہ گئی۔

گھر آ کر بھی وہ عجیب سی سوچوں میں گھری رہی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ خوش بھی ہو یا نہیں کیوں کہ نوفل اور اس کے مابین جو تعلق تھا اس میں اس بچے کا آنا ان کے رشتے کو مضبوط کرتا بھی یا پھر نوفل......اس سے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

نوفل سب سے ملنے کے بعد جب قمر کے پاس آیا تو اسے اداس دیکھ کر مسکرا دیا پھر آہستہ سے چلتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔

''ادھر آؤ قمر! میرے پاس۔'' وہ اٹھ کر جانے لگی تو اس کی کلائی پکڑ لی۔

''مبارک نہیں دو گی مجھے باپ بننے کی خوشی میں۔'' قمر کو لگا اسے سننے میں شاید غلطی ہو گئی ہو۔

''ویسے تو بہت لڑتی ہو اب کیا ہوا بولتی بند ہو گئی۔'' نوفل نے آنکھ دبائی تو وہ شرم سے سرخ پڑ گئی۔

''مجھے نہیں بات کرنی آپ سے پلیز جائیں آپ یہاں سے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''معاف نہیں کرو گی مجھے؟''

''آپ اس لیے ایسا کر رہے ہیں کیوں کہ......''

''ہاں یہ بات بھی ہے لیکن مجھے احساس ہو گیا ہے کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ صورت سے زیادہ سیرت اہم ہوتی ہے اور تمہارے خلوص، وفاداری نے ثابت کر دیا ہے۔''

''وہ جو آپ دوسری شادی کا بول رہے تھے وہ کیا ہے پھر۔''

''ارے ایک تو سنبھالی جا نہیں رہی اور محترمہ دوسری کا کہہ رہی ہیں۔'' نوفل نے قمر کو قریب کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب آپ زیادہ فری نہ ہوں۔''

''میں کب فری ہو رہا ہوں۔'' اس کی شوخیاں عروج پر تھیں۔ آخر کار کوئی جائے پناہ نہ پا کر وہ نوفل کے سینے میں سما گئی کہ اب اس کی خوشیاں لوٹ آئی تھیں۔

جب کہ نوفل سوچ رہا تھا کہ خدا نے نہ صرف اسے غلطی سے بچا لیا تھا بلکہ اس کی اوقات سے بڑھ کر اسے نواز دیا تھا۔

☆......☆......

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 21

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

(نوٹ: شازیہ مصطفیٰ کے ناول کی گزشتہ قسط میں کچھ صفحات شامل اشاعت ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس لیے موجودہ قسط میں وہ صفحات شامل اشاعت کیے جا رہے ہیں تا کہ ناول کا تسلسل برقرار رہے)



جانے کیسے دن تمام ہوا تھا۔ اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔ صبح سے اس نے کچھ کھایا پیا تک نہیں تھا یار لر جاتے وقت بھی رفعت نے زبردستی دودھ کا گلاس دیا تھا جو وہ منہ بنائے جا رہی تھی، اب وہ تیار ہونے آگئی تھی۔ ریڈ روز گولڈن کنٹراسٹ کے اسٹائلش لہنگے میں طلائی جیولری اور میک اپ میں وہ بہت حسین ترین لگ رہی تھی۔ جب سے اس نے ڈیٹ لوز کیا تھا وہ زیادہ دلکش ہوگئی تھی۔

''مما! میری طبیعت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے۔'' اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ شہریار کا سوچ سوچ کے اسے الجھن اور چڑ، چڑاہٹ ہو رہی تھی۔

''تم نے کچھ کھایا پیا جو نہیں ہے؟'' وہ اپنی خوب صورت سجی سنوری بیٹی کو دیکھ کر خوش بھی ہو رہی تھیں اور اداس بھی تھیں وہ آج ہمیشہ کے لیے رخصت ہو کے چلی جائے گی۔

وہ لوگ میرج لان آگئے تھے سعدیہ اور فراج کا ولیمہ تھا، سعدیہ بھی دلہن بنی بیٹھی تھی مگر اسے ایسا لگ رہا تھا اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہو۔ نسرین تو مہمانوں سے ملنے ملانے میں لگی تھیں وہ اسٹیج پر تنہا ہی بیٹھی تھی۔ فراج



تھوڑی تھوڑی دیر میں اس کے پاس آجاتا تھا دو اسٹیج بنائے گئے تھے حسنیٰ الگ اسٹیج پر تھی۔ سب ہی بارات کے انتظار میں تھے اتنے میں شور ہو گیا تھا۔ بارات آ گئی ہے۔ سعدیہ کے گھر والے بھی آ گئے تھے۔ سعدیہ کچھ مسکرائی بھی تھی۔

حسنیٰ کے اسٹیج پر تو ایک رش لگ گیا تھا۔ حباب اپنے ولیمے کے فان اور سی گرین کنٹراسٹ کے لہنگے میں تیار بہت پیاری لگ رہی تھی، بالکل دلہن کی طرح ہی تیار ہوئی تھی۔ اکرام ماموں کے اشعر، یاسر اور روبا بھی اپنے اپنے موبائلز سے تصویریں بنا رہے تھے۔ شہریار شیروانی اور کلاہ میں اونچا لمبا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ پوری جگہ گھیر کے بیٹھا ہوا تھا۔ حسنیٰ بالکل دب کے رہ گئی تھی۔ کیوں کہ ایک سائیڈ پر بینا جو بیٹھی تھیں، صوفہ دو بندوں کا تھا مگر وہ زبردستی جگہ بنا کے بیٹھی ہوئی تھیں۔

''امی! آپ تو اٹھ جائیں حسنیٰ آنٹی بالکل دب گئی ہیں۔'' ارومہ نے حسنیٰ کے ایکسپریشن دیکھ لیے تھے۔

''ارے موٹے لوگ بیٹھے ہیں، میری بہن دب رہی ہے۔'' شہریار کو تو موقع ملنا تھا۔ حسنیٰ کو بتانے کا اور وہ آج کے دن کا بھی ذرا لحاظ نہیں کر رہا تھا۔

حباب نے اس کے بازو پر ہاتھ مار کے چپ رہنے کو کہا۔

مووی تصویریں بن رہی تھیں۔ حسین بیگم اپنی طلائی جیولری پہنے سب میں اتراتی پھر رہی تھیں۔

''شہریار ماموں! نانی اماں کو دیکھا آپ نے ساری سونے کی جیولری پہنے ہوئے ہیں اور حالات کا بھی پتا ہے انہیں۔'' ارومہ تو انہیں کئی مرتبہ ٹوک چکی تھی۔

''چپ کر جاؤ۔'' اس نے اشارے سے کہا۔

حسنیٰ کا بیٹھے بیٹھے برا حال تھا۔ نسرین نے اور رفعت نے سلامی میں شہریار کو انگوٹھی گھڑی دی تھی مگر رفعت نے کیش بھی دیا تھا۔ حسین بیگم کی تو آنکھیں چمک گئی تھیں۔ جھٹ سے پیسے شہریار سے لے لیے حالانکہ اسے ان کی یہ حرکت غیر مناسب لگی تھی اتنے لوگ وہاں جمع تھے کیا سوچتے ہوں گے اتنے میں سعدیہ اور فراج بھی چلے آئے تھے۔ ان کے ساتھ بھی مووی اور تصویریں بنی تھیں۔

حسنیٰ کو یہ لمحات نہایت اذیت ناک لگ رہے تھے۔ کمر درد سے پھٹی جا رہی تھی۔ سر میں الگ درد ہو رہا تھا۔ دل کر رہا تھا وہ ہاتھ پیر پھیلا کے سکون سے لیٹ کے سو جائے مگر شہریار کی کہنی مسلسل دائیں پسلی میں گھسی ہوئی تھی۔ وہ جتنا پیچھے ہوتی وہ اتنا ہی قریب ہو جاتا۔

''یہ نخرے فضول کے ہیں جب کہ تم مجھے جانتی ہو میں ذرا خیال نہیں کروں گا۔'' لہجہ معنی خیز بنا کے ذرا سرگوشی میں بولا۔

ارومہ نے تو شور مچا دیا حباب نے بھی معنی خیزی سے چھیڑا۔

''ابھی سے کیا باتیں ہو رہی ہیں۔''

''تم چپ کرو ہماری اپنی بات تھی۔'' شہریار جھینپ تو گیا تھا مگر مسکرا کے بات بنا دی۔

''تمہاری ساس نہیں آئیں ابھی تک۔'' بینا نے اس سے پوچھا۔

''امی آئی ہیں آپ جا کے مل لیں۔'' اس نے سامنے اشارہ کیا۔

حباب کے سسرال میں بھی خوشیوں کے دن ہی آ گئے تھے اس نے سب کو ہی بتا دیا اس کے سسر واپس آ گئے ہیں۔

حباب بھی ان کے پیچھے چلی گئی تھی۔ بارہ بجے سے پہلے ہی لان کو خالی کرنے کا الارم بج چکا تھا حسین بیگم نے اور اکرام نے ہی کہا کہ رخصتی جلدی کریں۔

☆......☆

کئی گھنٹوں سے وہ باہر نکلا ہوا تھا۔ خوشنما کو فکر بھی ہو رہی تھی۔ اس سے کھانا بھی تو نہیں کھایا گیا تھا۔ جانے کیوں دل کی دنیا ہی عجیب ہو رہی تھی۔ بیشم خاصے ناراض موڈ میں یہاں سے نکلا تھا۔ اس کے سیل پر بھی ٹرائی کر چکی تھی مگر آف جا رہا تھا۔ اس نے گھر میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔ بیشم گھر سے گیا ہوا ہے۔ وہ عجیب بے کلی اور بے چینی میں باہر آ گئی۔ مرتضیٰ علی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ وہ بھی خوشنما کو اتنی رات میں ٹہلتے دیکھ کر چونک گئے۔

''کیا بات ہے بیٹا۔''

''وہ نانا جان، بیشم ابھی تک گھر نہیں آئے۔'' وہ بہت فکر مند بھی ہو رہی تھی۔

''میں نے تو اسے شام میں دیکھا تھا۔ جلدی آ گیا تھا۔ میں تو سمجھا اپنے کمرے میں ہو گا آرام کر رہا ہو گا ورنہ وہ میرے پاس ضرور آتا ہے۔'' وہ اٹھ گئے۔

''کوئی کام تو نہیں تھا۔''

''کوئی کام نہیں تھا کچھ بتا کے نہیں گئے۔ سیل بھی ان کا آف ہے۔'' وہ منمنائی اپنی غلطی وہ کیسے بتاتی کہ اس نے ہی تو ناراض کیا اور وہ غصے میں نکل گیا ہے۔

''اچھا تم اندر جاؤ۔ میں پتہ کرتا ہوں۔'' انہوں نے اسے تسلی دی۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ عجیب گھبراہٹ تھی کمرے میں بھی تو دل نہیں لگ رہا تھا۔ لان میں کھلنے والی کھڑکی میں آ کے کھڑی ہو گئی۔ اس وقت کھڑکی کے بھی شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ بیشم اے سی اتنا تیز چلا کے گیا تھا اس نے آف کر دیا تھا۔ نگاہ اس کی لان میں ہلتے درختوں پر بھی تھی۔ سائیڈ پر چوکیدار کا پلنگ بھی بچھا تھا اسے جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا بیشم لیٹا ہوا ہو۔

''نہیں وہ کہاں لیٹیں گے نوکروں کی چیزیں تو یوز ہی نہیں کرتے۔'' اس نے خود ہی سوچ کی نفی بھی کی۔ اس نے پردہ چھوڑا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ مگر رکا بھی نہیں گیا وہ تیزی سے نکلی اور لان میں آ گئی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ لان میں کبھی اتنی رات کو آئی نہیں ہے۔

''آپ ادھر لیٹے ہیں۔'' خوشنما کو جو گمان گزرا وہ ٹھیک ہی گزرا تھا۔

''کیوں اب کیا پریشانی ہے۔'' اس نے چتون تیکھے کیے اور پوچھا اس وقت وہ کاسنی کپڑوں میں دوپٹہ اچھی طرح خود پر لپیٹے ہوئے تھی۔

''کب سے آپ کو کال کر رہی ہوں اور سیل کیوں آف کیا ہوا ہے۔'' وہ ناراض ہونے لگی۔

''مرضی میری اور جاؤ یہاں سے میرا دماغ نہیں کھاؤ۔'' اسے لگتا تھا خوشنما کی بات بہت ہی ناگوار گزری تھی جب ہی وہ مکمل ناراضی دکھا رہا تھا۔

''دیکھیں یہاں تماشا نہیں بنائیے اندر چلیں۔''

''اندر جا کے کیا کروں، کتے جیسی تو میری اوقات کی ہوئی ہے۔'' وہ پھر چیخا۔

وہ ڈر گئی بیشم اتنا غصہ کر رہا تھا یہ اس کے ڈرانے کے لیے کافی تھا۔

''ٹھیک ہے نہیں آئیں میں نانا جان کو بھیجتی ہوں۔'' وہ تیزی سے اندر بھاگ لی۔ مزید اس سے وہ بات

کرتی تو رات میں شور اور تماشا ہوتا گھر میں پہلے ہی اتنی پریشانی تھی۔
نیشم نے اٹھنے میں عافیت جانی کہ نانا جان کہیں آ نہیں جائیں۔ تین بج چکے تھے۔

☆......☆

شب زفاف کے لمحات گزر رہے تھے۔ بینا اور نازیہ اس کے لیے روم میں کھانے پینے کے لیے بہت کچھ رکھ کے گئی تھیں اس نے صرف پانی پیا تھا۔ فرنیچر بڑا اسٹائلش اور قیمتی تھا جو رفعت نے ہی اسے دیا تھا۔ ہر چیز اس کی عمدہ اور اعلیٰ تھی اس نے پورے بیڈ روم کا تفصیلی جائزہ لے لیا تھا۔ اسے درمیان کا پورشن دیا گیا تھا۔ روم خاصا بڑا تھا۔ اس کا بیڈ روم سیٹ پورا آ گیا تھا۔

اسے بہت نیند آ رہی تھی مگر زبردستی اپنے آپ کو جگا کے رکھا ہوا تھا۔ پتہ نہیں شہر یار کس وقت آ جائے اور پھر اسے سنانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے۔ پاؤں پھیلائے اپنی تھکن کو کم کرنے کی کوشش کرنے لگی اور پھر اسی دوران وہ بڑے زوردار انداز میں دروازہ کھول کے اندر آ چکا تھا۔ حسنیٰ کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہو گیا تھا مگر کہیں اس کے ہاتھ پیروں کی جان بھی نکلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ خوب صورت گورے حنائی ہاتھ چوڑیوں میں کپکپا رہے تھے۔ وہ سکڑ سمٹ کے بیٹھ گئی۔

شہر یار ایزی سے قمیض شلوار میں ملبوس اس کا گہری نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔ جانے کیوں اسے حسنیٰ شروع سے پسند تھی مگر جب اس کا رشتہ بار بار رد کیا گیا اس سے شہر یار کو ضد ہو گئی کہ اسے حاصل کر کے رہے گا۔ حسنیٰ کچھ مغرور بھی تھی۔ شاید اسے اپنی خوب صورتی اور دولت کا غرور تھا مگر شہر یار نے شروع سے اس کے بھرے بھرے وجود کو تنقید کا نشانہ ہی بنائے رکھا کہ اب تو وہ خاصی اسمارٹ ہو گئی تھی مگر ابھی تک بھی حسنیٰ کی شان میں تعریفی کلمات نہیں گئے تھے جب کہ اس کی تو سماعتیں منتظر تھیں۔

”کیا کہا تھا۔ آپ سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں خودکشی کر لوں اور دودھ والے لگتے ہیں پتا نہیں کیا کیا تم نے کہا تھا جو تمہیں تو شاید یاد نہیں ہو مجھے تمہارا ایک ایک لفظ اور لہجہ یاد ہے۔“ وہ آتے ہی اس سے پہلی رات یہ کہہ کر مخاطب ہوا۔

حسنیٰ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ اپنی خوب صورت گولڈن براؤن آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا وہ بالکل اس کے سامنے ہی تو کھڑا تھا۔

”پتا نہیں کیا کیا بکواس کی تھی بہت زعم تھا تمہیں تو خود پر پھر کیا ہوا فوراً ہی قدموں میں آ گئیں۔“ وہ دل کھول کے طنز اور اس کی تضحیک کر رہا تھا۔

”پینٹنگ کر کے بہت بڑی آرٹسٹ بننا چاہتی تھیں کیوں کیا ہوا تمہارے وہ شوق۔“

”آپ کیا سمجھ رہے ہیں میرے شوق ختم ہو گئے ہیں۔“ وہ بھی غصہ میں آ گئی تنک کے ہی جواب دیا۔

”میں جو سمجھ رہا ہوں بالکل ٹھیک سمجھ رہا ہوں میرے پاس آنے کے بعد تمہارے شوق سارے ہی ختم ہو جائیں گے کیوں کہ تمہیں میں اتنا مصروف کر دوں گا تم پھر مجھ سے پناہ مانگو گی۔“ وہ اس کے قریب آ کے بیٹھ گیا۔

خوب صورت وہ اتنی لگ رہی تھی شہر یار کے نفس کے گھوڑے بے لگام ہو رہے تھے مگر اس نے نگاہوں کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا وہ اتنی جلدی تو اسے خوش نہیں کرے گا ایسی مار مارے گا وہ خوش بھی نہیں ہو سکے گی۔ کیوں کہ وہ اندازہ ہی نہیں کر سکے گی کہ وہ اسے پسند کرتا ہے یا زبردستی بدلہ لینے کے لیے شادی کی ہے۔

لیکن شہر یار حقیقت میں اسے پا کے بہت خوش تھا۔ اپنی خوشی وہ اس پر ظاہر نہیں کر رہا تھا۔

''میرے شوق سے آپ کا کوئی لینا دینا اور نہ کوئی تعلق ہے۔ آپ سے میں کچھ نہیں لوں گی۔'' اپنے شوق کے لیے حسنیٰ کو تو پتنگے لگ گئے کیوں کہ وہ پورا حاکمانہ رعب رکھ کے اس سے مخاطب تھا۔
''مگر مجھے تمہارے شوق سے اعتراض ہے۔'' اس نے مکہ بنا کے بیڈ پر مارا۔
''اگر آپ کو میں ناپسند تھی کیوں میری اور اپنی زندگی برباد کی۔'' وہ تو رونا شروع ہوگئی۔
شہریار نے ان چھ سات ماہ میں کبھی جو اس سے لگاوٹ اور محبت پیار سے بات کی ہو۔
''زندگی تم دوسرے کی بھی تو برباد کرتیں سو چا میں ہی کیوں ناراضی کرلوں گا۔'' وہ استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے ہنسنے لگا۔
حسنیٰ کے جلتی پر تیل کا کام کرنے لگی اس کی یہ ہنسی وہ بھنا کے اس سے دور ہو کے بیٹھی اس سے مزید بات کرنے کا ارادہ ہی بدل دیا۔ اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر شہریار اس سے چاہتا کیا ہے۔
''جاؤ! اپنا حلیہ درست کرلو کپڑے چینج کرو میرے سر میں درد ہو رہا ہے چائے بنا کے لاؤ۔''
''کیا۔'' وہ تو حیرانگی سے اچھل گئی۔
''کیوں تمہارے کانوں میں میل ہے جو ایک دفعہ کا بولا سمجھ نہیں آیا یا سنائی نہیں دیا۔'' وہ سیج کی لڑیوں کو ایک طرف کر کے باندھنے لگا۔ بیڈروم بہت خوب صورت سجا تھا۔
''چائے بنا کے لاؤ اپنے ڈھائی من کے وجود کو ہلاؤ۔ مایوں کے نام پر آرام کرنے بیٹھ گئیں تم کام چور لڑکیوں کو تو بہانہ چاہیے آرام کرنے کا۔ بیٹھ بیٹھ کے کھا کھا کے اتنا وجود بڑھا لیتی ہیں۔ پھر سلمنگ سینٹر جوائن کرلیتی ہیں۔ تم لڑکیوں کو عقل بھی ہے کم کھانا صحت ہے اور زیادہ کام کرنا انرجی ہے مگر تم لڑکیوں کو عقل ہو تو کرو کچھ۔'' وہ اب بیڈ پر لیٹ کے عورتوں کی طرح ہی تیز تیز بول کے اسے سنا رہا تھا اور وہ اپنی کھلی بے عزتی پر گرم گرم گھونٹ اندر اتار رہی تھی۔ خوب صورت براؤن آنکھوں میں نمکین پانی تیر رہا تھا ایسے لہجے کی تو وہ عادی ہی نہیں تھی۔
''مجھے بھی عورتوں کی طرح عادت رکھنے والے مرد زہر لگتے ہیں۔'' وہ دانت پیسنے لگی طنز بھی اس نے جما کے کیا تھا۔
''شٹ اپ۔'' وہ دہاڑا۔
''جاؤ جا کر چینج کرو اور چائے بنا کے لاؤ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔'' وہ جیسے اس کے رونے اور جذبات کی اور احساسات کی کوئی پرواہ بھی نہیں کر رہا تھا۔ وہ روتی جا رہی تھی اور کپڑے وغیرہ چینج کر رہی تھی۔ کس سے کہے پہلی رات نئی نویلی دلہن جسے یہاں آئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے۔ یہ شخص اس کی اتنی تذلیل کر رہا تھا جانے کیوں اس کے معاملے میں اتنا سخت رویہ کیوں رکھ رہا تھا۔
سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں وہ باہر آگئی تھی۔ شہریار ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا تھا۔ اس پر ایسے تاثر دے رہا تھا جیسے وہ یہاں موجود ہی نہیں ہو۔ شہریار کے لب مسکرانے لگے۔

☆......☆

عتیق احمد گھر آگئے تھے مگر چپ رہتے تھے۔ ابھی تک وہ بیٹوں سے جھجکے ہوئے تھے۔ مزمل اور طلحہ تو ان سے اتنے فرینک ہو کے باتیں کرتے تھے مگر وہ ریزرو رہتے مگر کیوں وہ دونوں سمجھ ہی نہیں رہے تھے۔
آدم، ناشتے سے فارغ ہو کے اخبار پڑھنے کے لیے لاؤنج میں آگیا۔ آج اتوار تھا۔ دیر سے ہی اٹھتے تھے۔

حباب ابھی میکے میں تھی شہریار کا آج ولیمہ تھا کل شادی میں شرکت کرنے کی وجہ سے بھی سونے میں دیر ہی ہو گئی تھی۔ عتیق احمد اور آدم شادی میں نہیں گئے تھے باقی سب گئے تھے۔

''ابو آپ اخبار پڑھیں گے۔'' آدم نے انہیں مخاطب کیا اور وہ خاموش بیٹھے تھے۔

''نہیں بیٹا نظر ہی بہت کمزور ہو گئی ہے، پڑھا نہیں جاتا۔'' وہ آہستگی سے بولے۔

''آپ نے نظر چیک نہیں کروائی چشمہ لگ جاتا آپ سے پڑھا بھی جاتا۔''

عتیق احمد نے اسے ایک نظر دیکھا وہ کتنی فکر کر رہا تھا۔ راشدہ کے گھر میں تو ایسی کسی کو کوئی فکر ہی نہیں تھی۔ ان کی جیب میں پیسے بھی تو نہیں تھے کوئی بات یا کام تو کرتے نہیں تھے جوان کے پاس کچھ ہوتا جو خود پر خرچ کرتے کبھی بیمار ہو جاتے تو ماں کے پاس چلے جاتے تھے۔ وہی دوائی وغیرہ منگوا دیتی تھیں مگر خیال وہ پھر بھی نہیں رکھتی تھیں۔

عتیق احمد کو آج شدت سے احساس ہو رہا تھا ان کی ماں اور بہن نے بیوی اور بچوں کے خلاف ایسا بھرا کہ وہ خود بے گھر ہو گئے۔ کبھی یہ احساس دلایا ہی نہیں کہ مرد کا کمانا بیوی اور بچوں کی مضبوطی ہوتا ہے۔ انہوں نے الٹا رضوانہ پر ظلم ہی کروائے مگر وہ آج تک یہ سمجھ نہیں سکے تھے۔ راشدہ کیوں اتنا رضوانہ سے جلتی تھی۔

''ابو آج آپ میرے ساتھ چلیں گے میں آپ کی آنکھیں ٹیسٹ کرواؤں گا۔ اس طرح تو آپ کی نظر اور کمزور ہوتی جائے گی۔'' آدم نے انہیں گہری سوچوں میں غلطاں دیکھا۔ ان کے چہرے پر اسے ندامت بھی نظر آ رہی تھی۔

رضوانہ نے اپنے بچوں کی پرورش بہت اچھے طریقے سے کی تھی۔ چاروں بیٹوں نے عتیق احمد کو خوش دلی سے گلے سے لگایا تھا۔ وہ خوش بھی تو بہت تھے۔

''بیٹا اب ٹیسٹ کروا کے کرنا کیا ہے تھوڑی زندگی ہے۔ بس گزر جائے گی۔'' لہجے میں ان کے افسردگی اور شرمندگی تھی۔

رضوانہ نے چونک کے ان کے ٹوٹے ہوئے لہجے کو بہ غور دیکھا تھا۔

''ارے آپ نے یہ کیا بات کی ضمران کے بچوں کو کھلانا ہے اور ابھی یہ تین بچے بھی تو ہیں۔ ان کی شادیاں بھی کرنی ہیں اور آپ کو مل کر یہ کام کرنا ہے۔ میں تنہا کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔'' رضوانہ نے ان کی شرمندگی ندامت کو کم کرنے کے لیے کہا۔

''میری حیثیت اور اہمیت وہ کہاں رہی میں نے خود تم لوگوں کی نظروں میں خود کو گرا لیا۔'' وہ روہانسے ہونے لگے۔

''ابو آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں ہم ایسا بالکل بھی نہیں سمجھتے مگر ہمیں آپ سے صرف یہ شکایت ہے۔ آپ نے دادی جان اور پھپھو کی باتوں میں آ کر اپنا گھر خراب کر لیا کیوں کیا آپ نے آپ دیکھیں وہ سب خوش حال اور سکون سے ہیں۔ بے سکون تو آپ اور ہم رہے ہیں۔'' اس کے دل و دماغ میں جو بات تھی وہ اس نے ان سے کہہ دی۔

''راشدہ نے مجھے کبھی صحیح صلاح ہی نہیں دی تم سب سے ملتی رہی۔ یہاں آ کے رہتی بھی رہی مگر مجھے ہمیشہ تم لوگوں کے خلاف بھڑکاتی رہی۔'' انہیں اپنے اوپر غصہ آنے لگا۔ آخر وہ ایسا کیوں کرتے رہے۔ اپنی ذات کو وہاں رہ کے بے وقعت ہی کیا راشدہ کے شوہر سرفراز بھی کبھی اس سے رخ دے کے بات ہی نہیں کرتے تھے اور راشدہ

ہمیشہ انہیں یہی کہتی تھیں۔
"یہ کون سا مجھ سے رخ دے کے بات کرتے ہیں۔ ان کے سارے ہی گھر والے ایسے ہیں۔"
عتیق احمد کو وہ سب باتیں ایک ایک کر کے یاد آرہی تھیں۔ راشدہ نے کون سا اپنے سسرال والوں سے بنا کے رکھی تھی۔ سسرال سے جلد ہی الگ ہوگئی تھی۔ اسی وجہ سے سرفراز کا موڈ ان سے ٹھیک نہیں رہتا تھا۔ جیسی خود تھیں بیٹیاں بھی ایسی ہی بنا رہی تھیں مگر نوین الگ ہی مزاج کی تھی۔ اتنی سی لڑکی نے عتیق احمد کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ ورنہ وہ تو ساری عمر اپنی ایسے ہی گزار دیتے۔ مرد کی اہمیت اس کی کمائی سے ہی زیادہ ہوتی ہے۔ پھر جب بچے جوان ہو جاتے ہیں تو پوزیشن اس وقت اور زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ عتیق احمد نے یہ سب تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا یا پھر انہیں سوچنے نہیں دیا تھا۔ بڑے بھائی نے عقلمندی سے کام لیا تھا اپنا پورشن ہی الگ کر لیا تھا اپنا کھانا پینا سب ورنہ ان کی بہن اور ماں نے تو انہیں بھی توڑنے کی کوشش کی تھی۔
"آخر میری ماں نے ایسا کیوں کیا اگر میرا گھر اجاڑنا تھا تو بسایا کیوں۔" عتیق احمد شدت غم سے مچل رہے تھے۔ آدم اور رضوانہ ان کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کا بخوبی اندازہ کر رہے تھے۔ انہیں چھیڑنا پھر مناسب نہیں سمجھا۔



گھر میں ایک طوفان جیسے آ کے گزر گیا تھا۔ نزہت کی خاصی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ فاران بھی عجیب کشمکش کا شکار تھا اسے مرتضیٰ علی اور ارتضیٰ علی سے خوب ڈانٹ سننی پڑی تھی مگر وہ چپ ہی رہا پتہ نہیں اس نے کیوں ایسا قدم اٹھایا تھا۔
"ہیثم کا ابھی تک بھی فاران سے سامنا نہیں ہوا تھا مگر وہ اس سے پوچھنا ضرور چاہ رہا تھا آخر ایسا کیوں کیا۔
"مامی فاران کو دیکھا ہے۔" اس نے چھوٹی مامی سے پوچھا وہ اپنے روم سے باہر آئی تھیں۔ ہیثم کو یوں پریشان دیکھ کر متفکر بھی ہوگئیں۔
"فاران ہاں کچھ دیر پہلے اسٹڈی روم میں تھا۔ ساتھ بابا جان تھے۔" انہیں یاد آیا۔ ہیثم سنتے ہی اسٹڈی روم روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ کوریڈور میں جوہم کو روتے ہوئے دیکھا۔
"جوہم کیا بات ہے۔" وہ اس کے قریب آگیا۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔
"جی کچھ نہیں۔" وہ آنچل سے رخسار پونچھ کے جانے لگی مگر ہیثم نے اس کا راستہ روک لیا۔
"جوہم تم بھی مجھ سے مامی کی طرح ناراض ہو جو بات نہیں کر رہی ہو۔" اسے ایسا لگتا تھا جوہم بھی اس سے ناراض ہو۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے امی کو ابھی وہ سب کہہ دیا جو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔" وہ لب کچلنے لگی۔
"کیا کہہ دیا۔" وہ جیسے سمجھا نہیں جوہم نگاہ بھی چرا رہی تھی۔
"یہی کہ اتنے بڑے بول نہیں بولنے چاہئیں کہ کل کو ہمارے آگے وہی سب آجائے آپ کو کیسے کیسے طعنے دیئے ہیں۔ آپ کی شادی تو دادا جان اور سب گھر والوں کی شرکت سے ہوئی تھی مگر وہ پھر بھی آپ کو خوشنما بھابی کو گرا ہوا سمجھتی ہیں اور اب دیکھیں فاران بھائی نے کیسے خود کر لی۔"
ہیثم حیرت و انبساط میں مبتلا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تو جوہم کو لاابالی سمجھتا تھا مگر اس نے ایسی بات کیسے اپنی ماں کو کہہ دی۔

''جوہم تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' ہیشم نے اسے کہا۔
''ہیشم بھائی میں اگر انہیں یہ احساس نہیں دلاتی تو وہ تو انجانے میں کیا کیا آپ کو کہتی جاتیں اور میں نہیں چاہتی آپ میری امی کو برا سمجھیں ہو سکتا ہے آپ ان سے نفرت بھی کرنے لگے ہوں۔''
''ہشت یہ بات کیوں کی بڑی مامی میری ماں کی طرح ہیں۔ ہوش سنبھالا ہے میں آن سب کے ہاتھوں میں نفرت میں کبھی نہیں کر سکتا البتہ دکھ بہت ہوتا تھا جب مامی مجھ سے طنزیہ باتیں کرتی تھیں۔
''ہیشم بھائی میں امی کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔ میری امی بری نہیں ہیں پتا نہیں اچانک سے انہیں کیا ہو گیا ہے۔'' وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔
''بے وقوف لڑکی ایسی بات نہیں کرو۔'' اس نے مسکرا کے اس کے جڑتے ہوئے ہاتھ الگ کیے۔
''میں ذرا فاران کی خبر لے لوں پتا نہیں کہاں ہے۔'' وہ اس کا سر تھپتھپا کے آگے بڑھ گیا۔
جوہم نے اسے جاتے ہوا دیکھا کیوں کہ اس نے اپنی امی سے بہت کچھ ہیشم کی حمایت میں بھی تو کہا تھا اور وہ غصے میں آتی تھیں۔
اگر وہ امی کو احساس نہیں دلاتی تو وہ تو برے سے برا کرتی ہی چلی جاتیں، کیسے ہیشم کی شادی پر بھی واویلا مچایا تھا۔ ان کی مرضی تھی جوہم سے ہو اور جوہم اس نے کبھی ہیشم کو اس نظر سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ عمر میں بھی تو خاصی چھوٹی تھی وہ ہیشم کو فاران کی طرح ہی بھائی سمجھتی تھی۔
''ہیشم بھائی! کتنے اچھے ہیں، سب کا خیال رکھتے ہیں۔'' اس نے اپنے آنسو صاف کیے دل تو اس کا ماں کی طرف سے اداس تھا کیوں کہ انہوں نے کتنا اسے برا بھلا کہا تھا۔
''امی! میں آپ کو کچھ بھی برا نہیں کرنے دوں گی اور رہے فاران بھائی ہمیں ان کی پسند بھی قبول کرنی ہوگی۔'' اس نے عزم کر لیا تھا۔ وہ سب کچھ ٹھیک کر کے رہے گی اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑے۔
''جوہم امی کے لیے دودھ گرم کر کے لے جاؤ، انہیں میں نے دوائی کھلا دی ہے۔'' میران امی کے روم سے باہر آ کے اسے ہدایت دینے لگا۔
''اچھا!'' اس نے سر ہلایا۔
''اور ہاں مزید کچھ بولنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ بہت رو رہی ہیں۔''
''میران میں نے کیا غلط کہا ہے؟''
''تم نے سب ٹھیک کہا مگر مزید انہیں کچھ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہیں زیادہ طبیعت خراب نہ ہو جائے۔''
میران کافی دیر سے نزہت کے پاس ہی تھا کیوں کہ ارتضیٰ علی کو تو خود وقتی غصہ تھا جو مرتضیٰ علی نے کہہ کر انہیں کم کر دیا تھا مگر وہ نزہت سے ناراض تھے جو ہیشم کو بہت برا بھلا کہہ رہی تھیں۔

☆......☆

حسنٰی ضرورت سے زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ شہریار اسے کاموں میں لگائے رکھتا تھا۔ ابھی بھی وہ سارا کمرا سمیٹ کے نہانے جا رہی تھی۔ نازیہ بھابی میکے رہنے گئی ہوئی تھیں۔ ابھی تک حسنٰی کا ہاتھ کھیر میں بھی نہیں پڑا تھا وہ اور ہی آرام سے ہو گئی تھی کام کی تو ویسے ہی چور تھی۔
''سنو مجھے روٹی بنا کے دو بھوک لگ رہی ہے۔''
''بھابی سے کہہ دیں۔'' وہ اپنے ہاتھ پیروں کی کلینزنگ کر رہی تھی۔

''بھابی سے کیوں کہہ دوں تمہاری ذمہ داری ہوں، ان کی نہیں۔'' اس نے اس کے سرخ و سپید سراپے کو بغور دیکھا جب سے اس نے ویٹ کم کیا تھا اور زیادہ خوب صورت اور دلکش ہو گئی تھی۔ شہریار اسے ذرا بھی اس کی خوب صورتی کا احساس نہیں دلاتا تھا۔

''بھابی اپنی امی کے گئی ہوئی ہیں۔''

''مگر میری تو ابھی کھیر پکائی کی رسم بھی نہیں ہوئی۔'' وہ جھٹ بولی۔

''ضروری ہے یہ فضول رسم ہو گی تو ہی تم کچن کا کام کرو گی کوئی کھیر پکائی نہیں ہو گی۔ میں نے منع کر دیا ہے۔''

''واٹ! آپ کی امی تو کہہ رہی تھیں کہ وہ ضرور کریں گی۔''

''میں نے منع کر دیا ہے۔''

''آپ کی امی کو ویسے بھی پیسے بچانے کی پڑی رہتی ہے۔'' وہ تو بہت ہی بھنا رہی تھی۔

''زیادہ بکواس کی ضرورت نہیں ہے اور یاد رکھنا میں تمہاری بکواس برداشت بھی نہیں کروں گا۔'' وہ تو آنکھیں نکال کے اسے وارننگ دے رہا تھا۔

حسنیٰ کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ شہریار ذرا بھی تو اس کا خیال نہیں کر رہا تھا۔ نئی دلہن کے تو شروع شروع میں شوہر ہر ناز نخرے بھی اٹھاتے ہیں یہاں شوہر تو کیا سسرال والے بھی اس کے کوئی ناز نخرے نہیں اٹھا رہے تھے۔

''جلدی سے نہا کے آؤ پھر مجھے روٹی بنا کے دو اور ہاں رات کا بھی کھانا بنا لینا کیوں کہ اماں گھر میں ہی ہوں گی۔ میرے دوست کے گھر دعوت ہے اس نے بلایا ہے وہاں جانا ہو گا۔'' وہ اسے ساتھ ساتھ ہدایتیں بھی دیئے جا رہا تھا اور وہ جل کے کلس ہی رہی تھی اسے کیا خبر تھی اسے یہ دن بھی دیکھنا پڑیں گے۔ کیسے اس کی نوابوں والی زندگی تھی۔ رفعت تو اسے کسی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دیتی تھیں مگر نسرین اس سے سارے کام لیتی تھیں مگر اسے یہ سب اس وقت کرنا ناگوار نہیں گزرتا تھا مگر یہاں شہریار کے حکم پر ہر کام کرنا اس کی جان ہی جلا رہا تھا۔

''دل میں خوب کوس رہی ہو گی۔ ہے ناں۔'' اس کا جائزہ لینے لگا۔ پنک لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں اس کی سرخ و سپید رنگت غصے کی وجہ سے اور سرخ ہی ہو رہی تھی۔

''کوسنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔'' وہ طنز کرتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل پر اپنی گولڈ کی چوڑیاں اتار کے رکھنے لگی۔

شہریار بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا تھا نگاہ اس پر ہی جمائی ہوئی تھی۔

''تم عورتیں فائدے نقصان میں ہی پڑی رہتی ہو۔''

''اگر اتنی بری تھی تو مجھ سے شادی کیوں کی؟'' وہ تیز لہجے میں پھنکاری۔

''تمہارا میرا جوڑ لکھا جا چکا تھا اور یہ بڑے بول تمہارے آگے آئے ہیں کیا کہا تھا مجھ سے شادی کرنے سے پہلے میں خودکشی کر لوں گی۔'' وہ اسے یاد دلانے لگا۔

''آپ سے شادی بھی خودکشی سے کم نہیں ہے۔'' دانت پیسے شہریار اٹھ کے اس کے راستے میں ہی آ گیا حسنیٰ سائیڈ سے ہو کے نکلنے لگی۔

''کیا ہے مجھے کام کرنے دیں۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''تیور تو تمہارے ایسے ہیں جیسے کہیں کی شہزادی ہو۔'' ہاتھ پکڑے بیڈ پر گرا چکا تھا۔
حسنیٰ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اسے شہریار کے ہر لمس سے جانے کیوں انتقام ہی کیوں محسوس ہوتا اس نے ایک دفعہ بھی اسے پیار سے نہیں چھوا تھا۔
''چھوڑیں ناں۔'' وہ چیخی۔
''آواز نیچی رکھو۔'' وہ اس کے کان کے قریب آہستگی سے ڈپٹ کے بولا تھا۔
''میرا جب دل چاہے گا تمہیں میرا خیال رکھنا ہوگا۔''
''آپ کو بیوی نہیں اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے چاہیے تھی میں ہی کیوں کوئی اور لڑکی لے آتے۔''
''کیا کروں ہم لوگ خاندان بھی تو دیکھتے ہیں۔'' وہ پھر جلانے لگا۔
حسنیٰ جلتی رہتی کلستی رہی مگر وہ اسے جلاتا رہا تھا جتنا وہ اس کے سامنے پراعتماد بنتی وہ اسے اتنا بے عزت کرتا وہ اکیلے کمرے میں منہ چھپائے روتی مگر اس نے بھی سوچ لیا تھا شہریار کو سبق سکھا کے ہی رہے گی۔ اسے جب محبت ہی نہیں تو کیوں وہ اس کے ساتھ زبردستی یہ رشتہ جوڑے رکھے۔ گھر سے نسرین بھی تو نہیں آئی تھیں جو وہ ان کے ساتھ ہی کچھ دنوں کے لیے گھر چلی جاتی۔

☆......☆

بڑی مامی کو تو جیسے چپ ہی لگ گئی تھی۔ وہ فاران سے بات بھی نہیں کر رہی تھیں۔ ارتضیٰ علی نے فاران کو بہت سنایا تھا مگر اس نے ایسی مجبوری بتائی کہ وہ خاموش ہو گئے تھے۔
''امیر علی، فاران کی دلہن کو رخصت کروا کے اس گھر میں لے آؤ۔'' مرتضیٰ علی نے اچانک ہی کہا تھا وہاں بیٹھے لوگ سب ہی چونک گئے تھے۔ فاران کو تو یقین نہیں آ رہا تھا ہیثم نے پہلو بدلا تھا جب کہ خوشنما کی نگاہ گاہے بگاہے ہیثم پر بھی تھی جو کل سے اس سے بات بھی نہیں کر رہا تھا اور کمرے میں بھی آ کے نہیں سویا تھا۔
''بابا جان! نزہت بالکل نہیں مانے گی۔''
''اسے سمجھانا تمہارا کام ہے جب کہ تمہارے بیٹے نے یہ قدم اٹھا ہی لیا ہے تو اسے تم نے پورا کرنا ہے۔''
''اور ہاں ہیثم تم نے بھی کسی لڑکی سے نکاح کیا تھا اس لڑکی کو بھی تم لے آؤ۔''
''جی'' ہیثم کو لگا جیسے سر پر بم پھوڑا ہو۔ خوشنما تو گھبرا گئی کیوں کہ اصل حقیقت تو کسی کو بھی نہیں معلوم تھی۔
''نانا جان یہ آپ کہہ رہے ہیں۔''
''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں اس لڑکی کی بھی حق تلفی نہیں ہو اور خوشی بیٹی کی بھی۔'' نوجوان پارٹی کو مرتضیٰ علی نے آنکھ کے اشارے سے جانے کو کہا تھا۔
''ہیثم میں چاہتا ہوں تم خوشی بیٹا سے بات کرو اور راضی خوشی اس لڑکی کو لاؤ۔'' خوشنما فوراً ہی جھٹکے سے اٹھ گئی سب کی حیرانگی سے استفہامیہ نگاہیں اٹھ گئی تھیں۔
''خوشی کو میری یہ بات بری لگی ہے میں چاہتا تو یہ بات میں اس کے سامنے نہیں کرتا مگر میں نے جان کے یہ بات کی تاکہ اسے اندازہ ہو جائے کہ میں اس کا بھی خیال رکھتا ہوں۔'' مرتضیٰ علی سمجھ رہے تھے خوشنما کا وہ خیال کر رہے ہیں جب کہ ایسا کچھ نہیں تھا خوشنما کو ان کی یہ بات بری لگی تھی۔

''نانا جان! آپ کو اچانک سے یہ خیال کیوں آیا۔''
''میں نے فیصلہ کیا ہے تم اور فاران سید ھے طریقے سے اپنی زندگی گزارو۔ فاران نے بھی اپنی ماں کو دھوکا دیا ہے مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا اس کا یہی حل ہے کہ فاران اس لڑکی کو لے آئے اور وہ لڑکی نزہت کا دل جیتنے کی کوشش کرے۔'' وہ بڑے نرم اور مدبرانہ انداز میں ان دونوں کو ہی سمجھا رہے تھے۔ اشرف علی اور ارتضیٰ علی اور شاہدہ خاموش بیٹھے اس کی بات سن رہے تھے۔
ہیشم کا سارا دھیان خوشنما کی طرف تھا کیوں کہ اسے اب موقع ملا تھا خوشنما کو ذہنی ٹارچر کرنے کا۔
''شاہدہ بیٹا! آپ دلہنوں کی تیاریاں شروع کریں یہ فرض تو ادا کرنا ہی ہے۔'' مرتضیٰ علی خاصے تھکے تھکے لہجے میں کہہ رہے تھے۔
''چلو ارتضیٰ میں نزہت سے بھی بات کرلوں ایسے کب تک وہ ناراض رہیں گی۔'' وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے کھڑے ہوگئے۔
فاران نے بڑی فکر مندی سے پہلو بدلا تھا کیوں کہ نزہت اس سے بالکل بھی بات نہیں کر رہی تھیں۔ کتنی ہی وہ معافیاں مانگ چکا تھا۔
''چلو دلہا میاں تیار ہو جاؤ اپنی دلہن لانے کو۔'' ہیشم نے شوخی سے کہہ کے اس کی پشت معنی خیزی سے تھپکی تھی۔
''تمہیں بھی تو کہا ہے۔''
''مجھ سے ایک سنبھالی نہیں جا رہی ہے۔ دوسری کہاں افورڈ کر سکتا ہوں۔'' اس نے خود ہی اپنا تمسخر اڑایا۔
''پھر ہیشم تم اس لڑکی کا کیا کرو گے جسے تم گھر لائے تھے نکاح کر کے۔''
''مامی میں اس لڑکی کو کچھ دے دلا کے چپ کرا دوں گا۔'' اسے اب اندازہ ہو رہا تھا ایک جھوٹ چھپانے کے لیے کتنے جھوٹ بولنے پڑ رہے تھے۔
''لگتا ہے خوشنما بھابی کو دادا جان کی یہ بات پسند نہیں آئی ہے۔'' فاران نے خوشنما کے تیور نوٹ کیے تھے۔
''اگر نانا جان نے مجھ سے زیادہ ہی فورس کیا تو مجھے پھر کچھ تو کرنا پڑے گا۔''
''اپنی اس بیگم کا کیا کرو گے وہ تو بالکل برداشت نہیں کریں گی۔''
''ارے ہیشم کے لیے کوئی مشکل تھوڑی ہے دوسرا فلیٹ خرید کے اس میں رکھ لے گا کیوں ہیشم۔'' شاہدہ نے جیسے مسئلے کا حل پیش کیا ہو۔
''مامی وہ میں نے نکاح مجبوری میں کیا تھا کہ نانا جان میری خوشنما سے جان چھڑا دیں اور اب میں ایسا بالکل نہیں چاہتا۔'' وہ اس وقت بہت مشکل میں تھا کیسے سچ بتائے اگر نانا جان کو یہ پتا چلا کہ اس نے جھوٹ ہی کہا تھا وہ کتنا ناراض ہوں گے۔
''میں ذرا چلتا ہوں امی کے روم میں۔'' فاران کو وہاں کی بھی فکر تھی اور ہیشم کو اس وقت صرف یہ فکر بھی کہ وہ کیا کرے کہ یہ جھوٹ ختم ہو ادھر خوشنما بھی غصے میں ہوگی۔
☆......☆

''یہ کارنامہ انجام دے کر بہت اچھا کیا ہے۔ یہ نظر نہیں آیا بہن کی خوشیاں ضمران کسی اور کی جھولی میں ڈال چکا ہے۔'' راشدہ، نوین پر بہت ناراض ہو رہی تھیں۔

''ہم زبردستی کسی کو بھی مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ہم سے شادی کرے۔ ضمران بھائی نے کبھی نوشین باجی کو پسند ہی نہیں کیا یہ آپ ہی تھیں جو آئے دن جا کے وہاں رک جاتی تھیں اور اپنی عزت اور اہمیت کم کرتی تھیں۔'' نوین کو کب اچھا لگتا کانوں سے بھی سنتی تھی کتنا دکھ ہوتا تھا صرف اپنی ماں اور بہن کی وجہ سے۔

''عتیق بھائی کو کیا کہا جو وہ سیدھے یہاں سے چلے گئے۔''

''ماموں کو احساس دلانا تھا جو میں نے دلا دیا۔ ان کی سمجھ میں آ گیا جو وہ چلے بھی گئے۔''

''نوین کیسی اولاد ہے تجھے ذرا اپنی ماں اور بہن کا خیال نہیں۔''

''آپ سب کا ہی خیال تھا جو میں نے ایسے کہا۔'' وہ بڑی سنجیدہ تھی اپنی ماں اور بہن کی عقلوں پر ماتم کرنے کو دل چاہتا تھا۔

''تم کیا سمجھ رہی ہو میں ضمران کو ایسے ہی چھوڑ دوں گی۔''

''نوشین باجی! آپ کو اللہ کا واسطہ کیوں ایسی عزت کرا رہی ہیں کیوں ان کی ہنستی بستی زندگی میں ٹانگ اڑا رہی ہیں۔''

''بکواس بند کرو۔'' اس نے نوین کو ڈانٹ دیا۔

''مجھے تو رضوانہ بھابی پر شک ہو رہا ہے ضرور اسے کچھ گھول کے پلا دیا ہے جو یہ ان کی کہے جا رہی ہے۔''

''امی اگر مامی کو پلانا ہوتا تو ماموں کو آپ کو اور نانی جان کو پلاتیں تاکہ آپ سب ان کے گن گاتے۔ نہ ماموں گھر سے بھاگتے اپنی ذمے داریوں سے منہ چھپا کے۔''

''امی دیکھیں کیسی اس کی زبان چلے جا رہی ہے۔'' نوشین کے تو اور ہی پتنگے لگ رہے تھے وہ حیران بھی تھی جو نوین بالکل چپ رہتی تھی۔ آج کیسے اس کی زبان چل رہی تھی۔

''نوین! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' کرن نے بھی آ کے تائید کی۔

''ہاں تمہاری کمی تھی آ جاؤ اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور ماں کے خلاف محاذ کھول لو۔''

''آپ غلط بات کر رہی ہیں۔ میں صرف حقیقت بیان کر رہی ہوں اور سچ بول رہی ہوں۔'' وہ ترکی بہ ترکی بول رہی تھی۔

''دونوں کیسی گھنی میسنی ہیں مامی کے گھر والوں سے ملی ہوئی ہیں۔'' نوشین کے تو پتنگے لگ رہے تھے۔

''آپی یہ آپ کی سوچ ہے ہم کوئی مامی کے گھر والوں سے نہیں ملے ہوئے ہیں آپ اپنی فکر کریں ضمران بھائی کے سسرال والوں میں بھی آپ کی خاصی شہرت ہو گئی ہے۔ مہندی کے دن کا ہنگامہ یاد ہے۔'' کرن بھی اسے احساس دلانے لگی کہ کسی طرح تو اس کی بہن سدھر جائے۔

''میرے حق پر وہ لڑکی ڈاکہ ڈالنے آ گئی میرے آگ نہیں لگے گی تو کیا کروں۔''

''آپی آپ بالکل ان پڑھ لوگوں کی طرح ری ایکٹ کرنے لگی ہیں۔ پڑھی لکھی باشعور ہیں کچھ تو عقل سے سوچیں۔''

''زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں جاؤ تم اپنا کام کرو۔'' اس نے کرن کو ڈانٹ دیا۔ نوین اور کرن ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ ان دونوں کو اپنی ماں اور بہن کی سوچوں پر دکھ ہو رہا تھا جو پتا نہیں کیوں نہیں سوچ رہی تھیں۔

''آپ کو اس طرح کرنے سے کچھ حاصل وصول نہیں ہوگا۔''

''میں حباب کو بھی ضمران کے ساتھ رہنے نہیں دوں گی۔ دونوں کو الگ کروا کے رہوں گی۔'' اس نے نوین کو بتایا نوشین کی آنکھوں میں تو جیسے خون اترا ہوا تھا۔

''نوین چھوڑو ان کو ان کے حالوں پر جیسے ابو نے چھوڑ دیا ہے۔'' کرن نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''دونوں لڑکیوں کو دیکھو کیسے میرے منہ کو آ رہی ہیں۔''

''امی ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ ہماری ماں ہیں اور آپی ہماری بہن ہیں۔ میں نہیں چاہتی کوئی آپ دونوں کو برا کہے پلیز آپ دونوں اپنی سوچوں کو وسیع کریں غلط سوچنا بند کریں دوسروں کی خوشی میں خوش رہنا سیکھیں۔'' نوین مدبرانہ انداز میں سمجھا رہی تھی۔

نوشین تو ہنکارے ہی چلی گئی اور راشدہ اسے گھورنے لگیں۔

''دونوں اپنے باپ پر گئی ہیں جیسے وہ کسی کی نہیں سنتا ایسی تم ہو۔'' انہوں نے نوین کو برہم ہوئے کہا۔

نوین اپنا سر تاسف سے ہاتھوں میں تھام کے ہی رہ گئی کیوں کہ اس وقت راشدہ اور نوشین جیسے کچھ سوچنا سمجھنا نہیں چاہتی تھیں غصے اور رقابت کی آگ میں دونوں جل رہی تھیں۔

☆......☆

''یار! میں نے تجھ سے ایک کام کہا تھا۔'' اشعر اسے اپنی گزشتہ دنوں کہی گئی بات یاد دلانے لگا۔

''تمہیں اپنی پڑی ہے وہاں گھر میں الگ ہنگامہ پڑا ہے۔ ایسے میں مجھے خوشنما سے بات کرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔'' ہیثم خاصا پریشان اپنی ریوالونگ چیئر پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''خیریت تو ہے۔'' اشعر نے بھی فکر مندی سے پوچھا۔

''یار! وہی میرا جھوٹ میرے لیے مسئلہ بن رہا ہے۔''

''جھوٹ۔'' وہ سمجھا نہیں۔

''وہی جو میں نے خوشنما کو گھیرنے کے لیے کیا تھا کہ میں نے نکاح کرلیا ہے۔''

''تم نے ابھی تک کسی کو حقیقت نہیں بتائی کہ وہ خوشنما تھی۔'' اشعر گویا ہوا۔

''نہیں نا میں نے کسی کو یہ تھوڑی ہی بتایا ہے خوشنما میرے آفس میں جاب کرتی تھی اور میں بتانا بھی نہیں چاہتا۔'' ہیثم خاصی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔

''ایسے میں بھابی کیا کہتی ہیں؟''

''ارے اس سے تو میری بات ہی نہیں ہو رہی ہے۔'' ہیثم نے اپنے اور اس کے درمیان کی ناراضی بھی اسے بتادی۔

''تم بھی اتنی سی بات لے کے بیٹھ گئے ان کا غصہ بجا ہے تم نے کون سا ان کے ساتھ اچھا کیا تھا۔'' اس نے ہیثم کو احساس دلایا۔

''یار! ہر بات کی حد ہوتی ہے ایک بندہ جھکا جا رہا ہے مگر اسے ذرا احساس نہیں۔'' وہ خاصا جھنجھلایا

ہوا تھا۔
''یار! میرے مسئلے کا کیا ہوگا۔ امی مجھے فورس کررہی ہیں۔ شادی کرو جب تک میں بھابی سے بات نہیں کرلوں گا کیسے بات آگے بڑھ سکتی ہے۔''
''تم ایسا کرو خوشنما کو کال کرلو۔''
''نا نا میں خود سے!'' وہ گھبرایا۔
''تم تو ایسے گھبرا رہے ہو جیسے لڑکی کو اپنے رشتے کی بات کرتے ہوئے جھجکتے رہیں۔''
''میری بھابی سے ایسی کوئی زیادہ بات چیت نہیں ہے تم خود ہی یہ کام سرانجام دے دو پلیز بعد میں میرے بچے بھی دعا دیں گے۔'' وہ منت بھرے انداز میں گویا ہوا۔
''چل بکواس نہیں کر پہلے شادی تو کر لے بچے بعد کی بات ہے۔'' ہیثم کے چہرے پر بھی ایک سایہ سا آ کے گزر گیا۔
''یار بچے بھی اللہ کی نعمت ہوتے ہیں کیسے زندگی میں رونق آجاتی ہے۔''
''اے ہیلو کیا بات ہے کوئی خوش خبری ہے کیا۔'' اشعر نے معنی خیزی سے مسکرا کے پوچھا۔
''ن...... نہیں...... تو۔'' وہ سیدھا ہوگیا۔ ''خوشنما ایسے حالات ہی نہیں پیدا کررہی کہ ایسی کوئی بات ہو۔''
''وہ تو میں تمہاری بات پر کہہ رہا تھا۔'' اس نے انٹر کام پر جوس کا آرڈر دیا۔
''میں آج خوشنما سے بات کروں گا۔''
''بچے کے متعلق۔'' اشعر نے جھٹ سے کہا۔
''یار! کیا بکواس ہے۔'' وہ جھینپ گیا۔
''تمہارے رشتے کی تمہارا کیا ارادہ ہے ویسے یار جو ہم بھی بری نہیں ہے۔''
''دیکھو ہیثم! میں نے تمہاری کزن کو صرف تمہاری شادی پر دیکھا تھا اور میں ایسا کچھ اس کے متعلق جانتا بھی نہیں ہوں۔''
''اچھی لڑکی ہے تمہیں خوش رکھے گی۔''
''تمہاری بات ٹھیک ہے مگر مجھے کچھ میچور لڑکی چاہیے رمنا اس کے مقابلے میں سمجھدار ہے کیوں کہ میں نے اس کی سمجھداری دیکھی ہے۔''
''سوچ لو تمہاری بھابی کی طرح نہ نکلے یہ بھی تمہیں تڑا کے کے لے جائے۔'' ہیثم نے مسکرا کے آگہی دی۔
''جب خوشنما بھابی تمہیں تڑا کے نہیں گئیں۔ وہ بھی انہی کی بہن ہے ایسا بالکل نہیں کرے گی۔'' اشعر کو جیسے اس پر بہت یقین تھا۔
''خوشنما کی تو بات ہی نہیں کرو۔'' وہ اس دن کے بعد سے خوشنما سے بہت مایوس ہوگیا تھا۔
''میں بھابی کی بات ضرور کروں گا کیوں کہ تمہاری لائف انہوں نے اچھی بنادی ہے تمہارا بزنس اور تمہیں بھی۔''
''ہوں۔'' ہیثم نے جیسے اس کی بات سے اتفاق بھی کیا۔
اتنے میں جوس بھی آگیا تھا۔ دونوں ہی سنبھل گئے۔

''یار! اب میں چلوں گا کیونکہ میں تو آج جلدی آفس سے اٹھ کے آگیا تھا امی کا چیک اپ کروانا ہے۔'' اس نے جلدی جلدی جوس کا گلاس ختم کیا۔
''سن جلدی بات کر لینا۔''
''ہاں ہاں کرلوں گا بہت بے قراری ہے۔'' وہ معنی خیزی سے کہہ کر ہنسا تھا۔
اشعر پھر اس سے ہاتھ ملا کے رخصت ہو گیا تھا۔



''کسی دن شہریار کو اس کی مسز کو کھانا پر بلا لیتے ہیں۔'' ضمران نے اسے مخاطب کیا جو سارے کام سے فارغ ہو کے کمرے میں آگئی تھی۔
''شہریار ماموں منع کر رہے تھے۔'' اپنے دراز بالوں میں برش پھیرنے کے لیے اٹھا رہی تھی۔
''بٹ وائے۔'' وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز ہو گیا۔
''کہہ رہے تھے کھانے پر بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم خود کسی دن آجائیں گے۔''
''شہریار! بھی عجیب ہے بھانجی کا گھر سمجھ کے گریز کر رہا ہے۔''
''ہوں شاید۔'' اس نے صرف سر ہلایا۔
''پھر میں خود ہی بات کرلوں گا۔'' اسی دوران دروازے پر ناک ہوگئی۔
''ارے بھئی کون ہے آجاؤ۔'' ضمران نے چونک کے کہا۔
''واقعی آجاؤں۔'' مزمل کی شوخ آواز ابھری
''ہاں یار۔'' وہ ہنسا۔
''آپ دونوں کے لیے ایک اطلاع ہے دادی جان آئی ہیں۔ آپ دونوں کو پوچھ رہی تھیں امی نے کہا کہ میں آپ کو بلا کے لے آؤں۔'' حباب تو گھبرانے لگی ان کی آمد کسی طوفان سے تو کم نہیں تھی۔
''ابو کے آنے کی خبر ہوگئی ہوگی راشدہ پھپھو سے کہاں برداشت ہو رہا ہوگا سوچا آگ لگا کے تماشا دیکھ لوں۔''
''مزمل کوئی فضول بات نہیں۔'' ضمران نے ٹوکا۔
''بھائی جان مزے کی بات بتاؤں ابو تو دادی جان کو قصور وار ٹھہرا رہے ہیں۔''
''تم کیا ان باتوں میں پڑے ہو جاؤ اور ہاں بڑوں کی باتوں میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''
''او کے......او کے۔'' اس نے گم صم حباب کو دیکھا۔ جو لب کچلتی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔
''بھابی کو لگتا ہے، دادی جان کا آنا فکر مند کر رہا ہے۔''
''تم فضول بکواس میں لگ جاؤ ایسی کوئی بات ہے جاؤ تم۔'' مزمل مسکراتا ہوا چلا گیا۔ ضمران کی نگاہیں اس پر چلی گئیں۔
''حباب تم گھبراؤ نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں۔''
''مگر وہ تو پھر پوچھنے لگیں گی میں کیا جواب دوں گی۔'' وہ حیران پریشان سی سکتے کے عالم تھی۔
''کیا تو پوچھیں گی......'' وہ جیسے سمجھا نہیں۔
''یہی کہ کچھ نہیں۔'' اسے احساس ہوا تو وہ جھینپ کے رہ گئی وہ کیا بولنے والی تھی۔

"ابھی تم جو کچھ سوچ رہی ہو بعد میں سوچ لینا۔" ضمران نے جلدی سے چپل پاؤں میں ڈالی۔ اس نے بھی بالوں کو سمیٹ کر کیچر لگا کے کھلے چھوڑ دیے۔ ضمران کی ہمراہی میں جھکتے ہوئے باہر آ گئی۔ ابھی وہ لوگ عتیق احمد کے کمرے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ عتیق کی آواز پر رکے۔

"آپ نے کبھی مجھ سے پیار ہی نہیں کیا میرے بچوں اور بیوی کو در در بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا میری تو غلطی تھی ہی تبھی آپ نے مجھے اچھی صلاح نہیں دی۔ مجھے گمراہ ہی کرتی رہیں اور راشدہ اس نے بھی کبھی کوئی اچھی بات نہیں کی۔ مجھے اپنے گھر میں رکھا اور خود میری بیوی اور بچوں سے ملتی رہی اور آ کے برائیاں ہی کرتی رہی۔ آپ نے بھی اسے نہیں سمجھایا۔" عتیق احمد کی روہانسی آواز نکل رہی تھی۔

"مجھے خود عقل نہیں تھی۔" دادی جان بولیں۔ ضمران نے جب دیکھا بات بہت زیادہ تلخی میں جا رہی ہے تو وہ اندر آ گیا۔

"امی! یہ میرے بچے ہیں ان کی رضوانہ نے بہت اچھی تربیت کی ہے اتنے سال گزرنے کے بعد بھی ان بچوں نے مجھے گلے سے لگا لیا اگر نوین میری آنکھیں نہیں کھولتی تو میں شاید ایسے ہی زندگی گزارتا رہتا۔

"وہ نوین بھی بہت گھنی ہے۔ ماں کا دماغ خراب کر رکھا ہے اس نے۔" دادی جان کو نوین کی بھی خبریں مل گئی تھیں۔

"کیوں آپ کو خوشی نہیں ہوئی میں اپنے بچوں سے مل گیا۔" وہ انہیں حیرانگی سے دیکھ رہے تھے جو ذرا بھی خوش نہیں لگ رہی تھیں۔

"عتیق احمد دیکھنا یہ بچے تجھے ایک دن لات مار کے نکال دیں گے وہ آدم اس کی تو زبان ہی بہت چلتی ہے وہ تو تجھے بالکل برداشت نہیں کرے گا۔"

رضوانہ چپ بیٹھی تھیں۔ ان ماں بیٹے کی باتوں میں مداخلت نہیں کر رہی تھیں مگر انہیں اس رات کا بہت دکھ ہو رہا تھا کہ کیسی ماں تھیں بیٹے کو پھر غلط بات کر کے چڑھا رہی تھیں۔

حباب تو ان کی بزرگی کا خیال کر کے خاموش تھی۔ ورنہ وہ بھی بول سکتی تھی۔

"کوئی بات نہیں میرے چاروں بیٹوں میں سے کوئی تو ایک ہوگا جو اپنے باپ کو رکھ لے گا۔"

"ارے ابو آپ بالکل بھی ایسا نہیں سوچیں ہم آپ کے بیٹے ہیں ہم ایسا بالکل نہیں کریں گے دادی جان سے آدم ذرا تلخ ہو جاتا ہے تو یہ ایسا بول رہی ہیں ورنہ آدم ایسا نہیں ہے۔" ضمران نے حمایت میں وضاحت دی۔

"بیٹا مجھے اندازہ ہے مگر میری ماں کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے۔ صحیح اور غلط کا انہیں اندازہ نہیں ہو رہا۔"

"چل چل مجھے سب اندازہ ہے۔" وہ ہاتھ اٹھا کے بولیں۔

"اے لڑکی تمہیں سلام دعا سب بھول گیا۔" ان کا نزلہ حباب پر گرا وہ تو ویسے ہی پہلے سے گھبرائی ہوئی تھی۔ جھٹ سلام کیا۔

"رضوانہ چائے تو بنا کے بھیج دینا میں باہر بیٹھا ہوں۔" عتیق احمد بہت تھکے تھکے ہو گئے تھے۔ انہیں اپنی ماں کا رویہ اور سوچ پر بہت دکھ اور افسوس ہو رہا تھا۔

"ہاں ماں کی شکل بری لگ رہی ہے۔"

"امی ایسی کوئی بات نہیں ہے میرے سر میں درد ہو رہا ہے نیند بھی آ رہی ہے۔" انہوں نے عذر پیش کیا۔

''ابو آپ اپنے کمرے میں ہی آرام کریں ہم صبح ملتے ہیں۔''ضمران نے ہی ماحول کی تلخی کو دور کرنا چاہا۔
''آدم آجائے میں پھر سوؤں گا۔''وہ جب سے یہاں آئے تھے ان کے اندر بچوں کی محبت اور زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔
دادی جان عتیق احمد کے بیڈ پر ہی دراز ہو گئیں۔
''بیٹا تم جاؤ آرام کرو۔''انہوں نے حباب کے سر پر ہاتھ رکھا۔
ضمران اور وہ دونوں چلے گئے۔عتیق احمد کو یہی دکھ اور افسوس تھا۔ان کی ماں کو کوئی پشیمانی اور دکھ نہیں تھا وہ کتنے سالوں سے اپنے بیوی اور بچوں سے دور تھے۔
''رضوانہ تم بے فکر ہو جانا اب مجھے کوئی بھی گمراہ نہیں کر سکتا۔''انہوں نے کچن میں چائے بناتی رضوانہ سے کہا کیوں کہ ان کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔

☆......☆

وہ سب رات میں کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اپنے کمروں کا رخ کر رہے تھے۔
جب کہ ہیثم گہری سوچ میں ڈوبا ہال کمرے میں بیٹھا تھا۔اشعر نے بھی ایک ذمہ داری اسے سونپی تھی اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا خوشنما سے بات کرے یا نہیں کیوں کہ اس دن کے بعد سے وہ اس سے ہنوز اسی طرح ناراضی رکھے ہوئے تھا اس نے ذرا زوردار انداز میں اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔وہ تو اچھل ہی گئی بیڈ شیٹ ٹھیک کر رہی تھی۔دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا۔ڈارک میرون پرنٹڈ کپڑوں میں اس کی سرخ و سپید رنگت اور زیادہ چمک رہی تھی یا پھر وہ دن بہ دن نکھرتی جا رہی تھی۔اس کا ایک ایک نقش اتنا حسین تھا وہ اکثر رات کے اندھیرے میں نائٹ بلب کی ملگجی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھتا رہتا تھا۔کیوں کہ دن کے اجالے میں تو وہ اس کی جانب دیکھنے سے گریز کرتا تھا۔
خوشنما نے اپنے چہرے کا رخ نیچے کیا اور بیڈ شیٹ کی شکنیں ہاتھوں سے نکالنے لگی تھی۔
''کیسے بات کروں اور اب میں اس سے بات کروں، کبھی نہیں میری ہر وقت توہین اور تضحیک کیے جاتی ہے میں پھر بھی نرم پڑ جاتا ہوں مگر اب نہیں جھکوں گا۔''ڈریسنگ ٹیبل پر اپنا سیل رکھا اور چینج کرنے کے لیے واش روم گھس گیا۔
''لگتا ہے زیادہ ہی برا لگ گیا ہے جو اتنے دن گزرنے کے بعد بھی بات نہیں کر رہے ہیں۔''خوشنما کو اس کی یہ خاموشی کسی حیرانگی سے کم نہیں لگ رہی تھی وہ بات نہیں کر رہا تھا تو یہ بھی اسے مخاطب نہیں کر رہی تھی۔
یہی تو وہ چاہتی تھی اس شخص کو پل پل کی مار مارے اور اسے احساس ہو بےعزتی کیا چیز ہوتی ہے۔
سوچے جا رہی تھی اور اپنا کام بھی کیے جا رہی تھی۔بال ایک دم ہی آبشار کی طرح بکھر کے پشت پر لہرانے لگے۔ہیثم اسی وقت واش روم سے ایزی سے قمیض شلوار میں ملبوس باہر آیا تھا اس نے جلدی سے بالوں کو سمیٹا تھا وہ بیڈ پر تکیہ درست کر کے لیٹ گیا۔
خوشنما جھجک کے پیچھے ہٹ گئی تھی۔
''موصوف کو کچھ زیادہ ہی برا لگ گیا ہے۔''وہ اسے چوری چھپے دیکھنے لگی اس وقت ہیثم نے اس کی

چوری پکڑی وہ گڑبڑا کے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی تھی۔
وہ اٹھا اور بیڈ کی سائیڈ کی لائٹ آف کردی۔ آدھے حصے میں بیڈ روم سیٹ تھا اور آدھے میں ڈریسنگ ٹیبل اور دیگر فرنیچر سیٹ تھا۔ ہیثم ذرا اسٹائلش بندہ تھا۔ اس نے اپنا بیڈ روم بھی اسٹائلش ہی سیٹ کیا تھا۔
''پلیز یہ کھٹر پٹر بعد میں کرلینا میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے ناگواری سے کہہ کر اپنا رخ دوسری طرف کرلیا۔
''اگر زیادہ ہی میں آپ کو بری لگ رہی ہوں تو مجھے روانہ کیوں نہیں کر دیتے۔'' وہ تیز لہجے میں دہاڑی۔
''پلیز آہستہ بولو اور مجھ پر دہاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں پہلے ہی پریشان ہوں۔'' وہ نانا جان کے فیصلے کی وجہ سے بہت الجھا ہوا تھا۔
''جو دوسروں کو پریشان کرتے ہیں بعد میں خود ہی اپنی پریشانیوں میں الجھ جاتے ہیں۔'' خوشنما نے گہرا طنز کیا۔
''پلیز! اگر درد کم نہیں کرسکتی ہو۔ پریشانی دور نہیں کرسکتی ہو تو مرچیں لگانے کا کام بھی نہیں کرو۔'' وہ تو بری طرح بھنایا مگر خود کو کنٹرول میں رکھا ہوا تھا۔ وہ ایسا کوئی ری ایکٹ نہیں کرنا چاہتا تھا جو بعد میں پھر خوشنما کو اس کی کمزوری ہاتھ لگ جائے۔
''درد اور پریشانی آپ کو کیا پتا کیا ہوتی ہے۔'' وہ ترش روی سے جلتا ہوا تیر اس پر اچھالنے لگی۔
''تم کیا چاہتی ہو میں سولی پر ٹنگ جاؤں کیوں کہ تمہارا بدلہ ہی پورا نہیں ہو رہا۔ ایک شخص معافیاں مانگ رہا ہے مگر تم ایسی بے حس بن گئی ہو کہ ذرا احساس نہیں۔'' وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھا۔
خوشنما نے دیکھا اس کا چہرہ پریشانی اور غصے کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔
''ہاں میں بے حس ہوں اور مجھے احساس نہیں سارے احساس تو آپ رکھتے ہیں۔'' وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔
''اگر بعد میں نتائج کا اندازہ نہیں ہوا کرے تو جذبات میں آکر غلط بات نہیں کیا کریں۔'' وہ طنزیہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔
''ساری پریشانیاں آپ کی پیدا کردہ ہیں۔ ایک جھوٹ کو جھوٹ کیسے ثابت کریں گے یہ آپ کا درد سر ہے میرا نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر کمرے سے ہی نکل گئی۔ وہ اتنی تو بے حس بالکل نہیں تھی ہیثم کتنا اسے منانے کی کوشش کر چکا تھا۔ اس کے لیے بڑی ماما تک سے لڑ لیا۔ اتنا تو وہ اس کے ساتھ برا نہیں تھا اسے بھی بعد میں یقین دلانا مشکل ہو جائے۔ ہیثم کو اپنی غلطی کا احساس تھا اور کیا چاہیے تھا۔

☆......☆

وہ ابھی تک پڑی ہوئی سو رہی تھی اور وہ اسے کئی آوازیں بھی دے چکا تھا۔
''حسنی کم آن یار اُٹھ جاؤ۔'' وہ بہت بے زار کھڑا تھا۔ بھوک سے برا حال تھا اور نازیہ بھابی تو ابھی تک نہیں اٹھی تھیں۔ حسین بیگم بھی سو رہی تھیں اور وہ کچن میں کبھی اپنے لیے کچھ بنانے گیا نہیں تھا۔
''آپ کو کھانے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہوتا۔'' وہ تو چلبلا ہی گئی۔
''سنو! زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارا شوہر ہوں کوئی ملازم نہیں ہوں۔'' اس

نے حسنیٰ کی کلائی پکڑی اور اٹھا کے بٹھا دیا وہ تو تکلیف سے چیخ ہی پڑی۔
''کیا وحشت ہے۔'' وہ کلائی چھڑا کے سہلانے لگی۔
''تم بکواس کرتی رہو اور میں سنتا رہوں۔''
''میں ابھی نئی دلہن ہوں آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو ذرا بھی خیال نہیں ہے چاہتے ہیں کہ کولہو کا بیل بنی رہوں۔'' وہ تو غصے میں دانت پیسنے لگی۔
''تمہاری ماں نے بھی تو اپنی بھتیجی کو کولہو کا بیل بنایا ہوا ہے اس کے لیے تو کبھی احساس نہیں کیا ایسا۔'' شہریار دبنے والوں میں سے تو تھا ہی نہیں۔ وہ حسنیٰ پہ رعب اور دھونس رکھے ہوئے کہ جیسے اگلے پچھلے سارے حساب اس سے لے رہا ہو۔
''آپ کو بڑا خیال ہے میری ماں کی بھتیجی کا۔'' اس نے فہمائشی انداز میں طنز ہی کیا۔
''فضول بکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ ناشتہ بناؤ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ اسے حکم دے کے صوفے پر دھڑ سے لیٹا تھا۔
حسنیٰ دانت پیس رہی تھی اس گھر میں آ کے اسے لگتا تھا کسی کو بھی فکر نہیں نہ ہی عزت وقدر ہے۔
''الٹا سیدھا سوچتی رہو گی تو ایسے ہی برے منہ بناتی رہو گی۔'' وہ اس کے چہرے کے زاویے دیکھ رہا تھا۔ وہ تلملا کے واش روم میں گھس گئی۔
''حسنیٰ بیگم جب تک تم اپنے مزاج میں تبدیلی نہیں لاؤ گی میں ایسے ہی تمہاری بے عزتی کرتا رہوں گا۔ تمہارا دماغ ہمیشہ آسمان پر رہتا ہے۔'' شہریار سوچ جا رہا تھا۔ حسنیٰ باہر نکل کے اسے گھورنے لگی۔
''تمہیں لگتا ہے یہ احساس نہیں کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔''
''شوہر ہیں تو کیا سر پر بیٹھا کے ناچوں۔'' وہ تو تنگ ہی گئی۔
''شٹ اپ تمہیں ذرا بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں ہے۔''
''آپ کو جیسے بہت ہے۔'' بالوں کو تیزی سے برش چلا کے سیدھے کر رہی تھی۔
''خیر میں تو اپنی بات کر ہی نہیں رہا۔'' اس نے سیل پر کال چیک کی۔
اور وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ اسے سب کا ہی ناشتہ بنانا پڑا تھا۔ حسنیٰ بیگم تو کب کسی کے احسان ماننے والوں میں سے تھیں۔
''ہمارے ہاں تو بہوئیں گھر کے سارے کام کرتی ہی ہیں۔'' وہ پراٹھے کا لقمہ منہ میں رکھ کے گویا ہوئیں۔
حسنیٰ غصے میں پہلو بدل کے رہ گئی۔
''ہاں بہوؤں کے دل تو ہوتے نہیں ہیں وہ محض نوکرانیاں ہوتی ہیں اپنے ماں باپ کے گھر فالتو ہوتی ہیں جو سسرال بھیج کے ایک نوکرانی مہیا جو کر دیتے ہیں۔'' وہ دل ہی دل میں بہت بھنا رہی تھی غصے میں ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ کسی نے بھی اسے ناشتہ کا کہا بھی نہیں تھا۔
شہریار اس کا غصہ سب سمجھ رہا تھا مگر وہ بھی کچھ نہیں بولا تھا۔
''مجھے کچھ دنوں کے لیے گھر جانا ہے۔''
''کیوں خیریت؟'' شہریار نے حیرانگی سے پوچھا۔

(جاری ہے)

ثناء کنول

ناولٹ

محبت رائیگاں میری

رات کے اندھیرے نے جیسے ہی روشنی کو گھیرا تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر آئی، سامنے بڑا سا لان تھا وہ آگے پیچھے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا دادی کا



خوف کچھ کم نہیں تھا، وہ تو ویسے بھی اس کی ہر عادت سے چڑتی تھیں، لیکن وہ بھی کیا کرتی اپنے دل سے جو مجبور تھی، اسی لئے باز نہیں آتی تھی اپنی حرکتوں سے۔
اس وقت بھی سردی اپنے جوبن پر تھی اور ایسے ہو تو نہیں سکتا تھا کہ سردی ہو کالی رات ہو اور وہ لان میں چہل قدمی نہ کرے، ایسے تو کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بڑی سی شال کو اچھی طرح اپنے اردگرد لپیٹے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لان میں چلی آئی نرم اور ٹھنڈی گھاس پر قدم رکھتے ہی اسے اپنے اندر سکون اترتا ہوا محسوس ہوا تھا، وہ گھاس پر جوتا اتار کر چہل قدمی کرنے لگی۔ پھر بے اختیار اس نے اپنے بازو کھولے ہاتھ اٹھائے گول گول چکر کھانے لگی، آنکھیں زور سے بند کر لیں تھیں اس کے لب مسکرا رہے تھے کہ ایک دم اس کے پاس کسی نے زور سے چیخ ماری تھی اس نے بے اختیار آنکھیں کھولیں اور ڈر کر کچھ قدم پیچھے ہٹ گئی، جبکہ اس نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا تھا پھر نرمی اور شرارت سے بولا۔
''یہ بندروں کی طرح کیا کر رہی تھیں، تم سچ بہت ڈرپوک ہو''۔ اس کی بات پر فائقہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا پھر بولی۔



''یہ کیا حرکت تھی ابراہیم زمان! مجھے ایسے لگا کہ جیسے کوئی چور ہو''۔ وہ جب بھی ناراض ہوتی تھی تو اسے ابراہیم زمان ہی بلاتی تھی۔

''چوروں والی حرکت تو تمہاری تھی فائقہ ماجد زمان! دادی دیکھ لیتیں ناں تو تمہاری اچھی خاصی خبر لیتیں''۔

وہ نرمی سے مسکرا کر اسی کے انداز میں بولا تو فائقہ بولی۔

''وہ تو میری ہر بات سے چڑتی ہیں، انہیں میری خوشی کی زرہ پرواہ نہیں ہے''۔

''غلطی تمہاری ہے فائقہ! تمہاری سوچ کی غلطی ہے، وہ تم سے بے حد محبت کرتی ہیں، انہیں تمہارا احساس ہے اسی لئے تو وہ تمہیں ہر بری بات پر ٹوکتی ہیں''۔

وہ ہمیشہ کی طرح اسے سمجھانے لگا تو وہ بات بدل گئی۔

''ویسے تم اس وقت بھی جاگ رہے تھے''۔

''ہاں اصل میں میں آفس کا کام کررہا تھا، تو بس پھر ابھی فارغ ہوا ہی تھا کہ کھڑکی سے تمہیں یہاں پر بندروں والی حرکت کرتے دیکھا تو سوچا کہ کیوں نا تمہیں ڈرایا جائے۔ اسی لئے یہاں چلا آیا، اوف خدا کس قدر سردی میں تم یہاں پر کھڑی تھیں سچ مچ دادی تمہیں ڈانٹتی ہیں ابھی بخار ہوجائے گا چلو اندر''۔

اسے اچانک سردی کا احساس ہوا تو فکر مندی سے بولا تو وہ اس کے پیچھے چلی آئی شدت سے اس نے دعا کی تھی۔

''یا اللہ! اس شخص کو میرا مقدر کردے (آمین)''

لیکن ہر وقت قبولیت کا نہیں ہوتا اور ہر دعا قبول ہونے کے لئے نہیں ہوتی۔

☆......☆......☆

وہ حسب معمول لیٹ ہی ٹیبل پر پہنچی تھی سب کو اپنا انتظار کرتے پا کر ایک دم شرمندہ ہوگئی بڑے بابا نرمی سے بولے۔

''ضوفشاں بیٹا! آپ اکثر ناشتے کی ٹیبل پر لیٹ ہی آتی ہو آج آپ کو سزا ملے گی''۔

عامر زمان نرمی سے اپنی مسکراہٹ دبا کر بولے تو سب نے اسے دیکھا جبکہ وہ سر جھکا کر بولی۔

''سوری بڑے بابا! اصل میں نا میں رات کو لیٹ سوئی تھی آئی پرامس آئندہ ایسا نہیں ہوگا''۔

وہ بولی تو عامر زمان کا قہقہہ بے ساختہ تھا جبکہ ابراہیم آہستہ سے بولا جسے صرف وہ سن سکی۔ ''جس دن تم وقت پر آؤ گی نا اس دن انقلاب ہوگا''۔

اس نے گھور کر اسے دیکھا جبکہ ان کی باتوں سے انجان عامر زمان مسکرا کر بولے۔

''بیٹا! آپ کی سزا یہ ہے کہ آج شام کی چائے آپ بناؤ گی''۔

''جی بابا'' وہ بے چارگی سے بولی اسے چائے بنانے سے سخت چڑ تھی لیکن اس کی ایسی ہمت کہاں کہ وہ بڑے بابا کو انکار کرتی اسی لئے بمشکل بولی تو اس کا چہرہ دیکھ کر بوند، ساون، فائقہ، صائقہ اور سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا، اس نے سب کو گھور کر دیکھا، تو اس سارے معاملے میں خاموش بیٹھے ماجد زمان نرمی سے بولے۔

''ضوفی بیٹا! زندگی میں ایسے بہت سے مواقع آتے ہیں جب ہمیں بہت سی باتیں اپنے مزاج اور عادت کے خلاف برداشت کرنی پڑتی ہیں، جو انہیں برداشت کرلیتا ہے وہ خوش رہتا ہے''۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا بھائی! اچھی زندگی گزارنے کے لئے صبر کرنا بے حد ضروری ہے، ورنہ انسان تہی درماں رہ جاتا ہے''۔

ان کی بات پر عابد زمان سنجیدگی سے بولے تو سب نے اثبات میں سر ہلا کر ان کی تائید کی۔

وہ اس وقت لان میں بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہورہے تھے، بڑے الگ ٹولی بنا کر بیٹھے تھے لڑکے الگ اور لڑکیاں الگ۔ موسم بھی بے حد خوبصورت ہورہا تھا شام کے سائے چاروں طرف پھیل

رہے تھے سب پرندے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے، تبھی ضوفی نے کہا۔

"یار! یہ کہانیوں کی زندگی بھی کس قدر عجیب ہوتی ہے نا۔ جب رائٹر کا دل چاہتا ہے ہیرو ہیروئن کو ملا دیتا ہے، جب چاہے انہیں جدا کر دیتا ہے کہانی کے جس موڑ پر چاہے خوشیاں بکھیر دے اور جب چاہے کرداروں کو دکھوں سے بھر دے یہ کہانیوں کی زندگی انسانوں کی زندگیوں سے اس قدر مختلف کیوں ہوتی ہے؟"

"کیونکہ اصل زندگی کا لکھنے والا ہمارا رب ہے وہ جب چاہے ہمارا نصیب جوڑ دے یا پھر الگ کر دے ہم انسان صرف دعا کر سکتے ہیں لیکن یہ سچ ہے کہ وہ ہمیں ہماری برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیتا، تو ہمارے اعمال سے زیادہ سکھ ضرور دیتا ہے۔"

اس کی بات پر بوند سنجیدگی سے بولی تو فائقہ نرمی سے بولی۔

"ہر کہانی حقیقت سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی ہے۔"

"مجھے اس سب کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ زندگی ایک سوال ہے، جسے ہم چاہے تو صحیح کریں یا پھر خراب اور ویسے بھی ہر کہانی میں جس طرح حقیقت نہیں ہوتی جھوٹ بھی نہیں ہوتا۔"

ماریہ نرمی سے بولی تھی کنول چچی کی آواز آئی۔

"لڑکیوں اندر چلو مغرب کی نماز کا ٹائم ہو رہا ہے۔"

وہ سب اٹھ کر اندر چلی گئیں جبکہ ایک سوال وہیں پر کھڑا جواب مانگ رہا تھا کہ کیا واقعی ہر کہانی جھوٹ ہوتی ہے یا پھر سچ؟

عامر زمان، عابد زمان اور ماجد زمان تینوں بھائی تھے اور ایک ہی گھر میں رہتے تھے ان کی صرف ایک بہن ساجدہ تھی جو کہ لاہور میں رہتی تھیں۔ عامر زمان کے تین بچے تھے ایک بیٹی بوند بیٹا ساون اور ابراہیم جبکہ عابد زمان کی ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے، ضوفی عرف ضوفشاں اور نعمان جبکہ ماجد زمان کے پانچ بچے تھے ایک بڑی بیٹی نائلہ پھر فائقہ، ساشا اور اسحاق، امجد۔ سب ایک ہی گھر میں رہتے تھے، کنول بیگم عامر کی بیوی ہیں، جبکہ شانی بیگم عابد کی اور نسرین بیگم ماجد کی۔

وہ سب نجانے کب سے اس کا سر کھا رہے تھے، جبکہ وہ مصنوعی خفگی دیکھا رہی تھی۔ مصطفیٰ اور ساون نے اسے جوش دلایا۔

"اصل میں نا یہ دادی جان سے ڈرتی ہے اسی لئے انکار کر رہی ہے بس یہ بھی ڈرپوک ہے یار"۔

وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا اور مڑا تو فائقہ بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتی ابھی ثبوت دکھاتی ہوں۔"

کہتے ہوئے وہ لان میں لگے درختوں کی طرف بڑھی تو سب نے ایک دوسرے کو آنکھ ماری، دوپہر کا وقت تھا اور دادی اماں اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں سب نے اسے کہا تھا کہ وہ درخت پر چڑھ کر انہیں آڑو توڑ دے اس نے آڑو توڑ کر نیچے پھینکا تو سب نے اٹھانا شروع کر دیا، مصطفیٰ خوشامد کرتے ہوئے بولا۔

"قسم سے یار! اللہ سب کو تمہارے جیسی کزن دے، جو ہر کام کرتی ہے دل خوش کر دیا ہمیشہ خوش رہو شاد رہو آباد رہو۔"

وہ بڑے بوڑھوں کی طرح دعا دیتے ہوئے بولا تو سب نے بیک وقت آمین کہا۔ وہ فرضی کالر جھاڑ کر بولی۔

"اچھا!، اچھا ٹھیک ہے اب میں نیچے آ رہی ہوں ہٹو سب۔"

اس نے کہتے ہوئے اپنا ایک پاؤں شاخ پر رکھا اور اترنے کی کوشش کرنے لگی۔ تبھی بوند کو شرارت سوجھی تو وہ چیخ کر بولی۔

''دادی آ رہی ہیں بھاگو۔''
یہ کہنے کی دیر تھی کہ سب بھاگ گئے اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور دھڑم سے نیچے آ گری، پاؤں ایک دم مڑ گیا تھا درد کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، پھر دادی کا خیال آتے ہی اس نے اپنے اردگرد دیکھا تو دادی کہیں پر نہیں تھیں لیکن وہ سامنے کھڑا اسے گھور رہا تھا وہ ایک دم شرمندہ ہو گئی۔
''وہ سب نے مجھے کہا تھا کہ لیکن میں نے منع بھی کیا تھا آوچ''۔ کرتے ہوئے وہ وہیں پر بیٹھتی چلی گئی اب اسے شرمندگی سے رونا آ رہا تھا پاؤں میں موچ آ چکی تھی، اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا دو آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ کر اس کے رخساروں پر پھیلتے چلے گئے، تو ابراہیم جو نجانے کب سے اپنی مسکراہٹ روکے کھڑا تھا اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولا۔
''چلو ہاتھ دو مجھے''۔ اسے ہاتھ دیتے ہوئے فائقہ نے شدت سے اس کے ساتھ کی دعا مانگی تھی جبکہ وہ اس کے جذبوں سے انجان اسے سہارا دیتے ہوئے اس کے کمرے میں لے آیا، سامنے صوفے پر اسے بیٹھا کر الماری سے اسپرے اٹھا کر اس کے پاؤں پر کرتے ہوئے نرمی سے بولا۔
''ابھی ٹھیک ہو جائے گا تمہارا پاؤں بس ذرا سی موچ آئی ہے، میں بوند کے ہاتھ چائے اور پین کلر بھیج رہا ہوں کھا لینا اور ہاں اب میں تمہیں بندروں والی حرکت کرتے ہوئے نہ دیکھوں''۔
وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تو فائقہ نے بے اختیار اپنے پاؤں کو دیکھا اور اس ہاتھ کو جسے ابراہیم نے تھاما تھا اسے اپنے ہاتھ پر ابھی بھی ابراہیم کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔
''کتنا خیال کرتے ہیں نا میرا تو کیا یہ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں''۔
وہ سوچتے ہوئے مسکرا دی، کتنا خوش کن احساس تھا نا یہ کہ جسے وہ نجانے کب سے اپنے دل میں بسائے بیٹھی ہے وہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

☆

وہ سب پریشان سی کچن میں کھڑی تھیں بات ہی ایسی تھی کہ آج سب گھر والے دادی جان کے کمرے میں بیٹھے، آخر کیا وجہ تھی کہ اتنی دیر سے سب ایک ہی جگہ پر موجود تھے، سب کے ہاتھ تو چل رہے تھے لیکن دماغ سوچوں میں گم تھا۔
''جی اماں جان! آپ نے کچھ بات کرنی تھی''۔
عامر زمان فرمانبرداری سے بولے تو دادی جان نے ایک نظر سب کے چہروں پر ڈال کر کمزور سی آواز میں کہا۔
''میں نے سوچا ہے کہ کیوں نا ہم مصطفیٰ اور نائلہ کی جبکہ ساون اور ساشا کی رخصتی کر دیتے ہیں، جہاں تک ابراہیم کی بات ہے تو اس کی منگنی فائقہ سے کر دیتے ہیں شادی بعد میں کر لیں گے''۔
ان کی بات پر سب کے چہروں پر رونق پھیل گئی عامر زمان بولے۔
''جیسے آپ کی مرضی اماں بس بچوں سے پوچھ لیں''۔
''کیوں نہیں''۔ دادی مسکرا کر بولیں تو سب مسکرا دیئے مصطفیٰ، نائلہ کا اور ساون ساشا کا نکاح ہو چکا تھا اب رخصتی کرنی تھی، روشنی ولا میں ایک دم خوشیاں پھیل گئی تھیں۔
اس نے اپنی کتابیں بند کیں اور ابھی سونے ہی والی تھی کہ دروازہ نوک کر کے نسرین بیگم اندر داخل ہوئیں تو وہ اٹھ کھڑی۔
''ارے امی آپ، مجھے بلا لیا ہوتا، بیٹھئے نا''۔
''ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی بیٹھو ادھر میرے پاس''۔
وہ نرمی سے کہتے ہوئے اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں تو فائقہ حیران سی ان کے ساتھ بیٹھ گئی انہوں نے اس کا سر

اپنی گود میں رکھ لیا اور پیار سے بولیں۔
"نو ماہ میں نے تمہیں کس طرح اپنے پیٹ میں رکھا یہ صرف میں جانتی ہوں، اس کے بعد ایک ایک پل کس طرح میں نے تمہارا خیال رکھا آج تم اتنی بڑی ہوگئی ہو کہ تمہیں رخصت کرنے کا وقت آ گیا ہے"۔
"جی امی کیا مطلب؟" وہ ناسمجھی سے بولی تو انہوں نے کہا۔
"مصطفیٰ اور ساشا وغیرہ کی رخصتی کے ساتھ ہی ہم تمہاری منگنی کر دیں گے"۔
"کس سے"۔
"ابراہیم سے اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو تم مجھ سے کہہ سکتی ہو"۔
"نہیں امی! ایسی کوئی بات نہیں"۔
وہ بے ساختہ بولی تھی اسے ایک دم امی سے شرم آئی تھی، اس نے ان کی گود میں منہ چھپالیا۔ اس رات وہ خوشی سے ساری رات سو نہیں سکی تھی، اسے ایسے لگتا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو، ساری رات اس نے شکرانے کے نفل پڑھتے گزاری تھی آخر خوشی بھی تو اس قدر بڑی تھی، اسے اس کی محبت مل رہی تھی بچپن کی محبت، شاید اس وقت کی جب اسے لفظ محبت کا بھی پتہ نہیں تھا اسے صرف اتنا پتہ تھا کہ وہ ابراہیم سے محبت کرتی تھی بے حد وحساب اتنی کہ اسے محسوس ہوتا تھا کہ ابراہیم اس کی ذات کا ایک حصہ ہو جیسے یا پھر اس کے دل کی دھڑکن بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وہ صبح ہی اپنی دوستوں کے ساتھ مارکیٹ کے لئے نکل گئی تھی اور اس وقت دن کے 2 بجے واپس آئی تھی، اس نے اپنے لئے ڈھیروں چوڑیاں خریدیں تھیں کہ چوڑیاں اسے پسند تھیں اور اس کے محبوب کی پسند سے اسے عشق تھا، جس سے کبھی کبھی وہ خود ہی ڈر جاتی تھی، کہ آخر وہ ایسے شخص کے لئے اتنی جنونی کیوں ہے، جسے اس کے جذبوں کا احساس تک نہیں ہے، اسے لگتا کہ جیسے محبت ایک سحر ہو جو اس کے محبوب نے اس پر پھونک دیا تھا کہ اسے ہر جگہ صرف وہی وہ نظر آتا تھا۔ بچپن سے امی ابو چچا چچی سب نے اس کی ہر خواہش پوری کی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی اس خواہش کا بھی سب ہمیشہ کی طرح احترام کریں گے۔ اسے ابراہیم سے محبت اس وقت ہوئی تھی جب مصطفیٰ اور ساون بھائی کا نکاح تھا تب اس نے اسے غور سے دیکھا تھا، اس کی ساری دوستوں نے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ اس کے لئے ہی بنا ہے وہ اس کا مقدر ہے، اسے خود پر ناز تھا یقین تھا کہ ابراہیم اسے کبھی ریجیکٹ نہیں کرے گا، مگر اکثر وہ نہیں ہوتا جو ہم سوچتے ہیں۔ وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئی تو سب کو وہاں پا کر ایک پل کو حیران ہوئی، کیونکہ اس وقت سب مرد آفس ہوتے تھے اور لڑکیاں کچن میں، مگر آج کچھ مختلف تھا وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی، تو کنول بیگم ہاتھوں میں مٹھائی کی پلیٹ لئے اس کے پاس آ کر نرمی سے بولیں، آخر بیٹی کے دل کے حال سے واقف جو تھیں۔
"ضوفی بیٹا! یہ لو منہ میٹھا کرو، مصطفیٰ اور ساون کی رخصتی کی بات طے ہوگئی ہے ساتھ میں فائقہ کی منگنی بھی"۔
اس نے خوشی سے ان کے ہاتھوں سے رس گلا لے لیا اور منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔ "فائقہ کی منگنی کس سے ہوئی ہے امی؟"
"ابراہیم سے، تم سارا دن تو باہر رہی ہو گھر میں رہو تو کچھ پتہ بھی ہو"۔
کنول بیگم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی نسرین چچی خوشی سے بولیں تو اسے ایسے محسوس ہوا کہ جیسے اس کے اردگرد بم پھٹا ہو، اس نے بے اختیار سامنے بیٹھے فائقہ اور ابراہیم کو دیکھا جو کسی بات پر مسکرا رہے تھے، اس کے ہاتھوں سے شاپنگ بیگ نیچے گر گئے ان میں موجود چوڑیاں چھن چھن کرتی ایک ساتھ ٹوٹی تھیں بالکل اس کے دل کی طرح، سب نے چونک کر اسے دیکھا جبکہ وہ ایک طرف گر گئی۔ اسے جب ہوش آیا تو

سب کو اپنے اردگرد پا کر اسے بے حد شرمندگی ہوئی، عابد زمان پریشانی سے بولے۔

''کیا ہوا تھا میری جان کو، اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''کچھ خاص نہیں بابا! بس تھکن ہوگئی ویسے اب میں بہتر ہوں پلیز آپ سب مجھے اکیلا چھوڑ دیں''۔

وہ نظر جھکا کر بولی تو نسرین بیگم نرمی سے بولیں۔

''ٹھیک ہے بیٹا تم اب آرام کرو''۔

وہ کہتے ہوئے باہر چلی گئیں آہستہ آہستہ سب باہر چلے گئے تو اس نے اٹھ کر پہلے دروازہ بند کیا پھر زور سے گانے چلا کر وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو بھی اس کے دل کے حال کے بارے میں پتہ چلے عامر زمان کو اس طرح گانے لگانا برا تو لگا، لیکن وہ ضوفشاں کی حالت کا سوچ کر چپ کر گئے۔ اس نے ہمیشہ سے ہر چیز حاصل کی تھی جیت ہمیشہ سے اس کا مقدر بنی تھی، تو اس بار وہ ہار جاتی روتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا، بے شک وہ بے حد خوبصورت نہیں تھی لیکن فائقہ کے مقابلے میں پرکشش ضرور تھی۔

''نہیں فائقہ ماجد! تم مجھ سے میرے ابراہیم کو نہیں چھین سکتیں میں نے اسے اپنے دل میں بسایا ہے، اسے ہر پل اپنے رب سے مانگا تو پھر وہ تمہارا مقدر کیسے ہو سکتا ہے، منگنی وہ بے شک تم سے کرے گا، لیکن شادی صرف مجھ سے کرے گا کیونکہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے''۔

وہ خود کلامی کرتے ہوئے بولی ایک عزم سے اپنے آنسو صاف کیے اس نے گھر میں شادی کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں کسی کی چوڑیاں نہیں تھیں کسی کے کپڑے بالیاں جوتے اور خود نعمان، اسحاق، ابراہیم، مصطفیٰ، ساون پانچوں بری طرح گھن چکر بنے ہوئے تھے، کوئی ٹیلر کے پاس جا رہا تھا کوئی جہیز کا سامان دیکھنے کوئی شادی کے کارڈ دینے کسی کو بھی ایک پل کا ٹائم نہیں تھا۔ ساری لڑکیاں کچن میں مصروف تھیں کہ کنول چچی فائقہ سے بولیں۔

''فائقہ بیٹا! ابراہیم چائے مانگ رہا تھا''۔

فائقہ کا دل ایک دم سے تیز تیز دھڑکنے لگا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی یا کرتی ضوفی فائقہ سے بولی۔

''فائقہ! تمہیں دادی بلا رہی تھیں میں بتانا ہی بھول گئی تھی میں ابراہیم کو چائے دے دیتی ہوں، ویسے بھی اسے میرے ہی ہاتھوں کی چائے زیادہ پسند ہے''۔ وہ ابراہیم کے نام پر زور دیتے ہوئے بولی تو فائقہ ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی اور بجھے دل کے ساتھ دادی کے کمرے کی طرف چلی آئی صبح سے وہ بہت مصروف ہونے کے باوجود ابراہیم کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک نظر ہی سہی اسے دیکھ سکے، مگر موقع ہی نہیں مل رہا تھا دل بہت بے چین ہو رہا تھا اس کا ابراہیم کو دیکھنے کو اسے لگا کہ جیسے ابراہیم نے کوئی کوشش نہ کی ہو، لیکن ایسا نہیں تھا خود ابراہیم اسے دیکھنے کو بے قرار تھا، لیکن ہر کوشش ناکام رہی تو وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ ان کی منگنی تو ہو ہی چکی ہے، شادی بھی ہو جائے گی وہ اس کی ہے یہ خیال ہی کس قدر پیارا تھا اور وہ اسی خیال سے بے پرواہ ہو گیا۔ بالآخر مصطفیٰ اور نائلہ وغیرہ کی رخصتی بھی ہو گئی اور دن رات اپنے معمول پر واپس آ گئے۔ وہ جیسے ہی کچن میں داخل ہوئی، تو چچی محبت سے بولیں۔

''فائقہ بیٹا! جا کر ابراہیم کو تو جگا دو بچارا اتنے دنوں سے تو اس نے صحیح طرح سے ناشتہ بھی نہیں کیا چلو جاؤ شاباش''۔

''جی اچھا''۔

کہتے ہوئے وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ ابراہیم کے کمرے کے پاس چلی آئی کہ اندر سے آتی ضوفی کی آواز پر رک گئی۔

''مجھے آپ سے بات نہیں کرنی ابراہیم! محبت مجھ سے اور شادی فائقہ سے میں جانتی ہوں کہ آپ نے دادی کے کہنے پر ہی اس سے شادی کے لئے حامی بھری

ہے''۔ وہ اور بھی نجانے کیا کچھ کہہ رہی تھی کہ اسے وہاں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا وہ مڑی اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی آج اس کا مان یقین اور اعتبار ٹوٹ گیا تو یہ سچ تھا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا، بلکہ وہ ضوفی سے، اس سے آگے اس سے سوچا نہیں گیا وہ روتی چلی گئی بے حد و حساب وہ کبھی بھی بھیک میں ملی محبت نہیں پانا چاہتی تھی۔ ضوفی نے ایک نظر دروازے کو دیکھا جہاں سے فائقہ مڑی تھی اور مسکرا کر رہ گئی۔ ابراہیم واش روم میں تھا وہ تو ان سب باتوں سے لاعلم تھا۔

اس نے ایک بار اور ابراہیم کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور اپنے کمرے سے باہر چلی آئی۔ وہ جیسے ہی لاؤنج میں آئی سامنے ضوفی اور ابراہیم کوئی بات کر رہے تھے ابراہیم کے چہرے پر پریشانی صاف نظر آ رہی تھی وہ ابراہیم سے بولی۔

''ابراہیم! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی''۔

''سوری یار! ہم ابھی آ رہے ہیں پھر بات کریں گے''۔

وہ کہتے ہوئے اٹھا اور ضوفی کے ساتھ لاؤنج سے نکلتا چلا گیا اور فائقہ کو یقین ہو گیا کہ اس نے جو کچھ سنا تھا وہ سب سچ تھا، اور جو فیصلہ لیا تھا وہ صحیح ہے۔ سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے جبکہ وہ اپنے ہاتھ سے ابراہیم کے نام کی انگوٹھی اتار کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔

''مجھے آپ سب پلیز معاف کر دینا میں یہ رشتہ نہیں نبھا سکتی''۔

''لیکن کیوں کیا ہوا بیٹا کوئی بات ہوئی ہے کیا؟''

دادی جان نرمی سے بولیں تو وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔

''یونو دادی! میں نے کہیں پر پڑھا تھا کہ کچھ سوالوں کے جواب نہ دینے میں ہی عافیت ہوتی ہے انسان اور رشتوں کا بھرم رہ جاتا ہے''۔ وہ کہتے ہوئے مڑی اور بھاگ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ضوفی کے لبوں پر ایک فاتح مسکراہٹ پھیل گئی آخر جیت اس کی ہوئی تھی، سب گھر والے اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے لیکن اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا بس اتنا کہا کہ وہ یہ شادی خود کرنا ہی نہیں چاہتی، نسرین بیگم جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں تو فائقہ جلدی سے آنسو صاف کر کے بولی۔

''امی! آپ......''

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی''۔

''پلیز امی! میں اس بارے میں کچھ بات نہیں کرنا چاہتی''۔ وہ بولی تو انہوں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور نرمی سے بولنے لگیں۔

''مسائل ایسے چپ ہونے سے کبھی حل نہیں ہوتے، جب تک ان کا حل نہ ڈھونڈا جائے۔ چلو مجھے سچ سچ اپنے انکار کی وجہ بتاؤ تمہیں میری قسم''۔

''امی! ابراہیم اور ضوفی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں میں نے خود ضوفی کی آواز سنی تھی وہ جب ابراہیم سے بات کر رہی تھی اور میں نے خود ضوفی کے فون پر ابراہیم آئی لو یو کا میسج دیکھا تھا، امی میں کیسے ایک ایسے شخص سے شادی کر لوں جو مجھ سے نہیں کسی اور سے محبت کرتا ہو، جواب دیں مجھے امی۔ مجھ سے نہیں ہو گی یہ شادی ابراہیم کی یہ صرف مجبوری ہے اور کچھ نہیں''۔

روتے ہوئے انہیں سب کچھ بتا دیا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں تو وہ مزید بولی۔

''امی! میں ساجدہ آنٹی کے گھر جانا چاہتی ہوں، اگر کچھ دن اور یہاں پر رہی تو میں مر جاؤں گی۔ میں جب جب ابراہیم کو دیکھتی ہوں اندر ہی اندر مرتی چلی جاتی ہوں پلیز امی مجھے روز روز مرنے سے بچالیں''۔

وہ تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے بولی تو ان کا دل دکھ سے بھر گیا وہ نم آواز میں بولیں۔

''ٹھیک ہے بیٹا! تم پریشان نہ ہو، چلو چپ ہو جاؤ، کسی نے صحیح ہی کہا ہے۔ پاؤں گیلا کیے بغیر تو سمندر پار کیا جاسکتا ہے مگر آنسو بہائے بغیر زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔ دکھ درد تو زندگی کا حصہ ہیں نا تو پھر اگر ہم صرف دکھ یاد رکھیں گے تو زندگی کیسے گزرے گی ہر دکھ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا سیکھو۔''

وہ اسے سمجھانے لگیں جبکہ فائقہ اندر ہی اندر کھوکھلی ہوتی جارہی تھی۔ کچھ دکھ انسان کے اندر رہتے ہوئے آہستہ آہستہ ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، پھر وہ انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں، اسے جیتے جی مار دیتے ہیں، زندہ لاش بنا دیتے ہیں اور وہ بھی خود کو زندہ لاش تصور کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

اسے جیسے ہی منگنی ٹوٹنے کا پتہ چلا تو وہ ساکت رہ گیا اور ان دنوں وہ ویسے بھی بے حد مصروف تھا کافی دن آفس سے چھٹی کرنے کی وجہ سے کاموں کا لوڈ بڑھ گیا تھا، اسی لئے اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے ایسا کیا ہوا تھا کہ فائقہ نے منگنی توڑ دی وہ جواب چاہتا تھا لیکن وہ منظر سے ہی غائب ہو چکی تھی، اس نے ان کے گھر نجانے کتنی بار فون کیا مگر ہر بار اسے جواب ملتا یا تو وہ گھر پر نہیں ہے یا پھر وہ سو رہی ہے، یا بات نہیں کرنا چاہتی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اڑ کر لاہور ساجدہ آنٹی کے گھر پہنچ جاتا، ویسے اسے آفس سے چھٹی بھی نہیں مل رہی تھی وہ بے حد بے حساب پریشان تھا۔ سمندر کے پاس ہوتے ہوئے بھی وہ پیاسا تھا۔ اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں رگڑی اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

نسرین بیگم نے سب کچھ جا کر عامر زمان عابد زمان اور ماجد زمان کے ساتھ دادی جان کو بتا دیا تو عامر زمان نرمی سے بولے۔

''اگر ایسا ہے تو ابراہیم اور ضوفی کی شادی کر دینی چاہئے کیوں اماں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''جیسے تمہاری اور بچوں کی مرضی''۔

''تو ٹھیک ہے نکاح کی تیاری شروع کریں سب یہ شادی جلد سے جلد ہو جانی چاہئے، لیکن ابراہیم کو پتہ نہیں چلنا چاہئے اسے ہم سب سرپرائز دیں گے''۔

عابد زمان مسکرا کر بولے تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور چھپ کر باتیں سنتی ضوفی کھل کر مسکرا دی آخر جیت اس کی ہی ہوئی اس نے اپنی محبت آخر پا ہی لی تھی، یہ سوچے بغیر کیا واقعی اس نے اپنی محبت پالی تھی۔

☆......☆......☆

وہ آفس سے تھکا ہارا لوٹا تھا کہ گھر کو دیکھ کر حیران رہ گیا پورا روشنی والا، روشنی میں نہایا ہوا تھا وہ حیران ہوتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا، تو عامر زمان نے مسکراتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا اور مسکرا کر بولے۔

''مبارک ہو بیٹا! آخر تمہیں محبت آج ملنے ہی والی ہے، جاؤ تیار ہو جاؤ آج تمہارا نکاح ہو رہا ہے کچھ دیر میں مولوی صاحب آتے ہی ہوں گے۔''

وہ حیران پریشان سا کھڑا تھا جبکہ عابد زمان کے بلانے پر وہ چلے گئے۔

''تو اس کی شادی فائقہ سے ہو رہی ہے فائقہ نے منگنی سے انکار کیوں کیا تھا اور اب ایک دم سے شادی کے لئے کیسے راضی ہو گئی وہ۔''

وہ سوچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا ڈریس پہلے سے موجود تھا آج نکاح اور تیسرے دن رخصتی۔ وہ تیار ہو کر جیسے ہی نیچے آیا مولوی صاحب آچکے تھے اس کے بیٹھتے ہی انہوں نے نکاح پڑھانا شروع کر دیا۔ ''ابراہیم عامر زمان تمہارا نکاح 55 ہزار مہر کے ساتھ ضوفشاں عابد زمان کے ساتھ ہونا قرار پایا ہے کیا تمہیں قبول ہے؟''

''ضوفشاں''۔ یہ نام اس کے کانوں میں سیسے کی طرح اترا تھا اس نے ایک دم سر اٹھا کر عامر زمان کو دیکھا جو مسکرا رہے تھے اور آہستہ سے بولا۔

"بابا! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"
انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا پھر نرمی سے بولے۔
"کہو۔"
"اکیلے میں"۔ ان کے کہنے پر وہ بولا تو وہ سب سے معذرت کرکے اس کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئے وہ بے قراری سے بولا۔
"یہ سب کیا ہے ابو؟ میں ضوفی سے نہیں فائقہ سے محبت کرتا ہوں اور اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔
"یہ کیا کہہ رہے ہو تم برخوردار! ہوش میں تو ہو تم"۔
"جی بابا! میں مکمل ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں کہ میں فائقہ سے بے حد و حساب محبت کرتا ہوں بابا۔ آپ نے ایک بار تو مجھ سے پوچھ لیا ہوتا"۔
وہ دکھ سے بولا تو وہ پریشانی سے صوفے پر بیٹھ گئے پھر انہوں نے کہا۔
"دیکھو بیٹا! جب بچوں سے غلطی ہوتی ہے تو بڑے معاف کر دیتے ہیں، اگر کبھی بڑوں سے غلطی ہو تو بچوں کو بھی معاف کر دینا چاہئے پلیز ہمیں معاف کر دو۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں تم یہ شادی کرلو ضوفی بے حد اچھی لڑکی ہے تم اس کے ساتھ خوش رہو گے"۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہوا تو وہ مزید بولے۔
"پہلے تمہاری منگنی ٹوٹی تو لوگوں نے خوب باتیں کیں اور اگر آج نکاح ختم ہو گیا تو ہم سب کی عزت خاک میں مل جائے گی، محبت اور عزت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو بیٹا"۔
بعض دفعہ یہ رشتے کس قدر بڑی قربانی مانگتے ہیں جسے دیتے ہوئے انسان اندر سے مر جاتا ہے اور وہ بھی ہاں کرتے ہوئے اندر سے مر چکا تھا۔ اسے ہاں تو کرنی ہی تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ محبت، عزت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے اور عزت محبت کے بغیر بھی ہیرے سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔
اس نے حیرت سے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جن پر ابراہیم کے نام کی مہندی لگی ہوئی تھی کیا وہ واقعی اس کا ہو گیا تھا، اس نے اپنے آپ کو ہاتھ لگا کر دیکھا وہ دلہن بنی اس وقت ابراہیم کے کمرے میں موجود تھی، اس کا بہت بڑا خواب آخر کار پورا ہو ہی گیا تھا، وہ آنے والے حسین وقت کے تصور میں گم تھی، جب ابراہیم کمرے میں داخل ہوا اور تلخی سے بولا۔
"ضوفشاں عابد زمان! آج تم میرے نکاح میں ہو میری بیوی بنی یہاں پر بیٹھی ہو، لیکن میں تمہیں وہ حق کبھی نہیں دوں گا، جو ایک بیوی کا ہوتا ہے کیونکہ میں کل بھی فائقہ سے محبت کرتا تھا اور آج بھی صرف اسی سے محبت کرتا ہوں، میرے دل کی میرے جذبوں کی صرف وہی مالک ہے تم صرف نام کی مسز ابراہیم ہو"۔
وہ کہتے ہوئے واش روم میں گیا تو ضوفی حیران سی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ وقت کچھ اور گزرا وہ اور ابراہیم ملتان شفٹ ہو گئے، پورے تین سال اس نے ابراہیم کی بے رخی سہی جو اسے تاعمر سہنی تھی اور آج وہ تین سالوں کے بعد ایک بار پھر واپس جا رہے تھے۔ اس کے لئے جسے وہ ابراہیم سے جدا کرکے بھی جدا نہیں کر سکی تھی۔ ان تین سالوں میں ابراہیم نے اسے چپ کی مار دی تھی، ہمیشہ اس کی پیش قدمی پر اسے جھڑک دیا تھا یہ سال اس نے کس اذیت میں گزارے تھے، یہ صرف وہی جانتی تھی، اس نے کہیں پر پڑھا تھا۔ انسان بھی بڑا عجیب ہے جس کسی چیز کو پانے کی کوشش کرتا ہے تو ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے منتیں مانگتا ہے، دعائیں مانگتا ہے اور جب وہ چیز مل جاتی ہے تو وہ کھڑا ہو جاتا ہے حساب کتاب کرنے اسے پانے کے لئے کیا گنوایا کیا لٹایا یا پھر زندگی کے ترازو میں خسارے اور فائدے تولنے لگتا ہے، حسابی کتابی بن جاتا ہے وہ بھی حسابی کتابی بن گئی تھی، اس کا ہر پل اذیت میں گزرتا تھا۔ ابراہیم کی بے رخی اسے مار رہی تھی۔ اس وقت بھی ابراہیم کی آنکھوں میں اس لڑکی کے لئے آنسو تھے۔ جسے اس نے اپنے طور پر اس سے الگ کر دیا تھا،

اور پھر سفر ختم ہوا اور وہ اس وقت I.C.U کے باہر کھڑے تھے کہ ڈاکٹر باہر آ کر بولا۔

''آئی ایم سوری، ان کے پاس وقت بہت کم ہے ان کا کینسر آخری اسٹیج پر ہے آپ لوگ انہیں گھر لے جاسکتے ہیں۔'' ڈاکٹر کہہ کر چلا گیا جبکہ ابراہیم وہیں پر بیٹھتا چلا گیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ ضوفی کانپتی ٹانگوں کے ساتھ I.C.U کے دروازے کے پاس چلی آئی جہاں سے وہ فائقہ کو سامنے مشینوں میں جکڑا صاف دیکھ سکتی تھی۔ یہ کیسی محبت کی تھی فائقہ نے، ہر وقت مسکرانے والی فائقہ آج ڈھانچہ بنی پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑ چکے تھے آج وہ کہاں سے کہاں پر تھی۔ ضوفی روتے ہوئے وہیں پر بیٹھتی چلی گئی آخر جیت فائقہ کی ہوئی تھی۔

وہ اسے ہسپتال سے گھر لے آئے تھے وہ اس وقت وہیل چیئر پر بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی بے تاثر آنکھوں سے، ضوفی اس کے گھٹنوں میں بیٹھ کر آہستہ سے کہنے لگی۔

''آج سے کچھ سال پہلے فائقہ میں نے تم سے تمہارا پیار چھینا تھا اسے اپنا بنایا تھا لیکن وہ آج تک میرا نہیں ہوسکا، میں اسے پا کر بھی نہ پاسکی اور تم فائقہ اسے کھو کر تم نے اسے پالیا۔ پتہ نہیں میں کیسے بھول گئی کہ اگر میں تمہارے خوابوں کی راکھ پر اپنی خوشیوں کے محل تعمیر کروں گی تو کیا وہ قائم رہ سکیں گے، محبت تو اس نے مجھ سے کبھی کی ہی نہیں، لیکن رحم بھی نہیں کیا میں کیسے تم دونوں محبت کرنے والوں کے بیچ میں آ گئی اور مجھے ملا کیا کچھ بھی نہیں فائقہ میں جیت کر بھی ہار گئی اور تم ہار کر بھی جیت گئیں۔ کسی نے سچ کہا، ہم کسی سے محبت کر تو سکتے ہیں لیکن اسے مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ بھی ہم سے محبت کرے میں معافی کے قابل نہ سہی ہاں اگر تم مجھے معاف کر دو گی تو مجھے سکون مل جائے گا''۔

دروازے کے باہر کھڑا ابراہیم ساکت رہ گیا پھر اندر داخل ہوا تو نفرت سے ضوفی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ضوفی! ذرا مجھے اتنا تو بتاؤ تم نے مجھ سے محبت کی تھی یا پھر جنگ، محبت تو محبوب کی خوشی کا نام ہے تو یہ کیسی محبت تھی تمہاری کہ تم نے مجھ سے میری سب سے بڑی خوشی ہی چھین لی، تم مجھ سے محبت کرتی تھیں تو اس کی سزا کیوں دی تم نے مجھے۔ اصل محبت تو فائقہ نے کی تھی مجھ سے اس نے صرف یہ سوچ کر مجھے اور تمہیں ملا دیا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں حالانکہ میری تو دھڑکن بھی صرف فائقہ ہے بچپن سے''۔ اس کی بات پر فائقہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ آج وہ اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا جب اس کی زندگی ہی ختم ہونے والی تھی، جب اس نے انتظار کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

ضوفی نے فائقہ اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور بولی۔

''مجھے معاف کر دو پلیز!''

''تمہیں آج تمہاری ہی چاہت نے تھکا دیا ضوفی کیونکہ تم نے نافرمانی کی اس کی جو اس کی چاہت تھی اس سے ہی معافی مانگو''۔

فائقہ نرمی سے کہتے ہوئے وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی جبکہ ضوفی روتے ہوئے بڑبڑانے لگی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس نے یہ سزا اس وقت تک بھگتنی ہے جب تک معافی نہ ملے۔

سنو جاناں!

تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی تمہارے پاس نہیں ہوں۔

تم میرے ہوتے ہوئے بھی میرے نہیں ہو تو تمہارا دل میرے لئے نہیں دھڑکتا تو اکثر

شدت سے دل میں ایک خیال آتا ہے کہ

محبت رائیگاں میری مسافت رائیگاں میری، ہاں

محبت رائیگاں میری۔

وہ روتی چلی گئی کیونکہ اسے اب رونا ہی تھا ہمیشہ ہر پل ہر لمحہ تاعمر کہ محبت رائیگاں تھی اس کی۔

......☆......

افسانہ

دلوں کی روشنی

پرکیف دوپہر دھوپ کی تمازت سے بالکل عاری ایسا محسوس ہوتا تھا کسی بھی پل بادل ٹوٹ کر برس پڑیں گے اور زمین کو مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو سے مہکا دیں گے مگر یہ صرف میرے خیال تک ہی محیط رہنے والا سلسلہ تھا کیوں کہ یہ بہار کی آمد کا مہینہ تھا پھولوں کے کھلنے اور نکھرنے کا مہینہ تھا۔ شام ہوتے ہی ماحول میں ایک مانوس سی خوشبو رچ بس جاتی۔ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آتی یہ بھینی بھینی سی خوشبو خوشگواریت کا احساس اور بڑھا دیتی ہے۔ ایسا لگتا ہے قدرت نے ہوا میں ساری عطروں کی شیشیاں خالی کردی ہوں اور ساری مہکتی ہوئی ہوائیں میرا اپنا پوچھ پوچھ کر مجھ تک اپنا احساس دلا رہی ہوں۔

''تو تو کہتا ہے پانی کو ابال کر پینا چاہیے۔ جراثیم مر جاتے ہیں مگر جراثیموں کی لاشیں تو پانی میں رہ جائیں گی۔'' زید کی اس بات پر عمر کو اپنے خیالات کا سفر یہیں روکنا پڑا۔ زید نے عمر کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ جو اسے مسلسل پچھلے تین مہینوں سے کھانے پینے کے معاملے میں وقتاً فوقتاً اپنے مشورے دے رہا تھا اور دیتا بھی کیوں نہیں۔ ڈاکٹر نے اسے خاص ہدایت جو کردی تھی۔

''زید کا ٹائیفائیڈ تو بالکل ختم ہو چکا ہے مگر احتیاطاً پانی کو ابال کر پئیں۔'' تین مہینے پہلے زید کو ٹائیفائیڈ بخار ہو گیا تھا جس میں اس کے گھر والوں کے ساتھ ساتھ اس کے بچپن کا دوست دکھ سکھ کا ساتھی اور اس کا اکلوتا بیسٹ فرینڈ عمر بھی اپنی پرسکون نیندیں گنوا بیٹھا تھا۔ بخار تھا ہی اتنا شدید۔ الٹیوں پر الٹیاں کر کے وہ حال سے بے حال ہو گیا تھا۔ اس کے گلابی ناخن خزاں رسیدہ پتوں جیسے زرد اور سفید چاند جیسی آنکھیں بخار کی شدت سے سرخ پڑ رہی تھیں۔ ہلکے بخار پر اس نے توجہ نہ دی تھی اور پھر ایک ہی ہفتے میں بخار نے بگڑ کر ٹائیفائیڈ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ گھر والوں کے ساتھ ساتھ عمر نے بھی اس کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دیے تھے اور اب تین ماہ بعد اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کی حالت اتنی خراب رہی تھی۔ بلکہ اب تو وہ ایسا تندرست ہو گیا تھا کہ صحت کے معاملے میں عمر کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔ اس وقت دونوں دوست چنگ چی میں بیٹھے بازار میں ٹیلر کی دکان پر جا رہے تھے۔

''اس وقت میرے ہاتھ میں کالے سوٹ کا کپڑا ہے۔ کالا رنگ بہت عزت والا رنگ ہے۔ پیارے نبی پاک کی کملی کا رنگ ہے۔'' اس نے سنسان سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہا۔

''تو یہ نہ سمجھ کہ تو نے مجھے لاجواب کر دیا ہے اگر اس رنگ کی عزت کا خیال نہ ہوتا تو ابھی کرارا جواب دیتا تجھے۔''

جواب میں زید نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر عمر کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ اسے قہقہہ لگانے میں ذرا بھی جھجک نہ آئی کیوں کہ چنگ چی میں ان دونوں اور آگے بیٹھے



ڈرائیور کے سوا کوئی نہ تھا۔
اگلے ہی لمحے وہ بازار میں تھے جہاں ٹیلر کی دکان تھی۔ عمیر اسی ٹیلر کو اپنے کپڑے دیا کرتا تھا۔ سڑک کی نسبت بازار میں کافی رش تھا۔ آج آخری اتوار تھا۔ اس کے بعد سے محرم شروع ہو جانا تھا۔ عمر کے پاس کالا جوڑا کوئی نہیں تھا۔ پچھلے سال کا سوٹ تنگ ہو گیا تھا اور اسے مجبوراً اب نئے دو جوڑے سلوانے تھے۔ جس کے لیے اس کا دل تو نہیں مانتا تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔
دونوں درزی کی دکان پر پہنچ گئے تھے۔ یہ دکان گرجا گھر کے پیچھے ایک گلی کے نکڑ پر بنی ہوئی تھی۔ یہ ایک بہت بڑی اور شہر کی مین مارکیٹ تھی جہاں ہر مذہب اور مسلک کے لوگ برسوں سے ایک دوسرے کے تعاون سے اپنا اپنا کاروبار چلا رہے تھے۔ دکان کی سامنے والی پٹی میں ہندو کمیونٹی آباد تھی۔ جن کے گھروں کے درمیان میں کچھ مسلمان، عیسائی، پارسی اور کچھ دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے گھر بھی تھے۔ ان کے گھر مسلمانوں کے گھر سے اس طرح ملے ہوئے تھے جس طرح ہمارے سبز ہلالی پرچم میں سفید رنگ جڑا ہوا ہے۔ یہ سفید رنگ اسی اقلیت کی تو نمائندگی کرتا ہے۔
"نیاز نذر کے لیے بھی سامان لینا ہے۔ امی نے خاص ہدایت کی تھی کہ بھولنا مت۔" درزی کو ناپ دے کر باہر آکر عمر نے زید کو سامنے والی دکان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"تو خشک میوے، سوجی، حلیم اور شربت بنانے کی چیزیں پیک کروا میں ابھی آیا۔"
"تو کہاں جا رہا ہے؟" زید نے اس کے ہاتھ سے سامان کی پرچی لیتے ہوئے کہا جس پر اشیاء اور مقدار درج تھیں۔
"وہ دیکھ۔" اس نے میلے چیلے میں بھیک مانگتے ہوئے ایک نوجوان لڑکے کی طرف آنکھوں کے اشارے سے کہا۔
"میرے پاس پیسے کھلے نہیں ہیں، میں کھلے کروا کر اسے دے کر آتا ہوں۔ تو روڈ پار کر کے جا سامنے دکان سے سامان لے میں ابھی آیا۔"
"مگر تو اسے بھیک کیوں دے گا۔ یہ تو بالکل صحیح سلامت ہے۔ کما سکتا ہے، کسی معذور اور ضرورت مند کو دے اسے چھوڑ۔" زید نے اس بھکاری لڑکے کی طرف ناگواری سے دیکھتے ہوئے عمر کو مشورہ دیا۔ اس لڑکے کا بھیک مانگنا زید کو ناگوار اس لیے گزر رہا تھا کہ وہ بالکل تندرست تھا اور اپنے بازوؤں میں اتنا دم رکھتا تھا کہ خود کما کر کھا سکتا تھا۔
"دیکھ یار!" اس نے اپنے منہ سے ایک لمبی سی سانس خارج کی۔
"اگر کوئی ضرورت مند ہے ہم اس کی مدد کریں گے اور جو ضرورت مند نہیں ہے ہم اس کی بھی مدد کریں گے تو اللہ ہمیں تب بھی دے گا جب ہمیں ضرورت ہو گی اور تب بھی نوازے گا جب ہمیں ضرورت نہیں ہو گی۔" زید خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ عمر کی یہی باتیں تو زید کو پسند تھیں۔ اس نے روڈ خالی دیکھ کر زید کو سامنے کی طرف دھکیلا اور جواباً زید مسکرا کر روڈ پار کر چکا تھا۔
ابھی اس نے راشن کی پرچی دکاندار کو تھمائی ہی تھی کہ ایک زوردار دھماکے کی آواز اس کے کانوں کے پردوں کو چیرتی ہوئی اسے سر سے پیروں تک لرزا گئی وہ جیسے ہی آواز کی سمت کا تعین کر کے مڑا تو یکا یک منظر ہی بدل چکا تھا۔
جہاں کچھ دیر پہلے زندگی اپنے لبوں پر مسکان سجائے خوب صورت دکھائی دے رہی تھی اب وہی زندگی کتنے ہی جسموں سے بے وفائی کر کے جا چکی تھی۔ دکانوں اور گھروں میں سے آگ کے شعلے آسمانوں سے ملنے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ تب ہی تو اتنے بلند ہوئے جا رہے تھے اس کی آنکھوں سے آنسو اس طرح رواں تھے جیسے

کوئی بند اچانک سے ٹوٹ گیا ہو۔

"عمر...... عمر......" کی پکار کرتے ہوئے وہ دیوانہ وار بھاگا جا رہا تھا۔ کوئی جل رہا تھا۔ کوئی تڑپ رہا تھا۔ کوئی ہاتھ تن سے جدا زمین پر بکھرا پڑا تھا۔ وہ آج کربلا کا وہ منظر اپنی آنکھ سے حقیقت میں دیکھ رہا تھا۔ وہ منظر قیام پاکستان کا منظر بھی پیش کر رہا تھا جب ملک دشمن عناصر پاکستان کا قیام نہ چاہتے تھے اور اب...... اب بھی صورت حال ویسی ہی تھی۔ اس کے بہتے آنسوؤں کو اس کے چہرے کی ہلکی سی داڑھی بھی جذب نہ کر سکی ان آنسوؤں کا بوجھ ہی اتنا تھا کہ وہ برداشت ہی نہ کر سکی اور امانت کی طرح اس کی گردن کے راستے اس کے سینے میں اتارتی رہی۔ اس دھماکے کی آواز اتنی شدید تھی کہ دل اسی لمحے دھڑام کی آواز کے ساتھ ہی میلوں گہرائی میں جا گرا تھا۔

"عمر...... عمر......" کے نام کی پکار اس کے لبوں پر بنا رکے جاری تھی۔ وہ اپنے دوست کی تلاش میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔ دور سے قطار در قطار آتی ہوئی ایمبولینسوں کی ایک ساتھ بجنے والے سائرن سے اسے لگا تھا کہ صور پھونکا جا رہا ہے۔ قیامت برپا ہو چکی ہے مگر یہ کیسی قیامت تھی جو پہلے آ گئی اور صور بعد میں پھونکا جا رہا ہے۔ ایسی قیامت کے عالم میں اسے عمر زخمی حالت میں خون میں لت پت زمین پر بے ہوش پڑا ہوا مل گیا۔ اسی زمین پر جگہ جگہ پڑے خون میں یہ تمیز کرنی بالکل ناممکن تھی کہ اس میں عیسائی کا خون کون سا ہے۔ ہندو کا خون کون سا ہے۔ پارسی کا خون کون سا ہے۔ مسلمان کا خون کون سا ہے ارے! مسلمان نہیں بلکہ مسلمانوں کا خون کون سا ہے۔ سنی کا کون سا ہے۔ شیعہ کا کون سا ہے۔ سید کا کون سا ہے۔ اس کے بعد کالے اور گورے، خوب صورت اور بدصورت کا کون سا ہے۔ کس کس زبان بولنے والے کا خون ہے؟ سب خون مل گئے تھے۔ اسی زمین نے ایک ماں کی طرح ان کے خون کو اپنے بچوں کا لہو سمجھ کر اپنے سینے پر سجا رکھا تھا۔ مرنے کے بعد بھی تو یہی دھرتی ماں ہمیں اپنے اندر چھپا لے گی۔ کتنے شہیدوں کی عظیم ماں ہے یہ زمین اور اسی زمین پر رہنے والا ہر انسان کتنا نادان ہے۔ آنے والے پل سے بے خبر۔ ہر پل خواب بنتا رہتا۔ مگر کبھی کچھ خواب ادھورے بھی رہ جاتے ہیں۔

اسپتال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ایک بیڈ پر دو دو مریضوں کو ٹریٹمنٹ دی جا رہی تھی۔ زید کے جسم سے عمر کو ڈرپ کے ذریعے خون منتقل کیا جا رہا تھا۔ صرف دونوں کا مسلک ہی تو الگ الگ تھا۔ مگر بلڈ گروپ ایک تھا۔ اللہ کی مرضی تھی کہ دو الگ الگ فقہ سے تعلق رکھنے والے دوستوں کا خون آپس میں مل جائے۔ ذات کی بنا پر خالق کائنات نے کسی انسان کے جسم میں اعلیٰ معیار اور کسی کے جسم میں ناقص معیار کا خون نہیں رکھا پھر کیوں انسان نے ذات اور نسل کی بناء پر انسانوں ہی کی تقسیم کر دی ہے اسی تقسیم کی آگ میں ایک دن سب کچھ جل کر راکھ نہ ہو جائے۔ جب اللہ بھی ایک کلمہ بھی ایک اور اپنا سبز ہلالی پرچم بھی ایک ہے۔ پھر ہم سب مسلمان ایک کیوں نہیں اور پوری پاکستانی قوم ایک قوم کیوں نہیں۔ ہمارے دلوں کے اندر کی روشنی چرالی گئی ہے اور اندھیرا ہی اندھیرا بھر دیا گیا ہے۔

کچھ دیر بعد ہی لوگوں کی چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں جس سے زید کو پتا چلا کہ بم دھماکہ گرجا گھر میں ہوا تھا اور اب وہ عمر کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا کہ پھر دونوں مل کر اللہ پاک سے اپنے پاک وطن کی سلامتی کی دعا کریں۔ کیوں کہ کچھ دنوں بعد محرم اور اس کے کچھ ماہ بعد ربیع الاول آئے گا۔ زید کے لبوں پر یہ دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ آنے والے دنوں میں ہماری مسجدوں اور امام بارگاہوں کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کو ایک بنا دے، آمین۔

......☆......

مون شاہ

افسانہ

فریدہ بانو

''میرے خدا یہ کیسی آزمائش مجھ پر آپڑی ہے، مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیسے فیصلہ کروں، کس کے حق میں فیصلہ کروں؟ تو جانتا ہے مجھے فرید اور باہو دونوں عزیز ہیں، میں کسی ایک کی بھی دل آزاری نہیں کرسکتی۔ مجھ میں یہ حوصلہ ہرگز نہیں ہے کہ انہیں ٹوٹتا ہوا دیکھوں، اپنے اوپر جانبداری کا الزام لگواؤں، میں غیر جانبدار ہوکر فیصلہ کر بھی لوں تو دوسرے کا کرب کیسے جھیل سکوں گی''......

شکست خوردہ محبت تو انسان سے قلبی خوشیوں کا سویرا اور راحتوں کی بینائی چھین لیتی ہے۔ پھر ہمہ وقت بے سکونی، اضطرابی نڈھال کردیتی ہے، بے چین اور روحوں کی مانند ادھر ادھر آوارہ گرد بنا پھرتا وحشت زدہ انسان کتنا کھوکھلا ہوجاتا ہے، بظاہر مکمل مگر وجود میں خلا لئے بے مقصد بے نور روز و شب میں بمشکل زندگی کا پہیہ کھینچتا ہوا سانسیں تمام کردیتا ہے، اور میں خود غرض بھی نہیں ہوں۔ جو کسی ایک کو پالینے کی چاہ میں دوسرے کو دردسونپ دوں، جو کل تک ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے ہم خیال، ہم محسن، ہم قدم تھے۔ آج انہیں محبت نے دور کردیا۔ ہاں محبت جو کبھی روٹھنے والوں کو قریب کرتی ہے، تو کبھی اس کی سرشت میں موجود ہٹ دھرمی، خود غرضی دلوں کو دور بھی کردیتی ہے۔ بالکل یوں جیسے فرید، باہو ایک دوسرے سے گریز کرنے لگے تھے، یک جان دو قالب تھے، اور اب ان کی نظروں میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی خواہش تھی۔ صرف اپنا درد، نظر آتا، اپنی طلب عزیز تھی، اور وجہ صرف میں تھی۔ کاش میں درمیان میں نہ ہوتی، ان دونوں کے وجود میں میری محبت نمونہ پاتی تو زندگی کتنی سہل ہوجاتی۔ دونوں کے یکساں جذبات اور دیوانے پن نے میرے لئے اس امر کو پیچیدہ اور گھمبیر بنایا تھا۔

میرے مولا مجھے ہمت کے ساتھ بہتر فیصلہ کرنے کی توفیق دے''۔

''حوا عباس'' نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھالئے۔ اس کے ملیح عارضوں پر جذبات کی سرخی اور بے بسی کا پانی پھیلتا جارہا تھا۔ آج شام وہ تینوں بڑے دنوں بعد اکٹھے ہوئے تھے۔ سیاہ کھلی فراک پاجامے اور سر پر سیاہ حجاب لئے ''حوا عباس'' فرید اور باہو دونوں کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ تینوں اپنی اپنی جگہ مضمحل، ویران اور اداس نظر آرہے تھے۔ خاص طور پر فرید، باہو کے اعصاب کسی ممکنہ غیر متوقع طور پر ہوجانے والے فیصلے کے بوجھ سے تھکے جارہے تھے۔

ان کی نظروں کے حصار میں وہ جان عزیز تھی جوان دونوں کی مشترکہ حیات تھی، اور ان کی ڈیڈ لائن سے اس کا کومل چہرہ مرجھا کر رہ گیا تھا۔ پلکوں کی جھالر جھکی تھی، حسین آنکھوں کے گوشے نم تھے، جہاں مسلسل خاموشی کو توڑنے کی جرات فرید نے کی تھی۔

''کلی، کیا تم نے اپنا فیصلہ سنانے کے لئے ہمیں بلایا ہے؟'' وہ حوا کو پیار سے کلی کہتا تھا۔

حوا نے گلابی لبوں کا کونہ ہونٹوں میں بھینچ کر نفی میں سرہلایا۔

''تو پھر تم نے ہم کو کیوں بلایا ہے فیری؟''

یہ سوال باہو کی طرف سے ہوا تھا۔ ''تم لوگوں کو معلوم ہے، ہم کتنے ہفتوں بعد اکٹھے ہوئے ہیں، پورے دو ہفتے بعد، ہم جو کبھی ایک دوسرے سے ملے بغیر دیکھے بغیر دن کاٹ نہیں پاتے تھے، آج ایک جذبے نے ہمیں اپنی سوچوں میں محصور کرکے ہمیں ایک دوسرے سے دور کردیا۔ خدا نہ کرے کہ ہم بچھڑیں مگر مجھے لگتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو کھودیں گے، ہماری دوستی ختم ہوجائے گی ''بس کزن'' کا رشتہ باقی رہ جائے گا، وہ بھی بہت کمزور اور بودا پڑ جائے گا''۔

وہ شاید انہیں ''محبت کی سنگینی'' محسوس کروانا چاہ رہی تھی، اور واقعی انہوں نے سنگینی کو بخوبی محسوس کیا تھا، جبھی ان کے چہرے پل بھر کے لئے تاریک ہو گئے تھے۔ باہو ذرا سنبھل کر بولا۔

''ہماری ازلی خوش قسمتی یہ رہی کہ ہم تینوں کی پسند ناپسند ایک جیسی تھی اور یہی خوش قسمتی اب بدقسمتی میں بدل جائے گی۔ ظاہر ہے ہم بندے بشر ہیں، اس لحاظ سے تینوں خودغرض ہیں، وصل کی راحتوں پر ہجر کی اذیتوں کو کون ترجیح دے گا، ہم میں یہ حوصلہ ہرگز نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے لئے قربانی دیں''۔

''اسٹاپ اٹ باہو! میں خودغرض نہیں ہوں، دوستی میں ہمیں یہ حوصلہ پیدا کرنا ہوگا کہ ہم میں سے کوئی ایک ایثار کرے۔ اس طرح تو دوستی کی شدتیں اور دوستی پر کوئی اعتبار نہ کر سکے گا، یہ کیسی دوستی ہوئی بھلا دوست دوستوں کی خاطر بہت کچھ کرتے ہیں، اگر ہماری پسند ناپسند مشترکہ ہے تو یہ بات تم دونوں بھی سمجھ جاؤ کہ مجھے تم دونوں مشترکہ طور پر پسند ہو''۔

''مگر شادی تو کسی ایک سے ہوگی ناں؟'' فرید بولا۔

''اس کا آسان حل یہ بھی ہے کہ تم دونوں اپنے ''پرپوزلز'' میرے پاپا کے سامنے رکھو، جسے پاپا پسند کریں مجھے قبول ہوگا''۔

''مجھے یہ منظور نہیں فیصلہ ذاتی طور پر ہونا چاہئے جو تمہیں پسند ہو''۔ فرید نے اختلاف کیا۔

''تو کیا میری پسند پر دوسرے کو اعتراض نہ ہوگا؟''

''نہیں اسے فیصلہ قبول کرنا ہوگا بھلے جیسا بھی ہو''۔

''میرے خدا...... تو نے کس امتحان میں ڈال دیا ہے، دیکھو فرید میں تم دونوں میں سے کسی ایک کا دل بھی نہیں دکھا سکتی، اور تم دونوں نے مجھے ہلکان کرنے پر کمر باندھ لی ہے، گویا یہ ضد ہے کہ تم لوگ جاننا چاہتے ہو کہ میں کس کو زیادہ چاہتی ہوں مگر مجھے نہ کل یہ منظور تھا نہ آج۔ میں تم دونوں سے پیار کرتی ہوں''۔ وہ بے بس ہو کر رو دی، اور وہ دونوں خفا ہو کر چلے گئے۔

......☆......

بالآخر حوا عباس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی تھی۔ اسی سلسلے میں حوا نے ساحل سمندر پر دونوں کو اکٹھا ہونے کے لئے کہا اور تھوڑی دیر میں خود بھی پہنچ گئی۔

''السلام علیکم ڈیئر کزنز! کیسے ہو تم لوگ......؟'' دونوں نے سیاہ حجاب میں کاندھوں پر دوپٹہ اوڑھے کھڑی اپنی کامنی سی کزن کو دیکھا۔ جو آج قدرے فریش لگ رہی تھی۔

''کیا تمہیں ہمارے حلیے نہیں بتاتے کہ کیسے ہیں ہم یا جان بوجھ کر انجان بن رہی ہو''۔ فرید نے تلخ لہجے میں کہا۔ وہ شاید فیصلے کی صلیب پر لٹکنے کے انتظار سے زیادہ بیزار ہو گیا تھا۔

''اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، یہ جوگ لینے کے لئے میں نے مشورہ نہیں دیا تھا۔ بہرحال میں نے ایک ترکیب سوچی ہے اگر تم مجھ سے متفق ہوئے تو ٹھیک ورنہ...... آج سے میں تم دونوں کا بائیکاٹ کرتی ہوں''۔ وہ دونوں بوکھلا کر رہ گئے۔

''نہیں تم بتاؤ تو سہی''۔

''اوکے دیکھو جیسا کہ تم دونوں کے علم میں یہ بات ہے کہ میں تم دونوں کو چاہتی ہوں، کیونکہ فرید میرے انکل کا بیٹا ہے اور باہو میری پھوپھو کا نور نظر ہے، اس کے علاوہ ہم اچھے دوست ہیں، ہماری مشترکہ عادات، خصوصیات اور مشغلے ہیں، تم دونوں میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے۔ خوبصورت، خوش گفتار، باکردار اور ویل ایجوکیٹڈ اور کامیاب

بزنس مین ہو، غرض کوئی بھی خامی نہیں ہے جسے جواز بنا کر کسی ایک کو انکار کر دوں۔ دوسرے لفظوں میں اندھیروں کے حوالے کر دوں، لیکن فیصلہ تو کسی ایک کے حق میں ہوگا...... اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تم لوگوں کو دودھ کی نہر نکالنے پر مامور کر دوں یا چاند تارے توڑ کر اپنی مانگ سجانے کا کہہ دوں، یا دونوں کو آپس میں ڈوئل کھیلنے کی شرط رکھ دوں۔ کزنز اس کا آسان ساحل میری سمجھ میں جو آتا ہے وہ یہ ہے کہ میری خاطر مغربی ثقافت کو ترک کر دو۔ اپنی مشرقی اور اسلامی روایات کو اپناؤ، میں اچھی طرح جانتی ہوں فرید کہ تمہارے لئے یہ سب ترک کرنا مشکل ہوگا اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ڈرنک کرتے ہو، میں تم دونوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہوں، تاکہ میں پورے فخر کے ساتھ بطور شوہر کسی ایک کو متعارف کروا سکوں۔ سنت کے مطابق اپنا رہن سہن بناؤ میں تم دونوں کو گائیڈ کروں گی، پنجگانہ نمازی بنو، سنت کے مطابق داڑھی رکھو، عمامہ شریف باندھو، لباس پہنو، اپنا اخلاق مزید اعلیٰ کرو، ہر مشکل میں خدا سے مدد مانگو، قرآن کریم کو پڑھ کر اس کے احکام عملی زندگی میں اختیار کرو، میں جائزہ لیتی رہوں گی، جس کی پروگریس زیادہ اچھی ہوگی، میں اسی سے شادی کروں گی کیونکہ مجھے مذہبی شوہر چاہئے۔ بولو منظور ہے؟''

''ہاں مجھے منظور ہے''۔ باہو نے فوراً سے پیشتر کہا تھا جبکہ فرید نے کچھ تردد کے بعد کہا تھا۔ ''مجھے بھی منظور ہے۔''

''ویری گڈ کزنز! میں نے آپ کی کارکردگی کا جائزہ دو ماہ تک لینا ہے۔ اس کے بعد اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گی۔ حوا عباس نے دونوں کی ذہین آنکھوں میں واضح عزم دیکھا تھا۔

......☆......

حوا عباس کے آئیڈیے نے دونوں کی زندگی پر مثبت اثر ڈالا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں تھے، دن بھر میں کئی بار کالز کر کے حوا سے گائیڈنس لیتے، دونوں کی بک شیلف میں اسلامی کتابوں کی بھرمار ہوگئی تھی۔ ویسٹرن ثقافت کے دلدادہ نوجوان مکمل طور پر ''باحیا مسلمان'' نظر آنے لگے۔ ان کی نظروں میں وقار، گفتگو میں شائستگی، لہجے میں نرمی پیدا ہوگئی تھی۔ کمال عجز وانکسار کا نمونہ ان کا طرز حیات تھا، صوم وصلوٰۃ اور وقت کے پابند ہوگئے تھے۔ روزانہ کی تلاوت معمول بن گیا تھا، مسجد میں امام صاحب سے مختلف مسائل پر سیر حاصل بحث ہوتی، سادہ خوراک اور سادہ لباس کے عادی ہوگئے تھے، چہرے پر پھیلی طمانیت اور نور ''حوا عباس'' کے خون کو سیروں بڑھا دیتا، جبکہ ان کے گھر والے فرید، باہو کی کایا پلٹ پر حیران تھے۔ تیز مزاجوں، شوخ و شنگ لہجوں والے نوجوان حوصلے، تحمل اور برداشت سے مالا مال تھے۔

......☆......

2 ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا، حوا عباس کے سر پر فیصلے کی تلوار لٹک رہی تھی، مگر وہ فیصلہ کر نہیں پا رہی تھی کیونکہ فرید اور باہو دونوں کی پروگریس اچھی تھی۔

وہ سخت مشکل میں آ گھری تھی، اور فیصلے کی گھڑی فرید، باہو کی صورت اس کے سامنے آ گئی۔ وہ خدا سے مدد مانگتی دونوں کے روبرو خاموش بیٹھی تھی۔ بالآخر فرید بولا۔

''میں جانتا ہوں حوا! کہ تمہارے پاس آج بھی فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، بہرحال مجھے خوشی ہے کہ تم نے مخلص دوست کا کردار نبھاتے ہوئے میری زندگی سنوار دی، وہ تشنگی جو

مذہب کی دوری سے محسوس ہوتی تھی، آج اس کا نام ونشاں باقی نہیں ہے، تم نے مجھے قابل فخر مسلمان بننے میں مدد دی وہ مسلمان جو دین کا غازی ہوتا ہے، میں یہ کہنے میں عار نہیں سمجھتا کہ اب مجھے تمہاری خواہش تو ہے مگر میں اسلام کو نفس پر ترجیح دیتے ہوئے ''باہو'' کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ ہاں میں دوستی میں ایثار کرتا ہوں، میرا ایثار قبول کرو، میں بہت جلد جہاد کے لئے فلسطین چلا جاؤں گا میرا فرض مجھے پکارتا ہے، میں تمہارا شکر گزار ہوں یہ آگہی تمہاری کوششوں کا مظہر ہے تم بخوبی جانتی ہو کہ بہت سے اسلام سے محبت کرنے والوں نے خدا کی رضا کو نفس پر ترجیح دی ہے، تم میرے لئے دعا کرنا، خدا میری قربانی قبول فرمائے''۔

فرید کا بلند حوصلہ دیکھ کر حوا عباس کی روشن آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ کانپتے ہونٹوں سے اتنا کہہ پائی کہ ''خدا تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔''

فرید وہاں سے جانے لگا تھا کہ باہو نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

''فرید! میں تمہارے جتنا عظیم ہرگز نہیں ہوں کہ ''ایثار'' کروں لیکن مجھے اب ''حوا عباس'' کے ساتھ کی خواہش نہیں رہی۔ کیونکہ مجھے وہ مل گیا ہے جس کی جدائی میں مضطرب تو تھا مگر تلاشنے کی فرصت نہ تھی یا میں نے ضرورت محسوس نہیں کی اب اسے پانے کے بعد جو سکون مجھے حاصل ہوا ہے۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ یہ سارا کمال ''حوا'' کا ہے، جس نے مجھے میرے رب سے ملا دیا، تم حوا کو اپنا لو''۔ حوا عباس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر ادا کر رہی تھی۔ جس نے فیصلہ آسان کر دیا تھا، مگر فرید بولا۔ ''میں فرض پر نفس کو ترجیح نہیں دے سکتا، باہو تمہیں تمہاری منزل مبارک ہو مگر میں ''ایثار کرتا ہوں''۔

''ٹھیک ہے حوا تم نے فیصلہ کرنا تھا مگر تمہاری مشکلیں ہم نے آسان کر دیں، اب جو تم کہو گی وہ ہمیں منظور ہوگا، بولو تم کس سے شادی کرنا چاہتی ہو؟'' ساری گفتگو خاموش رہ کر سننے کے بعد وہ نم آنکھوں سے بمشکل ہلکا سا مسکرائی۔ ''میرے رب کا شکر ہے جس نے تمہیں بھٹکنے سے بچایا! میری اوقات ہی کیا ہے بھلا...... مگر مجھے خوشی ہے میری کوشش رائیگاں نہیں گئی اور آج تم دونوں میں بلند حوصلگی اور جذبہ ایثار پیدا ہو گیا ہے بلکہ تم لوگوں کو تمہاری منزل مل گئی ہے اور میں تم دونوں کی قربانیوں کو رائیگاں جانے نہیں دے سکتی، آپ کی گفتگو اور محسوسات کی روشنی میں، میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ''سچل'' کے لئے پاپا کو ''ہاں کہہ دوں۔

''سچل رضوی'' ہمارے جامعہ کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ انہوں نے پرپوزل آفر کیا ہے، امید ہے تم دونوں میری شادی میں شریک ہو گے اور ہمارا تعلق پہلے کی مانند اٹوٹ رہے گا۔''

''ہاں ضرور......'' ان دونوں نے نم لہجے میں کہا اور بغلگیر ہو گئے۔ ''حوا'' نے بھیگی پلکوں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

......☆......

آج حوا رضوی، موہنی صورت لئے ''سچل رضوی'' کے من میں اتر رہی تھی، دلہناپے کا انوکھا روپ اسے دلکش بنا رہا تھا۔ بوقت رخصت ''باہو'' اس کے قریب آ کر ہولے سے بولا۔

''جب معاملات برداشت سے باہر ہو جائیں تو ''یا صبور'' کا ورد کر لینا، خدا تمہیں خوش رکھے اور تمہاری مدد کرے''۔

''میری نیک دعائیں بھی تمہارے دامن گیر رہیں گی''۔ فرید دھیمے لہجے میں کہتا نظروں سے

اوجھل ہوا۔ اور ''حوا نچل'' ضبط کے دریا عبور کرتی، بابل کی دہلیز پار کرگئی۔

☆......

میں ''باہو'' حوا کے بنا ادھورا ہوں، میرے مولا نے مجھے چاہتوں کی سلطنت عطا کی ہے، مگر حوا کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے، خالق ارض نے مجھے غم کا بار گراں اٹھانے کی طاقت بھی دی ہے، وہ لڑکی جس نے میری زندگی بدل دی، مجھے بھٹکنے سے بچایا خدا اسے آباد رکھے۔

فرید کی دستبرداری کے بعد میں اسے پاسکتا تھا، مگر میں جانتا تھا کہ فرید ایثار کررہا ہے، ''حوا رضوی'' کی خاطر کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ حوا ہم دونوں میں سے کس کو زیادہ پیار کرتی ہے...... جسے میں بھی نہیں جان پایا، اس بے خبری نے ہمیں بخوشی ایثار کرنے جیسی سعادت دی۔ محبت تو وہی ہوتا ہے جو محبوب کے جذبات کا احترام کرے، اگر انجانے میں ہماری طرف سے اس کی دل آزاری ہوجاتی تو زندگی بھر خود کو معاف نہ کرپاتے۔ مجھے یقین ہے فرید حوا کو نچل کے ساتھ دیکھ نہیں سکتا تھا اس لئے آج فلسطین جہاد کے لئے روانہ ہوگیا اور میں...... مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اپنے اندر اسے کسی اور کے ہمراہ دیکھنے کا حوصلہ کیسے پیدا کروں، بہرحال حوصلہ تو پیدا کرنا ہوگا، مجھے سکون کی تلاش ہے اور سکون صرف خدا کی یاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں ہے۔

☆......

''حوا'' نعتوں والا چینل سرچ کررہی تھی، جب پرسوز اور درد بھری آواز پر ہاتھ رک گئے۔

''غم مصطفیٰ ﷺ دے، غم مصطفیٰ ﷺ دے
غم دو جہان سے بچایا الٰہی......
اٹھے ہاتھ بہر دعا یا الٰہی
یہ دل ہے بہت ٹوٹا ہوا یا الٰہی''

وہ یک ٹک اسکرین کو دیکھے جارہی تھی، جہاں ''باہو'' جذب کے عالم میں نعت پڑھ رہا تھا، آنسو پھسل کر گالوں کو بھگونے لگے۔

☆......

''میں ''حوا نچل'' آج یہ اعتراف کرتی ہوں کہ میری روح پر ''فرید'' کی حکمرانی ہے، آج فرید کی بہت یاد آرہی ہے، مقام شہادت پاکر وہ تو سرخرو ہوگیا، امر ہوگیا، اور ہمیں تنہائی دے گیا۔ آج فرید کی دوسری برسی ہے اور دل غمزدہ اس کے دیدار کی چاہ میں مچلا جارہا ہے۔ مجھے سکون دے میرے مالک! مجھے اعتراف ہے کہ فرید، باہو نے مجھے ٹوٹ کر چاہا لیکن مجھے فخر ہے وہ امتحان میں کامیاب ہیں...... میں فرید کو اپنا لیتی مگر ''باہو'' کی جھولی میں غم ڈالنے کا حوصلہ کہاں سے لاتی! اگرچہ ''باہو اس مقام پر ہے کہ جہاں ''حق ہو'' کے سوا کوئی غیر نہیں ہوتا مگر کسک کبھی کبھی تو درد بن کر رہ جاتی ہے ناں...... سو میں نے خود سمیت دونوں کی جھولیوں میں برابر کا غم ڈالا، آپ کہہ سکتے ہیں، ہم تینوں نے اپنی اپنی جگہ ایثار کیا، فرید، باہو نے میری خاطر اور میں نے ان دونوں کی خاطر، یہاں یہ ذکر بھی بجا ہے کہ یہ سب کچھ مشیت خداوندی کے بغیر ممکن نہیں تھا، فرید، باہو میں سے کسی پر یہ راز آشکار نہ ہوگا، کہ میں دونوں میں سے کس کے ساتھ ''عشق'' کرتی تھی۔ اگرچہ میں بھی اسی راہ کی مسافر ہوں جہاں اپنی ذات ''فنا'' ہوجاتی ہے، مگر سچ کہوں ابھی درد باقی ہے...... ہونٹوں پر ''یا صبور'' کا ورد ہے...... اور ہاں باہر کا موسم سرد ہے اور ہماری رگوں میں عشق کی گرمی...... ''یا صبور'' صبر دے۔

☆......

افسانہ

وطن باقی رہے

"دنیا کا وہ خطہ جہاں پھول کم پہاڑ زیادہ دشوار گزار پتھریلے پہاڑ مگر پہاڑ بھی وہ جو سونے سے کم نہیں۔ پتھر وہ جس کی قیمت ہیرے سے زیادہ سمندر ایسا کہ جس کی ترقی اور رونق دشمن کی نیندیں اڑا دے۔ آپ لوگ جانتے ہیں اس بلوچ دھرتی پر ہمیشہ سے دشمن کی نظر رہی مگر یہاں کے غیور بہادر لوگوں نے کبھی انگریزوں کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔ یہ بزدل دشمن کیا شے ہے۔ آپ لوگوں کی ڈیوٹی یہاں کچھ مختلف ہے کہ یہاں صرف دشمن نہیں اپنے کچھ بھائی، بہن جو ہم سے ناراض ہیں۔ انہیں بھی منانا ہے وہ مان گئے تو ہماری ضرورت ہی نہیں یہ غیور قوم اپنے دشمن سے نمٹنا خوب جانتے ہیں۔ یہ یاد رکھیں آپ کسی عام ملک نہیں پاکستان کی آرمی ہیں جن کی للکار دشمن کا سینہ چیر دیتی ہے، گوٹ اٹ۔"

"یس سر!"

"اینی کویسچن؟"

"نو سر!" میجر بلال کو تمام جوانوں نے یک زبان جواب دیا تھا۔ جو بٹالین کو ڈیوٹی بریف دے رہے تھے۔ تمام جوان روم سے نکل گئے تھے۔

"یار ایک بات سمجھ نہیں آتی، آخر ان پتھروں میں ایسا کیا ہے جو دل اتنا رومینٹک ہو رہا ہے میں تو سمجھ رہا تھا میں یہاں بہت بور جاؤں گا۔" کیپٹن نظر نے کیپٹن میر بالاج سے پوچھا تھا۔

"او یار! یہ ہی تو بات ہے آخر ان پہاڑوں میں شیریں فرہاد کی داستان بھی تو گونجتی ہے۔ ان پہاڑوں سے ملک کی حفاظت اور وفاداری کا سبق ملتا ہے کہ دنیا کچھ بھی کرے آپ کو سینہ تانے دشمن کے سامنے کھڑے رہنا ہے۔ بے شک وہ ہمارے کچھ لوگوں کو ورغلا کر انہیں ہمارے خلاف لاکھ استعمال کریں، اپنے گندے ذہن اور کلچر ہمارے بچوں کی رگوں میں اتار دیں مگر وہ کچھ بھی کر لے ہماری آرمی اور ہم جیسے جوان ان پہاڑوں کی مانند دشمن کے آگے سینہ سپر رہیں گے اور تم کس خوشی میں رومینٹک ہو رہے ہو؟" اپنی بات کے اختتام تک کیپٹن بالاج نے نظر کو گھورا تھا۔

"بس یار! کوئی شدت سے یاد آ رہا ہے۔"

"یاد آ نہیں رہا بلکہ یاد آ رہی ہے۔" بالاج نے تصحیح کی تھی اور نظر اپنی پسٹل اٹھا کر باہر جاتا اسے گھور کر رہ گیا تھا۔

تب ہی کچھ لوگ مقامی لباس میں پہاڑ چڑھ کر اوپر آ رہے تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں اسلحہ موجود تھا۔ نظر کے ساتھ تمام سپاہیوں نے پوزیشن سنبھال لیں مگر بالاج نے فائر کرنے سے روک دیا۔ کیوں کہ وہ لوگ ہاتھ ہلا کر متوجہ کر رہے تھے۔ قریب آ کر ان لوگوں نے ہتھیار ان کے سامنے رکھے تھے لیکن ایک نوجوان کچھ ناراض تھا۔ جو ہتھیار رکھنے کو تیار نہ تھا۔ نظر نے رائفل اس کے ہاتھ سے لینا چاہی تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"مجھے نہیں ڈالنا ہتھیار مجھے بھوکا نہیں مرنا، کم از کم میں جن کے لیے کام کرتا ہوں، وہ مجھے پیسہ تو دیتے ہیں۔" بالاج خاموشی سے اسے میجر بلال کے روم میں لایا تھا اور اس کی گفتگو انہیں بتا دی تھی۔ میجر بلال نے اسے بیٹھنے کا اشارہ دیا تھا۔

"ہم م م م ینگ مین کیا نام ہے تمہارا عمر کیا ہے؟"

انہوں نے پوچھا تھا۔

"شہزور نام ہے 17 سال عمر ہے۔" اس کی خفگی ہنوز برقرار تھی۔

"حوالدار رحمن ان سب کو لے جا کر رجسٹریشن کرو اور کارروائی مکمل کرو۔" سب لوگ چلے گئے تو میجر بلال شہزور کے پاس آئے تھے اور اس کا ناراض چہرہ دیکھ کر ہنس پڑے تھے۔

"اتنا غصہ اتنی ناراضی کس سے ناراض ہو اپنی ماں سے باپ سے یا بہن بھائیوں سے۔"

"نہیں میں اپنے گھر والوں سے بھلا کیوں ناراض ہونے لگا۔ آپ جانتے ہیں سب کچھ سر۔"

"جانتا ہوں تبھی تو کہہ رہا ہوں کیا یہ ملک یہ دھرتی تمہاری ماں نہیں اس ملک نے کیا نہیں دیا اس ملک کے لوگ تمہارے بہن بھائی نہیں، میں مانتا ہوں حق تلفی ہوئی ہے مگر فوج یا عوام نے تو نہیں کی۔ نہ ہی اسکول جانے والے بچوں نے جن دشمنوں کے ہاتھوں تم کھلونا بنے ہو انہوں نے تمہاری معصومیت کا فائدہ اٹھایا کبھی سوچا اس ملک کو برباد کر کے ان کی سازش میں ساتھ دے کر کیا وہ تمہیں اپنے ملک میں جگہ دیں گے؟ یا کوئی آفت آجائے تو تمہارے ہم وطنوں کے بجائے ان کے لوگ آکر مدد کریں گے؟ نہیں کبھی نہیں ارے وہ تو خود اپنے لوگوں کو اونچ نیچ اور مذہب کی بنیاد پر زندہ جلا دیتے ہیں۔ وہ تمہارا کیا بھلا چاہیں گے جو کچھ وہ تمہارے جذبات کا فائدہ اٹھا کر کروا رہے ہیں۔ اس میں سراسر نقصان تمہارا میرا اور ہماری نسلوں کا ہے۔ تمہاری گلہ ہے کہ تمہیں تعلیم کی سہولیات نہیں ہیں۔ ذریعہ معاش نہیں ہے تو آؤ میں دعوت دیتا ہوں۔ پاک آرمی نے تم جیسے نوجوانوں کے لیے یونیورسٹیاں، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کیے ہیں اور بھی کر رہے ہیں، آؤ میں تمہیں دنیا کی سب سے اچھی جاب آفر کرتا ہوں کرو گے؟

"کیا جاب ہوگی۔" شہزور کی نظریں اب جھک چکی تھیں۔

"فوج کے دروازے کھلے ہیں۔ آؤ ہمیں تمہاری ضرورت ہے جو اپنی ماں کے لیے اپنے لوگوں کے لیے جان دے بھی سکتے ہیں، جان لے بھی سکتے ہیں، یہ ہمارے جوانوں کا "موٹو" ہے۔

وطن باقی رہے یہ زندگی
تو آنی جانی ہے
یہ ہی اللہ کے شیروں کا
طرز زندگانی ہے

میجر بلال نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"سر! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ بااثر لوگوں نے ہمیں پڑھنے نہیں دیا کہ ان سے سوال کرنے کا شعور نہ آجائے۔ صاحب حیثیت اچھی نوکری نہیں دیتا کہ اس کے برابر نہ آجائیں اور جو پاک آرمی ہمیں عزت کے ساتھ سب کچھ دیتی ہے اسے ہی اپنا دشمن سمجھ بیٹھے۔ چند قوم پرستوں کی ذہنیت نے ہمیں بانٹ دیا مگر اب ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ اب اس دھرتی یہ اللہ کے سپاہی آچکے ہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں سر۔" شہزور نے فرط مسرت سے میجر بلال کا ہاتھ تھام لیا تھا اور دونوں باہر نکل کر سپاہیوں کے رقص میں شریک ہوئے تھے، جو کیپٹن بالاج کے نکاح کی خوشی میں تھا۔ شہروز نے اپنی پگ بالاج کو پہنائی تھی اور اس کے ساتھ مل کر روایتی بلوچی رقص کیا تھا۔ یہ بات صرف ایک شہر دریا صوبے کی نہیں، ہم سب کی ہے ہمارے اس ازلی دشمن نے اپنا کلچر مذہب، بے ہودہ فلموں اور گانوں کے ذریعے ہمارے گھروں اور بچوں میں منتقل کیا کہ ہم بہت خوشی سے بچوں کو ان کی پاکستان مخالف فلمیں دکھاتے ہیں جس میں وہ ازلی ڈھٹائی اور بے شرمی سے کارگل، 1965ء، 1971ء کی جنگوں میں اپنی نام نہاد بہادری کے قصے سناتے ہیں اور ہم اپنے بچوں کو ان سے انسپائر کراتے ہیں۔ دشمن کی قید میں کٹی ہوئی زبان اور انگلیوں سے پاکستان زندہ باد لکھنے والے سپاہی مقبول حسین اور فوج کا ساتھ دیں یا اس نام نہاد جمہوریت کا جو سربجیت سنگھ جیسے قاتل کی سزا معاف کردے، سوچ کے در کھول دیجیے یہ آپ کے سوچنے کا مقام ہے۔ وقت آگیا ہے۔ ☆

نائلہ طارق

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 31

جو عشق میں بنتی وہ عشق ہی جانے

کوئی سوال کیے بغیر وہ تیزی سے کمرے سے نکلا تھا۔ سامنے جو منظر اسے نظر آیا وہ اس کے قدموں کو ساکت کر گیا تھا۔ اسے اپنی بصارت پر شک ہوا تھا۔ مگر یہ سچ تھا کہ بیلا سے لپٹ کر روتیں عروسہ حقیقتاً وہاں



موجود تھیں۔ جب تک عثمان کو ان کی موجودگی کا یقین آیا وہ بیلا کو چھوڑ کر اس کے قریب آ گئی تھیں۔ اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔ عروسہ کا اتنی بری طرح رونا اس کو اندیشوں میں مبتلا کر رہا تھا۔

''آپی! کیا ہوا ہے۔ آپ اس طرح کیوں رو رہی ہیں؟'' عثمان کا رنگ فق ہونے لگا تھا مگر عروسہ کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔

''ان کو ہر وقت روتے رہنے کی عادت ہو چکی ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ویسے یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ پاپا نے ان کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔''

فاران کی اطلاع نے عثمان کو بے یقین کیا تھا۔

''آپی! کیا یہ سچ ہے۔ انہوں نے خود آپ کو یہاں بھیجا ہے؟'' فاران کی اطلاع نے عثمان کو بے یقین کیا تھا۔



''آپی! کیا یہ سچ ہے۔ انہوں نے خود آپ کو یہاں بھیجا ہے؟''

''ہاں! تمہارے لیے، تمہاری وجہ سے۔ مجھے معاف کردو۔ میں نے تمہیں سب کے سامنے تھپڑ مارا تھا۔'' عروسہ بمشکل بول سکی تھیں۔

''آپ کو اپنے گھر میں دیکھنے کے لیے وہ تھپڑ مہنگا نہیں تھا۔ میں بہت خوش ہوں۔ آج کا دن میرے لیے بہت خوب صورت ہے۔'' عثمان نے مسکراتے ہوئے ان کو پھر اپنے ساتھ لگا لیا تھا اور ایک جانچتی نگاہ بیلا پر ڈالی تھی۔ وہ خاموش تھی مگر اس کے چہرے پر کسی ناگواری کا تاثر نہیں تھا۔ یہ چیز عثمان کے لیے سکون کا باعث تھی۔

''بیلا! تم نے مجھے معاف کردیا؟'' عروسہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''معافی تو مجھے آپ سے مانگنی ہے بھابی! ہماری وجہ سے اور ہمارے لیے آپ کو بہت کچھ سہنا پڑا تھا۔ اگر میرے دل میں کوئی شکایت تھی بھی تو آپ نے یہاں آکر اپنے بھائی سے پہلے مجھے گلے لگا کر ہر شکایت کو ختم کردیا ہے۔'' ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے وہ دل سے بولی تھی۔

''میں اور ماں! اگر آج ساتھ ہیں تو صرف آپ کی وجہ سے آپ کی دعاؤں کی وجہ سے۔''

''آپی! بھائی اور امی کو پتا ہے کہ آپ یہاں آئی ہیں؟'' عثمان کو یاد آیا تھا۔

''نہیں، تم برہان کو ابھی کال کردو۔'' وہ بولی تھیں۔

''آپ رکیں، یہ خوش خبری پہلے میں برہان ماموں اور نانو کو دوں گا۔'' فاران نے فوراً کہا تھا۔

☆......☆

ہیئر ڈرائر سے بالوں کو خشک کرتے ہوئے وہ کمرے میں داخل ہوتی منیزہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''عون نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا زیادہ؟''

''بالکل نہیں۔ یہ آرام سے میری گود میں رہا اور مزے سے اب سو رہا ہے۔'' بچے کو احتیاط سے کاٹ میں لٹاتی وہ بولی تھی اور پھر خرمن کی طرف ہی آئی ڈریسنگ کے کنارے پر براجمان ہوگئی تھی۔ لائٹ اورنج کلر کے سادہ سے مگر نفیس تراش خراش شیفون جارجٹ کے لباس میں اس کا سراپا بہت کھلا کھلا نظر آرہا تھا۔ خاموشی سے اس کے نکھرے نکھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے منیزہ کسی سوچ میں مبتلا ہونے لگی تھی۔

''کیا ہوا، اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟'' بالوں میں برش پھیرتے ہوئے خرمن نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

''دیکھ رہی ہوں کہ بیلا کو تم پر کتنی محنت کرنی پڑی ہوگی۔ چہرے کا حشر بگاڑ رکھا تھا تم نے۔ ایک بچے میں تمہارا یہ حال ہے تو آگے......''

''خاموش رہو۔'' خرمن نے درمیان میں ہی اسے گھر کا تھا جو بے ساختہ ہنسی تھی۔

''تمہارے اس چہیتے نے قسم لے رکھی ہے کہ یہ مجھے اپنے سوا کہیں دیکھنے تک نہیں دے گا۔ اس کی وجہ سے میری ساری رات جاگتے ہوئے گزرتی ہے۔ یہ تو دن بھر سوتا رہتا ہے۔ عارش تو ترس جاتا ہے کہ یہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھ لے اور رات گئے جب یہ جاگ رہا ہوتا ہے تو عارش سو رہا ہوتا ہے۔ وہ الٹا مجھ سے شکایت کرتا ہے کہ میں اسے دن میں سونے کیوں دیتی ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ چند ہفتوں کے بچے کے لیے سونے جاگنے کا وقت کیسے مقرر ہوسکتا ہے؟'' اس کے حیران لہجے پر منیزہ بس مسکراتے ہوئے اسے دیکھ

رہی تھی۔
''اگر تم اور بیلا نہ ہوتیں تو میں جو چند گھنٹے سکون سے دن میں سو لیتی ہوں اس سے بھی محروم رہتی۔ آج عارش کے جانے کے بعد بیلا مجھے اپنے گھر لے گئی تھی۔ وہاں میں نے نیند پوری کی اس کے بعد وہ مجھے زبردستی اپنے پارلر میں کھینچ کر لے گئی۔ ورنہ میں تو اپنے آپ کو بھی بھول گئی ہوں۔''
''شادی کے بعد زندگی کتنی مشکل ہو جاتی ہے، میں تمہیں دیکھ دیکھ کر سبق حاصل کر رہی ہوں۔'' منیزہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔
''ہاں بالکل سبق حاصل کرو مگر شادی بہر حال تم نے بھی کرنی ہی ہے۔'' بالوں میں کیچر لگاتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔
''میری شادی کا معاملہ تو تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' منیزہ کے سنجیدہ لہجے پر وہ چونکی تھی جب کہ منیزہ اس کے ہاتھ سے برش لیتی اس کے عقب میں آ گئی تھی اور اس کے ادھ کھلے بالوں میں برش پھیرنا شروع کر دیا تھا۔
''یہ کہنے کا مطلب کیا ہے تمہارا......؟'' آئینے میں اس کے عکس کو دیکھتی خرمن خاموش نہیں رہ سکی تھی۔
''جب تک تم ان کو قبول نہیں کرو گی۔ وہ کس طرح میری طرف قدم بڑھا سکتے ہیں۔'' اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے برش پھیرتی وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔
''منیزہ! بے خبری میں تمہارے معاملے کو میں جہاں تک لے گئی کافی ہے۔ مجھے تم سے ہرگز یہ امید نہیں کہ اس شخص کے لیے تم مجھے کسی چیز کے لیے مجبور کرو۔'' خرمن کا لہجہ تلخ تھا۔
''ایسا نہیں ہے خرمن! ہارون نے مجھ سے کچھ نہیں کہا مگر میں سمجھ سکتی ہوں کہ......''
''منیزہ! بہتر ہے کہ مجھ سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرو۔'' خرمن نے اس کی بات کاٹی تھی۔
''ٹھیک ہے خرمن! ان حالات کی نظر ہو کر میرا نصیب بھی جھلس جائے تو بھی اب میں تم سے کیا کسی سے کوئی امید نہیں رکھوں گی۔'' منیزہ کے بکھرے بجھے لہجے پر خرمن کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ بغور اس نے منیزہ کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر اذیت و درد بکھرا تھا۔ اس سے پہلے کہ خرمن کچھ کہتی کال بیل نے خاموشی کو توڑ دیا تھا۔ اس سے نگاہ ملائے بنا منیزہ پہلے ہی تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ گیٹ کھولتے ہی وہ دنگ ہوئی تھی جب کہ ایبک اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اندر آ گیا تھا۔
''ایبک! یہیں رک جاؤ اگر خرمن نے تمہیں دیکھ لیا تو......'' دہل کر اسے روکتے ہوئے منیزہ حد درجہ پریشان ہو اٹھی تھی کیوں کہ خرمن بیڈ روم سے باہر آ رہی تھی اس کے بھرتے چہرے کو دیکھنے کے باوجود ایبک بہت دلیری سے اس کی جانب گیا تھا۔
''اس سے پہلے کہ میں تمہیں دھکے دے کر اس گھر سے نکالوں، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' خونخوار نظروں سے ایبک کو گھورتی وہ غرائی تھی۔
''تو پھر آپ بھی سن لیں آپ مجھے دھکے دے کر بھی یہاں سے نکالیں تو بھی میں نہیں جاؤں گا۔ میں عون کو لینے آیا ہوں اور اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔'' ایبک بھی اس کا ہی بھائی تھا جس طرح ہٹ دھرمی سے وہ چیخا خرمن کا پارہ بلند ہوتا گیا تھا۔
''منیزہ! تم نے اسے اندر کیسے آنے دیا؟ اسے یہاں سے نکالو، ورنہ میں اس کا چہرہ بگاڑ دوں گی۔''

اشتعال میں منیزہ پر چیختی وہ گھر میں داخل ہوتے عارش اور عثمان سے قطعی لاتعلق تھی۔

''میں آپ سے کچھ نہیں مانگ رہا، وہ عارش کا بیٹا ہے۔ میں اسے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا کیوں کہ میں اب اور اپنے ماں باپ کو تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔'' ایبک حلق کے بل چیخ رہا تھا۔

''آپ کو شرم نہیں آتی اپنے ماں باپ کو اذیت دے کر مگر میں آپ کی طرح پتھر اور بے حس نہیں ہوں۔'' زناٹے دار تھپڑ ایبک کی زبان بند کر گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ خرمن مزید ایک اور تھپڑ سے اس کا چہرہ لال کرتی، سرعت سے عارش نے اس کا ہاتھ روکا تھا۔

''خرمن! ہوش میں آؤ، کیا کر رہی ہو تم۔'' عارش کی غصیلی آواز نے ایبک کے سکتے کو توڑا تھا۔ عارش نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ اس کا بھی ہاتھ جھٹکتا دوڑتا ہوا گھر سے نکل گیا تھا۔

''خرمن! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بہت غلط کیا ہے یہ تم نے۔'' شدید تاسف سے منیزہ بولے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''کیا غلط کیا ہے میں نے؟ کس حق سے وہ یہاں آیا تھا؟ کس حق سے وہ میرے بچے کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا؟'' بھڑکتے لہجے میں وہ منیزہ پر چیخ اٹھی تھی۔

''وہ بھائی ہے تمہارا۔ اسی حق سے یہاں آیا تھا جسے تم قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اپنی ضد میں آخر کب تک کس کس کو اذیت دو گی تم؟'' عارش کا ضبط ختم ہوا تھا جو اس کی آواز بلند ہوئی تھی۔

''مجھ سے اب کوئی راحت کی توقع بھی نہ رکھے۔ مجھ تک اور میرے بچے تک پہنچنے کی اب کوئی کوشش بھی نہ کرے۔ ورنہ میں آگے بھی ایسا کوئی لحاظ باقی نہیں رکھوں گی۔'' وہ چیخی تھی۔

''مگر میں اب تمہاری من مانیاں برداشت نہیں کروں گا۔ یہ تم بھی سن لو۔'' غصیلی نظروں سے اسے دیکھتا وہ جن تیوروں کے ساتھ بیڈروم کی سمت بڑھا تھا ان تیوروں کو جانتے ہی خرمن سرعت سے درمیان میں آتی اس کا راستہ روک گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں تم کیا کرنے جا رہے ہو مگر کان کھول کر سن لو تم میرے بچے کو یہاں سے لے گئے تو میں زمین آسمان ایک کر دوں گی۔'' اس کی وارننگ سنے بغیر وہ اسے سامنے سے ہٹاتا رکے بغیر بیڈروم میں داخل ہو گیا تھا۔ دوسری جانب عثمان کی طرح منیزہ بھی اپنی جگہ ساکت دم سادھے خرمن کو دیکھتی رہی تھی جو جارحانہ انداز میں ہی عارش کے پیچھے بیڈروم میں گئی تھی۔

سر سے پیر تک آگ کے شعلوں میں جھلستی وہ عارش سے پہلے ہی آگے بڑھ کر کاٹ میں موجود عون اور اس کے درمیان دیوار بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''خرمن! میرا راستہ مت روکو، مجھے ایسا کچھ کرنے پر مجبور مت کرو، جو میں کرنا نہیں چاہتا۔'' عارش کا اشتعال بڑھا تھا۔

''تم میری اجازت کے بغیر میرے بچے کو کہیں نہیں لے جا سکتے۔'' وہ چیخی تھی۔

''مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔'' عارش کی آواز اس سے زیادہ بلند تھی جس پر منیزہ بیڈروم میں داخل ہونے سے خود کو روک نہیں سکی تھی۔

''یہ میری اولاد ہے میں جہاں چاہوں گا اسے لے جاؤں گا۔ تم مجھے روک نہیں سکتیں۔'' عارش کے اس انتہائی مشتعل انداز نے جہاں منیزہ کی سانس روک دی تھی وہیں خرمن کے حواس بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''تم اسے نہیں لے جاسکتے، یہ تمہاری اولاد نہیں ہے۔'' خرمن کی چنگھاڑتی آواز پگھلے سیسے کی طرح عارش کے کانوں میں اتری تھی۔ بس ایک پل کے لیے وہ سناٹے میں آیا تھا مگر اگلے ہی پل اس کا اٹھتا ہاتھ اس شدت سے خرمن کے چہرے پر پڑا تھا کہ اس کے ہاتھ سے رسٹ واچ بھی نکلتی خرمن کے قریب جاگری تھی جو اس تھپڑ کی تاب نہ لاکر بری طرح منہ کے بل کارپٹ پر گرتی پھر اٹھ نہ سکی تھی۔

''عارش!'' منیزہ خوف سے چیختی جہاں عارش کی سمت بھاگی وہیں باہر رکا عثمان گھبرا کر بیڈروم میں آگیا تھا۔

''عارش! رک جاؤ، ہوش کرو کچھ۔ کیا کر رہے ہو تم؟'' چیختے ہوئے منیزہ نے اس کا بازو پوری قوت سے جکڑ کے اسے دوبارہ خرمن کی طرف بڑھنے سے بمشکل روکا تھا۔

''مت روکو مجھے ہوش میں تو آج آیا ہوں میں۔'' ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑاتا وہ منیزہ پر دہاڑا تھا مگر وہ دوبارہ اس کے بازو سے لگتی سسک اٹھی تھی۔

''کسے گالی دی ہے اس نے، مجھے، اپنے آپ کو یا اس معصوم بچے کو؟ پوچھو اس سے۔'' شدید غم و غصے میں چلا اٹھا تھا۔ اس کی خون رنگ آنکھوں اور انگارہ چہرے نے عثمان کو دم بخود کر دیا تھا۔

''میں لعنت بھیجتا ہوں خود پر کہ میں نے اس عورت کے حوالے اپنا سب کچھ کر دیا، اس سے شادی کرنا میری زندگی کی سب سے بھیانک غلطی بن چکی ہے۔ آج مجھے یہ یقین ہو گیا ہے۔ آج ایک ہی ٹھوکر میں یہ مجھے اندھی کھائی میں پھینک چکی ہے۔ ٹھیک کہہ گیا ہے ایبک، یہ بے حس ہے بے حسی کی انتہا کر چکی ہے یہ، جو اسے اپنا خون پلا کر پروان چڑھاتے رہے، اپنی ذات، خاندان، یہاں تک کہ خود کو بھی بھول گئے۔ یہ ان کو بدلے میں اذیتیں اور تنہائی دے چکی ہے۔ جو اسے دنیا میں لانے کا جرم کر چکے تھے جو اس کی جدائی میں خوشیاں خود پر حرام کر چکے تھے۔ یہ ان کو بھی خون کے آنسو رلا رہی ہے۔ یہ بے حسی، سفاکی نہیں تو اور کیا ہے۔'' وہ سب جو اس کے لیے اپنی اپنی زندگی تیاگ چکے ہیں، یہ ان کی نہ بن سکی تو میری وفادار کیسے بن سکتی ہے۔ یہ احسان فراموش ہی نہیں اولاد اور انسانیت کے نام پر بھی طمانچہ ہے۔ نہیں ہے میرا اس سے کوئی رشتہ، نہیں ہے میری کوئی اولاد۔'' شدید اشتعال میں دہاڑتے ہوئے اس نے ایسی آخری شعلہ بار نگاہ خرمن پر ڈالی تھی جو چہرہ چھپائے بے حس و حرکت ہی پڑی تھی۔ شدید جارحانہ قدموں سے وہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا۔ جہاں موجود عثمان کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ آج سے پہلے اس نے کبھی عارش کو اس قدر اشتعال میں نہیں دیکھا تھا۔ اس کے بپھرے چہرے پر غیض و غضب کے ایسے تاثرات تھے کہ عثمان کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے مخاطب کرتا یا روکنے کی کوشش کرتا۔

کمرے میں اب صرف عون کے رونے کی ہلکی سی مہین آواز سنائی دے رہی تھی۔ سناٹے میں گھری منیزہ اور عثمان کے درمیان خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔ پھر بہت ہمت کر کے منیزہ نے خرمن کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

''خرمن!'' منیزہ کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔ اس کے چھوتے ہی خرمن کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھتے ہی منیزہ کا دل دہل اٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک اور چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا اور ہاتھ برف کی طرح یخ بستہ، منیزہ سے نظر ملائے بغیر وہ بہت خاموشی سے اٹھی تھی اور کاٹ میں روتے عون کی جانب بڑھ گئی تھی۔

ہراساں ہو کر منیزہ نے عثمان کی جانب دیکھا تھا جس کی اپنی کیفیت منیزہ سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔
دوسری طرف خرمن کاٹ میں سے عون کو اٹھا کر واپس منیزہ کی طرف آئی تھی۔
''اسے ایبک کے پاس لے جاؤ۔ عثمان تمہیں وہاں لے جائے گا۔'' اس کے سپاٹ لہجے نے منیزہ کو بے یقین سا کیا تھا مگر کچھ بول نہیں سکی تھی۔ خاموشی سے عون کو سنبھالے وہ بیڈ روم سے نکلی تو عثمان بھی پیچھے آیا تھا۔

''عثمان! کیا تم نے بھی وہی سنا جو میں نے سنا ہے؟''
''ہاں، ایسا جو ہو رہا ہے۔ اسے ہونے دو۔ خرمن کو یہاں تنہا چھوڑ کر جانا قطعی مناسب نہیں ہے۔ میں پہلے بیلا کو یہاں لے آتا ہوں پھر ہم چلتے ہیں۔'' عثمان بولتے ہوئے عجلت میں وہاں سے گیا تھا۔

☆......☆

دروازہ کھولتے ہی فاطمہ اس کے چہرے کو دیکھ کر ہول اٹھی تھیں۔ جوان کی جانب دیکھے بغیر تیز قدموں سے صحن عبور کرتا جا رہا تھا۔ فاطمہ کی پکاریں جیسے اس نے سنی ہی نہیں تھیں، اپنے کمرے میں جاتے ہی اس نے دروازہ لاک کر لیا تھا۔ دل، دماغ میں آگ بھڑک رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کند چھری اس کی شہ رگ میں اترتی جا رہی ہے۔ دکھ، اذیت اور ضبط کی شدت سے اس کی رگیں نیلی پڑ رہی تھیں۔ ڈریسنگ کے آئینے میں نظر آتے عکس سے اسے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔ ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے ایک کے بعد ایک اپنے ہی چہرے پر تھپڑ لگاتا وہ گھٹنوں کے بل گرا تھا گرم سا سیال اس کی لہو رنگ آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔ اشتعال کا مزید ایک ریلا اس کے دماغ میں داخل ہوا تھا۔ ایک ہاتھ مار کر اس نے ڈریسنگ پر رکھی چیزوں کو زمین بوس کر ڈالا تھا۔ باہر دروازے پر ماما بار بار دستک دیتیں اسے پکار رہی تھیں، جو کچھ بھی سننے سمجھنے کی حالت میں نہ تھا۔ خالی ڈریسنگ پر اس کے ہاتھ پھیلے تھے۔ ڈریسنگ کے کنارے سے پیشانی ٹکائے بری طرح درد کے سمندر میں ڈوبتا ابھرتا نڈھال ہو رہا تھا۔
ایسا ہوتا ہے زندگی میں جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہو نہیں پاتا اور جو ہم نہیں کرنا چاہتے۔ وہ سب کروانے کے لیے پوری کائنات سازش میں لگ جاتی ہے۔ کبھی وقت مجبور کر دیتا ہے۔ کبھی حالات بس سے باہر ہو جاتے ہیں۔ لاکھ سر پٹخنے کے باوجود ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں اور حالات زندگی کے یہ وہ ہتھیار ہیں جن کے سامنے دنیا کے کسی ہتھیار کی نہ اہمیت ہے نہ کوئی معنی۔
بند دروازے نے احمد حسین کے مضبوط اعصاب بھی چٹخا دیے تھے۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ عارش کی وجہ سے وہ اور فاطمہ اس درجہ ہراساں اور پریشان ہو رہے تھے ورنہ عارش کے لیے ان دونوں کو اپنی ذات سے کوئی تکلیف دینا کسی گناہ سے کم نہ تھا۔ احمد حسین کو صرف عارش کی فکر تھی۔ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ کچھ غلط نہیں۔ بہت زیادہ غلط ہو چکا ہے۔ ورنہ عارش کبھی اس حد تک نہیں جا سکتا تھا۔
''میں نے منیزہ کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ایبک، خرمن کے پاس گیا تھا۔ بس اسی کو لے کر عارش اور خرمن کے درمیان بحث ہو گئی ہے۔'' فاطمہ بتا رہی تھیں۔
''بات صرف بحث تک محدود نہیں ہے فاطمہ! تمہاری بیٹی کی بڑی سے بڑی بات وہ صبر سے سہہ جانے والا ہے۔ بات کچھ اور ہے ورنہ عارش اتنا دلبرداشتہ نہیں ہوتا کہ اسے میری تمہاری پکاریں بھی نہ سنائی دیں۔'' احمد حسین کے لہجے میں غم و غصہ تھا۔

"اسے یہی کرنا چاہیے۔ کیا آپ نے اس کی بات سنی تھی؟ خرمن کی وجہ سے آپ نے اس کے ساتھ غلط نہیں کیا تھا؟ اس کے بچے کا چہرہ تک دیکھنے سے انکار کر دیا تھا آپ نے اگر میں اسے نہ روکتی تو وہ بچے کو یہاں تک لے آتا تاکہ آپ بچے کا چہرہ تو دیکھ لیں مگر مجھے پتا تھا کہ آپ بھی اپنی بیٹی کی طرح اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ آپ دونوں نے اپنی ضد میں اسے نظر انداز کیا۔ بے قصور اسے سزا دی۔ آخر وہ کہاں تک برداشت کرے گا۔" فاطمہ بولنے پر آئیں تو رکی نہیں تھیں۔ وہ غلط نہیں تھیں سو احمد حسین خاموشی سے سن رہے تھے۔ ابھی ان کو صرف عثمان کا انتظار تھا۔

☆......☆

بیک کراؤن سے پشت لگائے بیٹھی وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت تھی۔ خالی آنکھیں بند دروازے پر جمی تھیں۔ اسے اپنا وجود ملبے تلے دھنسا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ ملبہ اس دیوار کا تھا جس کے سہارے وہ کھڑی رہا کرتی تھی مگر آج اس دیوار کے ساتھ اس کی انا کا ملبہ بھی سر پر آ گرا تھا۔

بہت آہستگی سے بند دروازہ کھلا تھا۔ عون کو ہاتھوں میں سنبھالے ایک اندر داخل ہوا تھا مگر خرمن کو ایک ٹک اپنی جانب دیکھتا پا کر وہیں دروازے کے قریب رک گیا تھا۔ تب ہی کمرے میں داخل ہوتے مزید دو چہروں نے یکایک اس کے تنفس کو بڑھا دیا تھا۔ اتنا کہ اگر وہ غور کرنے کے قابل ہوتی تو اپنی ڈوبتی ابھرتی کراہتی سانسوں کا شور خود سن سکتی تھی مگر وہ اسی طرح ساکت پتھرائی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جن کے چہرے آنسوؤں سے بھیگ رہے تھے۔ برسوں کی اذیت ان چہروں پر بکھری ہوئی تھی۔ اس کے سر کو چہرے کو ہاتھوں کو بار بار پاگلوں کی طرح چومتی یہ روتی سسکتی عورت اس کے لیے انجان نہیں تھی۔ نو ماہ تک یہ عورت اس کو اپنے وجود میں چھپائے، اس کا بوجھ اٹھائے، اس کے نقش اپنے تخیل سے بنتی رہی ہوگی۔ برسوں پہلے اس نے اپنی گود اجڑنے کا تصور تک نہ کیا ہوگا۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے پیروں کو ہاتھوں کی گرفت میں لیے جھکے سر، جھکے کاندھوں کے ساتھ گھٹ گھٹ کر روتا یہ شخص برسوں پہلے، پہلی بار اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے یقیناً خوشی کی سب سے بلند چوٹی پر پہنچا ہوگا۔ اس شخص نے کتنے خواب اس کے لیے اپنی آنکھوں میں سجائے ہوں گے۔ اس وقت وہ انجان ہوگا۔ آنے والی قیامتوں سے، جب وقت نے اس کی آنکھوں سے خواب اور دل کے ارمان بے دردی سے نوچ کر پھینک دیئے تھے۔ آنسوؤں کی یہ بارش لرزتے کانپتے یہ لمس، ان کراہوں، سسکیوں میں چیختی پکاریں اس کے لیے نامانوس تو نہیں تھیں۔ یہ پکاریں، یہ سسکیاں تو ہر رات کے کسی نہ کسی پہر میں اس کا پیچھا کرتی رہی تھیں، اسے اپنے حصار میں باندھ لیتی تھیں۔ اس کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ سینے میں ابلتا لاوا آنکھوں تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھا۔ لب سیے وہ بار بار کبھی صبیحہ کو دیکھتی اور کبھی ہشام قزلباش کو مگر پیاس تھی کہ بجھ ہی نہ رہی تھی۔ دل غم کی شدت سے پھٹے جا رہے تھے۔ سارے لفظ ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ زبانیں گنگ تھیں مگر آنسو بول رہے تھے۔ جذبات کی شدتوں سے بلند ہوتی کراہیں در و دیوار کو چیر رہی تھیں۔

قدرت نے دل کے ایک حصے میں کچھ رشتوں کی اہمیت کو سورج کی مانند رکھا ہے اس کی کرنیں اگر دل سے اس مخصوص حصے تک نہ پہنچیں تو وہ حصہ ایک تاریک خنک غار بن کر رہ جاتا ہے جس میں نہ کچھ دکھائی دے سکتا ہے نہ زندگی کی رمق مل سکتی ہے۔ آج دل کے اس مخصوص حصے سے تاریکی چھٹ گئی تھی۔ کرنوں

کی تیز روشنی میں آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ ہشام قزلباش کے سینے سے لگی وہ بلک رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ ان کے صدیوں سے ماتم کدہ دل اور سلگتے سینے پر جیسے خرمن کے آنسوؤں کی صورت اللہ کی رحمت برس رہی تھی۔ تپتا صحرا جل تھل ہو گیا تھا۔ وہ ان ہی خوب صورت مقدس لمحوں میں سانس لے رہے تھے۔ جب انہوں نے پہلی بار اس کے ننھے وجود کو اپنے سینے سے لگایا تھا۔ آج بھی اس کے رونے، کراہنے کی بلند آواز پر ان کا دل اپنے رب کی بارگاہ میں تشکر سے سجدہ ریز ہو رہا تھا۔

☆......☆

عثمان کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس نے بھی تقریباً وہی سب بتایا تھا جو منیزہ سے فاطمہ کو پتا چلا تھا مگر احمد حسین جو بے یقین پہلے ہی تھے اس وقت ششدر رہ گئے تھے۔ جب عثمان سے وہ سب معلوم ہوا جو اب تک ناممکن تھا۔ آخر راتوں رات یہ معجزہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خرمن اس کام کے لیے راضی ہو جاتی، جسے نہ کرنے کی ضد میں وہ اپنے اور ان کے درمیان دیوار کھڑی کر چکی تھی۔ یہ تو وہی جانتے تھے کہ ان کے دن رات کس اذیت میں گزر رہے تھے۔ خرمن میں ان کی زندگی قید تھی۔ اس سے الگ اور لاتعلق رہنے کی کوشش میں ان کی حالت ماہی بے آب جیسی تھی۔ اس کی اولاد کو اپنے سینے سے لگانے کے لیے وہ کس قدر تڑپ رہے تھے۔ یہ ان کا رب جانتا تھا یا وہ جانتے تھے۔ وہ کسی کو نہیں بس خود کو سزا دے رہے تھے اگر ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے؟ کس طرح سامنا کرتے ہشام قزلباش کا جن کو انہوں نے زبان دی تھی جن کی امیدیں احمد حسین سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ خرمن نے ان کے مان کو نہیں خود ان کو توڑ کر رکھ دیا تھا وہ واقعی خود پر جبر کرتے کرتے بری طرح ٹوٹ چکے تھے۔

عثمان کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ پھر لاک کر دیا تھا۔ جب کہ عثمان نے جانچتی نظروں سے اس کی سرخ آنکھوں اور تنے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''احمد انکل کو میرے کسی بہانے پر یقین نہیں آئے گا اگر تم اسی طرح کمرے میں بند رہ کر ان کی پریشانی کو بڑھاتے رہے۔''

''میں آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے کے قابل نہیں رہا ہوں اور تم چاہتے ہو کہ میں ان کا سامنا کروں مگر کس منہ سے؟'' عارش کا لہجہ دھیما مگر بھڑکتا ہوا ہی تھا۔

''دھجیاں اڑ چکی ہیں میری، میں سامنا اس لیے نہیں کرنا چاہتا کہ کہیں میرا کوئی لفظ ماموں جان اور مامی کے لیے اذیت کا سبب نہ بن جائے۔'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ بمشکل ضبط کیے بولا تھا۔

''میں سب کچھ سمجھ سکتا ہوں عارش! مگر اس طرح خود کو قید کر کے بھی تم ان کو اذیت دے رہے ہو، تمہارے اور خرمن کے درمیان جو غلط ہوا ہے وہ سب کسی کے کانوں تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ ورنہ ہو سکتا ہے بدگمانیاں پیدا ہو جائیں یہاں اب تمہاری اور خرمن کی عزت اور امیج کا بھی سوال ہے۔ پہلے میری بات پوری سن لو پھر تم جو کہو گے میں سنوں گا۔'' عارش نے بگڑ کر کچھ کہنا چاہا تھا کہ عثمان نے سرعت سے اسے روک دیا تھا۔

''جانتے ہو تمہارے گھر سے نکلنے کے بعد خرمن نے عون کو میرے اور منیزہ کے ساتھ ایبک کے گھر بھیج دیا تھا۔ ہشام انکل اور آنٹی اس وقت خرمن کے پاس ہیں اور اسے لے کر کسی بھی لمحے یہاں پہنچنے والے ہیں۔ تمہاری ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا ہوں اور ابھی یہاں تمہاری موجودگی مناسب نہیں ہے۔ اس لیے تم فوراً

میرے ساتھ باہر چلو۔'' عارش کے شدید دنگ تاثرات کے باوجود عثمان نے عجلت میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔
برآمدے میں ٹہلتے ہوئے ان کا اضطراب کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی عارش، عثمان کے ہمراہ گھر سے جا چکا تھا۔ انہوں نے پہلے ہی فاطمہ کو روک دیا تھا کہ عارش سے کسی قسم کا کوئی سوال نہ کریں۔ جس وقت وہ کمرے سے باہر آیا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ان کو شدید دھچکا پہنچا تھا۔ خرمن کی فطرت سے وہ واقف تھے۔ اس لیے سخت پشیمان ہوا تھے تھے۔ دوسری طرف عارش بھی شاید ان کے سامنے ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ احمد حسین جانتے تھے کہ وہ ان سے ناراض ہے۔ بدگمان ہے، رہی سہی کسر خرمن نے پوری کر ڈالی تھی۔ یہ سچ تھا کہ ارادہ اور نیت نہ ہونے کے باوجود بیٹی کی محبت میں انہوں نے عارش کو کئی بار نظر انداز کیا تھا۔ شاید اس لیے بھی ایسا ہوا کہ ان کو عارش پر بھروسا تھا کہ وہ ان کی پوزیشن کو سمجھتا ہے۔ وہ خرمن سے زیادہ معاملہ فہم رہا ہے لیکن آج وہ اس سے بہت زیادہ شرمندہ تھے۔ اس کے لیے مضطرب تھے۔ سوچوں کی یلغار میں وہ اس وقت خود کو بہت تنہا اور بے بس محسوس کر رہے تھے۔ اردگرد پھیلا سناٹا اور ویرانی ان کی بے چینی اور گھبراہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔ دل کی تڑپ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ سب کچھ بھلا کر وہ خرمن کے پاس جانا چاہتے تھے۔ اپنے سینے اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بغیر وہ مر تو سکتے تھے مگر زندہ رہنا ان کے لیے اذیت ناک بنتا جا رہا تھا۔ ان کا دل، دماغ ہر سوچ خرمن اور عارش کے گرد گھوم رہی تھی۔ ان دونوں کے بغیر وہ ادھورے تھے۔ ان کی زندگی نامکمل تھی۔
اس وقت بھی وہ برآمدے میں تھے۔ جب کھلتے دروازے نے ان کے قدموں کو ساکت کر دیا تھا۔ درد کی ایک تیز لہر ان کے سینے میں اٹھی تھی۔ یہ وہم نہیں تھا۔ وہ حقیقتاً خرمن کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے ہمراہ اور کون کون تھا ان کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نظر آ رہا تھا تو بس یہ کہ وہ دیوانہ وار جانب بھاگتی آ رہی ہے۔
''بابا! مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کو بہت تکلیفیں دی ہیں۔ بس ایک بار معاف کر دیں۔'' ان کے سینے سے لگی وہ بلند آواز میں روتی دل کو چیر گئی تھی۔ احمد حسین جو کبھی اس کی آنکھوں میں ایک آنسو تک دیکھنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ آج اس کی کراہوں اور سسکیوں نے ان کو بالکل نڈھال کر دیا تھا وہ ان کو جان سے عزیز تر تھی۔ اپنی تکلیف پر نہیں مگر اس کے کرب، آنسو اور التجاؤں نے ان کی آنکھوں کو تر کر دیا تھا۔ برسوں پہلے اس کے نیم جاں وجود سے ان کے سینے کی حرارت کا جو رشتہ بندھا تھا۔ وہ رشتہ آج بھی اتنا ہی اٹوٹ اور مضبوط تھا کہ اس کی کوئی خطا کوئی غلطی اس رشتے کی جڑوں کو کمزور نہیں کر سکتی تھی۔ آج بھی اس کے آنے سے ان کے گھر اور زندگی کی ویرانی بھی رونق میں بدل چکی تھی۔ آگے بڑھ کر منیزہ نے خرمن کو سنبھالا تھا جب کہ ہشام قزلباش نے مسکراتے ہوئے عون کو احمد حسین کے حوالے کر دیا تھا۔
وہ جیسے دم بخود رہ گئے تھے۔ ساری دنیا کی دولت اس بچے کی صورت میں ان کے ہاتھوں میں سمٹ آئی تھی۔ یہ خرمن اور عارش کا بیٹا تھا۔ ان کی ریاضتوں کا سود سمیت ملنے والا صلہ تھا۔ اس کے چاند سے چہرے کی ٹھنڈی کرنیں ان کی آنکھوں سے دل میں اتر کر عجیب راحت بخش رہی تھیں۔ بھیگی آنکھوں کے ساتھ انہوں نے بچے کی پیشانی کو چوم لیا تھا۔



عثمان کے سامنے اس نے اپنے غصے کو ضبط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ عثمان بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ دل

کا غبار نکال لے۔ یہ ضروری تھا آگے کے حالات بہتر دیکھنے میں۔
عارش کے اعصاب نارمل ہوئے تھے یا نہیں مگر رات گئے گھر واپس لوٹتے ہوئے اس کے دل پر پشیمانی کا بھی بوجھ تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح وہ احمد حسین اور فاطمہ سے نگاہ ملا سکے گا۔ اگر وہ دونوں اس چیز سے باخبر ہو جاتے کہ وہ خرمن کے ساتھ کس طرح کا جارحانہ سلوک کر چکا ہے تو وہ ان کی نظروں میں بھی ساری زندگی کے لیے گر جائے گا۔
گیٹ احمد حسین نے ہی کھولا تھا۔ حالانکہ وہ ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا مگر کہیں بھاگ بھی تو نہیں سکتا تھا۔
''اتنا وقت لگا دیا تم نے واپس آنے میں۔ تمہارا فون بھی بند جا رہا تھا۔ ہشام اور ان کی بیوی کافی دیر تک تمہارا انتظار کرتے رہے تھے۔'' اس کے ہمراہ برآمدے کی طرف بڑھتے وہ بتا رہے تھے مگر اس پر یہ واضح نہیں کر سکے تھے کہ ہشام اور صبیحہ بھی اس بات سے واقف ہیں کہ ایک کی وجہ سے خرمن اور عارش کے درمیان جھگڑا ہوا ہے۔
''مجھے عثمان کے ساتھ جانا تھا۔ باہر وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا اور سیل فون گاڑی میں ہی رہ گیا تھا۔ ابھی راستے میں ہی میں نے آپ کی کالز دیکھی تھیں۔'' بولتے ہوئے وہ قریب آتیں فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
''عارش! کہاں رہ گئے تھے تم؟ اب کھانا کھائے بغیر مت سونا خرمن نے بھی تمہارے انتظار میں کھانا نہیں کھایا ہے میں ابھی کھانا گرم کرتی ہوں۔''
''نہیں مامی! کھانا میں نے باہر مان کے ساتھ کھا لیا تھا۔ آپ صبح مجھے جلدی جگا دیجیے گا۔ میں آفس جانے سے پہلے آپ سب کو گھر لے جاؤں گا۔'' بولتے ہوئے عارش نے ایک پل کو رک کر احمد حسین کو دیکھا تھا۔
''اب تو آپ گھر جانے سے انکار نہیں کریں گے؟''
''بالکل نہیں کیوں کہ اب ہم تمہاری بیوی اور تمہارے بغیر تو رہ سکتے ہیں مگر تمہارے بیٹے کے بغیر ہرگز نہیں۔'' احمد حسین مسکرا کر بولے تو اس کے چہرے پر بھی لہراتی ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کر فاطمہ کو کچھ سکون ملا تھا۔
''جاؤ ذرا دیکھو تمہارے بیٹے کا دن تو اب شروع ہوا ہے۔'' فاطمہ چاہتی تھیں کہ وہ بچے اور خرمن کے پاس جائے۔
''اسی لیے تو میں اپنے کمرے میں جا کر سونا چاہتا ہوں۔ شدید نیند آ رہی ہے صبح جلدی بھی اٹھنا ہے۔'' فوراً ہی انکار کرنے والے انداز میں بولتا وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔
''مجھے معلوم ہے اس نے باہر کھانا نہیں کھایا ہے۔'' فاطمہ تاسف سے بولی تھیں۔
''بچے کو بھی ایک نظر نہیں دیکھا۔ اس کا کیا قصور ہے؟''
''یہ سب خرمن کی بے وقوفی کا نتیجہ ہے۔ بات ان دونوں کے درمیان ہے۔ اب میں یا تم زیادہ مداخلت نہیں کر سکتے۔ خرمن کو میں نے سمجھا دیا ہے وہ عارش سے معافی مانگے گی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ عارش سے ناراضی دور کر دے گی۔'' احمد حسین سنجیدگی سے بولے تھے۔

☆......☆

اپنے نام کی پکار پر وہ چونک کر تیزی سے کمرے کی جانب گیا تھا۔
''تم باہر کیا کر رہے تھے۔ رات کا وقت دیکھا ہے تم نے؟'' بیلا کے ناراض لہجے پر وہ بس خاموشی سے دروازہ بند کر رہا تھا۔
''میری اچانک نیند ٹوٹی تو دیکھا تم اپنی جگہ پر موجود ہی نہیں۔ گھبرا ہی گئی میں۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ آج کل کیسے عجیب عجیب سے وہم ہونے لگے ہیں مجھے۔'' مزید ناراضی سے بیلا نے اسے دیکھا جو اس کی طرف آ رہا تھا۔
''ہاں! مجھے بالکل پتا ہے لیکن تمہیں خود کو کچھ مضبوط کرنا ہوگا۔ یہ کچھ نہیں بس کچھ میڈیکل ایشوز ہیں جس پروسیس سے تم گزر رہی ہو اس میں ایسا ہو جاتا ہے مگر وہم کو سر پر سوار مت کرو۔ اچھی باتیں سوچا کرو، مجھے دیکھو ایک آئیڈیل باپ بننے کے لیے ریسرچ کر رہا ہوں۔'' اس کے کہنے پر وہ بس ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی مسکراتی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ عثمان نے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ میں جانتی ہوں تم عارش اور خرمن کی وجہ سے ڈسٹرب ہو اور ان کے بارے میں ہی مسلسل سوچ رہے ہو۔''
''ہاں کیوں کہ عارش بہت زیادہ ڈسٹرب ہو چکا ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔
''خرمن کا فون آف جا رہا ہے۔ میں اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ یہ تو طے ہے کہ عارش نے بالکل ٹھیک نہیں کیا جو کیا۔''
''تمہیں یہ فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ عارش نے کیا ٹھیک کیا اور کیا غلط۔ وہ انسان ہے فرشتہ نہیں۔ ہر بات تحمل سے نہیں سنی جا سکتی۔ عارش سے جو سرزد ہوا وہ قابل ندامت ہے تو اس سے زیادہ قابل شرم الفاظ وہ ہیں جو خرمن کی زبان سے نکلے تھے۔'' عثمان کے لہجے میں ناگواری در آئی تھی۔
''مجھے عارش کی فکر اس لیے زیادہ ہے کہ خرمن سے کچھ بعید نہیں ہے یہ تو میں جانتا ہوں کہ عارش اس کے لیے کس حد تک پاگل رہا ہے اور اب تو اور بھی زیادہ کہ وہ اس کے بچے کی ماں ہے۔''
''مان! جب عارش کے جذبات سے تم واقف ہو تو خرمن اس کی بیوی ہے۔ زیادہ بہتر اس کو سمجھتی ہے۔ وہ بھی جانتی ہوگی کہ عارش سے جو سرزد ہوا وہ عمل کا ردعمل تھا۔ یہ سب ہونے کے باوجود اس کے دل میں عارش کے لیے نفرت یا بیزاری نہیں ہو سکتی۔ مجھے خرمن پر یقین ہے۔'' بیلا کے قطعی اور پر یقین لہجے پر عثمان بغور اسے دیکھتا بس خاموش تھا۔
''کیا ہوا؟'' ہلکی خوابناک روشنی میں بیلا کو اس کا یوں دیکھنا کچھ عجیب سا لگا تھا۔
''ابھی جو تم نے اتنے یقین سے خرمن کے لیے کہا اگر یہ سچ ہے تو......'' وہ ایک پل کے لیے رکا تھا۔
''تو ہمیں بھی جان لینا چاہیے کہ فاروق بھائی کا ردعمل بھی ہمارے عمل کا نتیجہ تھا۔'' عثمان کی اس غیر متوقع بات اور معنی خیز لہجے نے بیلا کے تاثرات بدلے تھے۔
''میں اب سونا چاہتی ہوں۔ تم بھی سو جاؤ۔'' سپاٹ لہجے میں بولتے ہوئے اس نے سرد مہری سے اپنا ہاتھ عثمان کے ہاتھوں سے نکال لیا تھا۔
''ہاں، کافی رات ہو گئی ہے۔'' گہری سانس لے کر عثمان نے بات آگے بڑھانا مناسب نہیں سمجھا کیوں کہ اندازہ ہو چکا تھا کہ بیلا اب کوئی بات سنے گی نہ کرے گی اور مزید وہ اسے بالکل ڈسٹرب نہیں کرنا

چاہتا تھا۔

☆......☆

صبح صبح اچانک عارش کو اپنے سامنے دیکھ کر جہاں وہ انتہائی خوش ہوئی تھیں وہیں ان کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

''میں اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنے تو بالکل نہیں آیا تھا۔ مامی کی طرح آپ کے آنسو دیکھنے کی بھی تاب میں نہیں لاسکتا۔'' اس کے خبردار کرنے پر وہ مسکرائی تھیں۔

''یہ خوشی کے آنسو ہیں عارش! تمہارا ہماری زندگی میں آنا ہی بہت مبارک ثابت ہوا اور یہ پیشن گوئی تو صبیحہ بہت پہلے کر چکی تھیں۔'' ہشام قزلباش بولے تھے۔

''واقعی؟'' عارش حیران ہوا تھا۔

''ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے ایک بہت پیارا خواب دیکھا تھا جس میں تم اور خرمن میرے ساتھ تھے اور مجھے یقین سا ہو گیا تھا کہ کچھ بہت اچھا ہونے والا ہے۔'' صبیحہ بولی تھیں۔

''سن کر اچھا لگا مگر مجھے اعتراض اس چیز پر ہے کہ خواب میں بھی آپ کی صاحبزادی میرے ساتھ تب میں تھیں۔'' اس کے کہنے پر صبیحہ مسکرائی تھیں۔

''سب ابھی وہیں گھر پر ہیں عارش؟'' اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہشام پوچھ رہے تھے۔

''ہم سب ابھی صبح ہی واپس یہاں آئے ہیں۔ مامی نے تاکید کی تھی کہ یہ اطلاع یہاں دیتے ہوئے آفس جاؤں۔''

''عارش! رات میں کہاں غائب ہو گئے تھے؟ پتا ہے کتنا انتظار کیا تھا تمہارا؟'' صبیحہ کو یاد آیا تھا۔

''اب یہ سوال جواب بعد کے لیے اٹھا رکھیے عارش کو آفس پہنچنا ہے ناشتے میں دیر نہ ہو۔'' ہشام درمیان میں بولے تھے۔ تب ہی کچن میں ہارون کی آمد ہوئی تھی۔

''آپ مستقل چھپے رہنے کی کوشش میں کامیاب ہیں۔ اسی لیے خرمن نے میرے ذریعے آپ کو سلام بھیجا ہے۔'' عارش کے مسکراتے لہجے پر وہ بس دھیرے سے مسکرایا تھا۔

''ایک کی صبح تو ابھی نہیں ہو سکتی؟'' عارش نے سوالیہ نظروں سے صبیحہ کو دیکھا تھا جو ناشتے کے لوازمات ٹیبل پر رکھ رہی تھیں۔

''کیسے ہو سکتی ہے اس کی صبح اتنی جلدی۔ فجر کی اذانوں تک ہم سب تمہارے اور خرمن کے بارے میں ہی باتیں کرتے رہے تھے۔'' ہارون سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''اب وہ جاگنے کے بعد سیدھا تمہاری طرف جائے گا۔ عون کے لیے تو وہ پاگل ہوا جا رہا ہے۔'' صبیحہ بتا رہی تھیں جب کہ عون کے ذکر نے عارش کے دل کو مضطرب کیا تھا۔ آج وہ عون کو دیکھے بغیر اسے پیار کیے بغیر گھر سے نکلا تھا۔ یہاں تک کہ ایک نگاہ اس بے رحم کو بھی نہ دیکھا تھا جو اس کے دل پر گہرا گھاؤ لگا چکی تھی۔

''ایک کے ساتھ آپ بھی گھر جائیے گا۔ مامی نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ آپ آج کا دن ان کے اور خرمن کے ساتھ گزاریں اور رات کے کھانے پر ہم سب ساتھ ہوں گے۔ ہارون آپ کو ضرور آنا ہے۔'' آخر میں عارش نے تاکیدی انداز میں ہارون کو مخاطب کیا تھا۔

''ناراض مت ہونا عارش! مگر میں نہیں آسکوں گا۔ جب تک مجھے خرمن سے معافی مانگنے کا موقع نہیں ملے گا جب تک وہ مجھے قبول نہیں کرے گی۔ میں اس پر مسلط ہو کر نہیں رہ سکتا۔''

''ہارون! تمہیں اس کا سامنا کرنا ہے تو آج کیوں نہیں۔'' ہشام بولے تھے۔

''بابا میں بس یہ چاہتا ہوں کہ وہ آپ سب کی وجہ سے مجبور ہو کر مجھے معاف نہ کرے۔''

''ہارون! کوئی آپ کو بھی مجبور نہیں کر رہا۔ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے ویسے بھی یہ آپ دونوں بھائی بہن کا معاملہ ہے۔ آپ دونوں نے ہی اسے سلجھانا ہے۔'' عارش نے کہا تھا۔

☆......☆

وہ بہت خوش تھا۔ صدیوں بعد دل میں سلگتی آگ میں کچھ کمی آئی تھی۔ صبیحہ اور ہشام کے چہروں پر ایسی خوشی ایسا سکون اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اللہ نے اس کی التجاؤں کو رد نہیں کیا۔ آج ہر لمحہ شکر ادا کرنے کے لیے کم پڑ رہا تھا۔ یہ گھر جہاں ویرانی کے ڈیرے تھے آج خوشیاں یہاں کے در و دیوار سے برس رہی تھیں مگر جب وہ اس منظر میں خود کو سوچتا تو یہ سوال قرار چھین لیتے کہ وہ کیونکر اس پر رحم کرے گی۔ کیوں اسے اپنا مانے گی، حالات نے اس رشتے کی جڑوں میں جو زہر ڈالا تھا اگر وہ زہر رگوں تک میں بھی اتر چکا ہے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہ ہوتی۔ شاید ابھی آزمائش ختم نہیں ہوئی تھی۔ ابھی کچھ اور امتحان کا سامنا ہونا باقی تھا۔

آسمان پر پھیلی تاریکی اس کی جلتی آنکھوں میں اترنے لگی تھی۔ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے اس نے جیسے تھک کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اس کی پہلی نظر لان کی سمت گئی تھی۔

ایبک کی ہمراہی میں وہ اسی جانب بڑھنے لگی تھی۔

آنکھیں بند کیے وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچا ہوا تھا۔ منیزہ کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہری گئی تھیں۔ کتنا اپنا سا اور پیارا لگتا تھا۔ اسے یہ شخص اس کے لیے وہ اپنی چاہتوں کی حد کی پیمائش بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب وہ اس کے دل کے انتہائی نزدیک آگیا تھا اور ایک وقت یہ ہے کہ جس میں وہی اسے خود سے دور دھکیل دینا چاہتا ہے۔ کبھی مہربان، کبھی انجان، کبھی بے اختیار، کبھی خول میں قید دکھائی دیتا یہ انسان اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اپنی انا، اپنی عزتِ نفس کے لیے اس کا سامنا کرے اس محبت کا اعتبار واپس مانگے جس کا اقرار آنکھوں نے کیا تھا۔ اپنے ان تمام لمحوں کا حساب مانگے جن میں وہ اس کے تصور، اس کے جسم و جاں پر حاوی ہو کر اسے اپنا اسیر بنا چکا تھا۔ کچھ چونک کر آنکھیں کھولتا وہ ایک پل کے لیے حیرت زدہ ہوا تھا اور پھر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''خرمن نے مجھے کہا تھا کہ میں ان کو ان کے گھر سے پک کر کے ان کے پاس لے جاؤں۔ راستے میں رک کر یہاں اس لیے آنا پڑا کہ مجھے گھر سے البم لے کر جانے تھے۔'' ہارون کو عجلت میں بتاتا وہ تیز قدموں سے وہاں سے گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ انکل اور آنٹی خرمن کی طرف ہیں۔ ایبک کی وجہ سے مجھے یہ موقع ملا ہے کہ آپ سے روبرو ہو کر بات کر سکوں۔'' اس کے سرد لہجے پر ہارون نے بس اسے دیکھا تھا۔

''مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں آپ کے سامنے دوٹوک بات کر سکوں، صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ

زبردستی کسی پر میں بھی مسلط ہونا پسند نہیں کرسکتی مگر جس کام کے لیے آپ مجھے مجبور کررہے ہیں۔ میں اس کا جواز جاننا چاہتی ہوں۔''

''مجھ سے کوئی سوال کرکے مجھے اور شرمندہ مت کرو منیزہ، صرف یہی کہوں گا کہ میں کوئی جواز بتانے کی پوزیشن میں نہیں۔ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم اپنے لیے کسی اچھے انسان کا انتخاب کرو۔'' اس سے نظر ملائے بغیر وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

''ہارون! آپ کے لیے کسی کے جذبات کی توہین کرنا کتنا آسان ہے۔'' منیزہ کا لہجہ تیز ہوا تھا۔

''اگر آپ کے نزدیک میں ایسی چیز ہوں جو ضرورت کے لیے استعمال کی جاتی ہو تو آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جو ٹشو پیپر کی طرح مجھے کسی بھی سمت اچھال دینا چاہتے ہیں۔''

''مجھ پر یہ الزام مت لگاؤ۔'' ہارون کا لہجہ سپاٹ ہی تھا۔

''کیوں، کیا یہ کام صرف آپ ہی کرسکتے ہیں؟ آپ بھی تو میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ اپنی ناکامی اور محرومی کا انتقام مجھ سے لے رہے ہیں۔ خرمن اگر آپ کو قبول نہیں کرنا چاہتی، تو اس کی سزا آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں؟ شاید اس لیے کہ اس کے علاوہ آپ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ آج آپ مجھے یہ یقین کرنے پر مجبور کرچکے ہیں کہ آپ کے دل و دماغ پر صرف اور صرف خرمن قابض ہے۔ یہاں تک کہ آپ کی ہر بات ہر مقصد کے پیچھے بھی وہی ہے۔ وہی تھی میں تو کہیں بھی نہیں تھی۔ مجھے بار بار ٹھوکر مار کر اگر آپ کو تسکین مل چکی ہے تو آج مزید خوش ہوجائیں۔ آپ کو عارش کے سامنے کوئی ندامت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ کسی کے سوال کا جواب نہیں دینا پڑے گا۔ کیوں کہ اب میں خود آپ جیسے ادھورے اور کمزور انسان سے تعلق قائم نہیں کرسکتی۔ میرے نزدیک آپ سے زیادہ خود غرض انسان اب کوئی اور نہیں ہے۔ اپنی بہن تک پہنچنے کے لیے آپ اب مجھے نہیں کسی اور کو پیروں تلے کچلنے کے لیے ڈھونڈیں۔'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ بھڑکتے لہجے میں بولتی ہر لحاظ بھول گئی تھی۔ ایک نظر اس نے باہر آتے ایبک کو دیکھنے کے بعد دوبارہ ہارون کے سپاٹ مگر تاریک ہوتے چہرے کو دیکھا تھا اور پھر اگلے ہی پل وہ جانے کے لیے پلٹ گئی تھی۔ واپسی کا راستہ کٹھن تھا مگر اسے کسی طور اب لڑکھڑانا نہیں تھا۔ خود کو مضبوط رکھنا تھا۔ دل کا کیا ہے۔ دل کو محبت کرنے کی سزا ازل سے ملتی رہی ہے ایک سزا اور سہی۔

☆......☆

''کیوں ہوا میرے ساتھ ایسا؟ کیا قصور تھا میرا؟ میں آپ کے قریب رہ کر بھی تو امی اور بابا کو حاصل کرسکتی تھی۔ کاش میں آپ سب سے دور نہ ہوئی ہوتی۔ آخر مجھے ہی کیوں آپ سب سے دور رہنا پڑا، دنیا نے مجھے کس نظر سے دیکھا مجھے پرواہ نہیں تھی مگر اپنی جڑوں سے کٹ کر مجھے جس اذیت میں زندہ رہنا پڑا۔ آپ نہیں جان سکتے کوئی نہیں جان سکتا۔'' ہشام قزلباش کے سینے سے لگی وہ بلک اٹھی تھی۔ اس کے کرب ناک لہجے نے صبیحہ کے دل کو کند چھری سے کاٹ دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں کوئی نہ جانتا ہو مگر میں اور تمہاری ماں جانتے ہیں کیوں کہ اس اذیت کو تم تنہا نہیں جھیل رہی تھیں۔ ہم دونوں تمہارے ساتھ ان کانٹوں پر چل رہے تھے۔ تم کسی لمحے میں تنہا نہیں تھیں۔ کبھی ہم سے دور نہیں تھیں۔ تمہارا تعلق تو ہماری روح سے ہے تم ہمیشہ سے ہماری دعاؤں اور محبتوں کا مرکز رہی ہو۔ تمہاری اہمیت آج سے نہیں ہمیشہ سے ہارون اور ایبک سے بڑھ کر رہی ہے۔ دنیا کی آنکھیں تمہیں ہمارے

قریب نہ دیکھ سکی ہوں مگر تم ہمیشہ سے ہمارے دل میں تھیں۔'' اس کے آنسو پونچھتے وہ بھیگے لہجے میں بول رہے تھے۔

''تم میرے آنگن کا پھول ہو مگر یہ اللہ کی رضا تھی کہ اس پھول کی خوشبو سے احمد حسین کے آنگن کو مہکنا تھا، شکوہ کرتے ہوئے کیا تم ان دو عظیم ہستیوں کو بھول رہی ہو جو تمہیں دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں جن کے احسانوں تلے تمہارے ماں باپ دبے ہوئے ہیں جو محسن ہیں۔ مسیحا ہیں ہمارے۔''

''میں سانس لینا بھول سکتی ہوں مگر امی، بابا کو نہیں ان کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔'' ضبط کرتی وہ لرزتے لہجے میں بولی تھی اور پھر صبیحہ کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو دیکھا تھا۔

''اب اور مت روئیں ماما! میری وجہ سے آپ خوشیوں سے دور رہی ہیں مگر اب آپ کے لیے خوشیاں سمیٹوں گی۔ میں آپ کو ہمیشہ مسکراتے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

اسٹڈی میں داخل ہوتے ہارون کے قدم رک گئے تھے۔ دوسری جانب صبیحہ سے لپٹی خرمن کی نظر بھی اس تک پہنچی تھی جو نظر چرا گیا تھا۔ خرمن نے دوبارہ اس کی جانب نہیں دیکھا تھا باوجود اس کے کہ وہ عون کو اٹھائے ہوئے تھا۔

''آؤ ہارون! وہاں کیوں رک گئے؟ عون سو گیا ہے کیا؟'' صبیحہ فوراً اس کی جانب بڑھی تھیں۔

''جی! یہ ایبک کے پاس سو گیا تھا۔ اسے مجھے دے کر وہ اب اپنے دوستوں کو رخصت کرنے گیا ہے۔'' عون کو ان کے حوالے کرتا وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''یہ لڑکا تو پاگل ہو چکا ہے۔ اپنے سب دوستوں کو گھر میں جمع کر لیا۔ تاکہ وہ عون کو دیکھ لیں، اپنے بھانجے پر اسے بہت فخر ہے۔'' صبیحہ مسکراتے ہوئے شوہر کو بتا رہی تھیں۔

''ہارون! آؤ یہاں بیٹھو۔ آج تو ہم تمہارا شو بھی نہیں سن سکے۔'' ہشام نے اسے مخاطب کیا تھا جو جھجکتے ہوئے خرمن کے قریب موجود کرسی کی طرف بڑھا تھا اس دوران وہ دیکھ چکا تھا خرمن کے بدلتے تاثرات وہ ہارون کی جانب دیکھنے سے بھی احتراز کر رہی تھی، جس لمحے ہارون کرسی پر براجمان ہوا وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔

''میں عون کو بیڈ پر سلا دیتی ہوں۔'' وہ صبیحہ کی جانب بڑھی تھی جن کا چہرہ ہارون کے چہرے کی طرح ہی اتر گیا تھا۔

''میں اسے بیڈ پر سلا دیتی ہوں۔'' صبیحہ اسٹڈی سے باہر نکلی تھیں۔ جب کہ خرمن وہاں رکنا نہیں چاہتی تھی اسی لیے ان کے پیچھے ہی چلی گئی تھی۔ ہشام قزلباش نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا جو بالکل خاموش تھا۔

☆......☆

دکھ سکھ کہتے سنتے کب فجر کی نماز کا وقت ہو گیا، کچھ پتا ہی نہیں چلا تھا۔ ان سب کے درمیان ہارون نہیں تھا۔ صبیحہ اور ہشام جانتے تھے کہ ہارون کے بارے میں خرمن سے بات کرنے کا یہ وقت مناسب نہیں ہے لہٰذا مضطرب ہونے کے باوجود انہوں نے خرمن پر دل کا حال ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ ہشام قزلباش مسجد جا رہے تھے۔ تب ہی ایبک کو یاد آیا کہ اب سونا چاہیے مگر خرمن نے ایسا ہونے نہیں دیا تھا، زبردستی اسے اٹھا کر ہشام قزلباش کے ساتھ مسجد روانہ کروایا تھا۔ عون اپنی نیند بے وقت پوری کر کے عین اذانوں پر

بیدار ہو گیا تھا۔ لہٰذا پہلے اسے فیڈ کیا، اسی دوران صبیحہ نے نماز ادا کر لی تھی۔ عون کو ان کے حوالے کر کے اب اسے نماز پڑھنی تھی۔ تنہائی اور پرسکون گہری خاموشی میں اس نے بہت توجہ سے نماز کی ادائیگی کی تھی۔ سجدہ شکر میں کتنا وقت گزرا وہ نہیں جانتی تھی مگر جب اس نے سجدے سے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں متورم اور چہرہ پرسکون تھا۔ جاء نماز سے اٹھتی وہ چونک کر دروازے کی سمت متوجہ ہوئی تھی اور اگلے ہی پل اس کے چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔ بس چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو اس سے نظر ملانے کی بمشکل کوشش کر سکا تھا۔

''تم سے معافی مانگنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ میں تمہاری نفرت کے بھی قابل نہیں مگر بس ایک موقع مجھے چاہیے تم سے کچھ کہنے کا......''

''آپ کو لگتا ہے کہ آپ اس قابل بھی ہیں کہ آپ کو میں ایک موقع بھی دوں؟'' تیز لہجے میں خرمن نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''جس آگ میں آپ نے مجھے میرے ماں باپ اور بھائی کو جلایا اس کے بعد اب مجھ سے کس موقع کی توقع رکھتے ہیں۔ میرے ماں باپ دن رات تڑپنے کے باوجود اگر آپ سے نفرت نہ کر سکے۔ آپ سے تعلق توڑنے کی میری وہ شرط قبول نہ کر سکے، تو اس لیے کہ وہ آپ سے اندھی محبت کرتے ہیں مگر نہ میں ان دونوں کی طرح اپنی آنکھوں پر محبت کی پٹی باندھ سکتی ہوں اور نہ ہی ان جیسا صبر اور ظرف میرے پاس ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا میں آپ کو اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔'' اس کا کاٹ دار لہجہ ہارون کے دل کو آہنی شکنجے میں جکڑ گیا تھا۔

''تمہاری ہر بات سچ ہے مگر ایک سچ یہ بھی ہے کہ اس وقت بھی تمہیں دیکھتے ہوئے میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔ اس عمر میں جب یہ آگہی بھی نہیں ہوتی کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ نفرت کیا ہوتی ہے؟ سگے اور سوتیلے رشتوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟ اس وقت میں یہ سوچنے کے قابل نہیں تھا کہ میرا وہ عمل ہم دونوں سے تعلق رکھنے والے ہر انسان کی زندگی پر محیط ہو جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ تلافی کا کوئی لفظ اس اذیت کا ازالہ نہیں کر سکتا، جسے میری وجہ سے تم سب جھیلتے رہے ہو، وہ اذیت میرے حصے میں بھی آئی تھی میں اس کا مستحق تھا مگر تم سب کو وہ اذیت کیوں سہنی پڑی؟ یہ سوال ساری زندگی مجھے کوڑے مارتا رہے گا۔'' اس کے بھاری لہجے اور سرخ آنکھوں میں تیرتی نمی نے خرمن کے دل کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ یکدم چہرہ ہاتھوں میں چھپاتی وہ اس سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی مگر ہارون نے ایسا نہیں ہونے دیا تھا۔

''تمہیں کھونے کے بعد میں آج بھی اسی قبر میں ہوں، جہاں صرف تاریکی ہے۔ اس تاریکی میں مجھے بس وہ ایک چھوٹا سا کمزور وجود دکھائی دیتا ہے۔ جسے میں رات کے بھیانک اندھیرے میں گم کر آیا تھا۔ میری فریادیں، میری التجائیں نہیں میرے ماں باپ کا صبر ان کے آنسو تمہیں ڈھونڈ لائے ہیں۔'' اسے شانوں سے تھامے وہ بھیگے لرزتے لہجے میں بول رہا تھا۔

''میں گزرا وقت واپس نہیں لا سکتا مگر اپنے گناہوں کی سزا تم سے سننا چاہتا ہوں میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اس نفرت سے کئی گنا زیادہ جو نفرت مجھے اپنے آپ سے ہے۔ میں تھک چکا ہوں اپنے اعمال کی آگ میں جلتے جلتے، اگر تم مجھے سزا دینے کے قابل نہیں سمجھتی ہو تو اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے تم سب کی زندگی سے نکال دے اور اس دنیا سے بھی۔'' اس کے کربناک لہجے نے خرمن کی سانسیں روک دی تھیں، گھٹی گھٹی

سسکیوں کے ساتھ اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر ہارون کو دیکھا تھا جس کی آنکھوں سے پھسلتے قطروں نے اس کے ضبط کو ختم کر دیا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، اسے اپنے سینے میں جذب کیے ہارون کو بس ایسا لگا جیسے آہستہ آہستہ طلوع ہوتے سورج نے اس کے دل کی دنیا کا منظر بدل دیا ہو، تاریکی روشنی میں بدل گئی تھی گہرے سکوت کو خوش الحان پرندوں کی چہچہاہٹوں نے توڑ دیا تھا۔

اب نیند کس کی آنکھوں میں تھی۔ اسے تو بس اب اپنی عزیز ترین ہستیوں کے لیے ایک ایک لمحے سے خوشیاں کشید کرنی تھیں ناشتے کے دوران اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ آج ہی منیزہ اور ہارون کی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے جانا چاہتی ہے۔ ہارون حق دق رہ گیا تھا۔ جب کہ خرمن نے کمال کی مستعدی دکھائی تھی۔ سب سے پہلے اس نے احمد حسین سے رابطہ کیا اور پھر اس کی خواہش اور ضد کے عین مطابق احمد حسین اور فاطمہ، منیزہ کے گھر گئے تھے۔ امید کے مطابق اسے جلد ہی احمد حسین نے فون پر یہ خوش خبری دے دی تھی کہ وہ شام تک منیزہ کی طرف پہنچنے کی تیاری کر لے۔ اس کے بعد تو نہ وہ خود سکون سے بیٹھی نہ کسی کو بیٹھنے دیا۔ اس کی عجلت نے ہارون کو موقع ہی نہیں دیا تھا کہ وہ اسے منیزہ کی ناراضی سے آگاہ کرتا۔

شام ہوتے ہی وہ ہشام قزلباش، صبیحہ اور ایبک کے ہمراہ جانے کے لیے مکمل تیار تھی۔ مٹھائی اور دیگر لوازمات کے ساتھ جب وہ منیزہ کی طرف پہنچی تو احمد حسین اور فاطمہ بھی وہاں ان سب کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے۔ یہ استقبال بہت گرمجوشی کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کے بعد کے سارے معاملات بھی بہت احسن طریقے سے طے ہوتے چلے گئے تھے۔ عارش کی آمد بعد میں ہوئی تھی۔ خرمن کے لیے یہ چیز انتہائی ناقابلِ برداشت ثابت ہوئی تھی کہ عارش نے ایک بار بھی عون کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عارش اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا مگر عون سے اس کی لاتعلقی خرمن کو شدید دھچکے سے دوچار کر گئی تھی۔ دل پر جبر کیے وہ سب کے درمیان مسکراتی رہی تھی اور پھر موقع ملتے ہی عون کو ساتھ لے کر منیزہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔ منیزہ نے اسے دیکھا ضرور تھا مگر کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اور خاموشی خرمن کو چونکانے کے لیے بہت تھے۔ اس کے سامنے بیٹھتی وہ چند لمحوں تک جانچتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی مگر خوشی کی رمق تک اس کے چہرے پر ڈھونڈے سے نہیں ملی۔

''منیزہ! کیا کوئی بات ہوئی ہے؟ خوش کیوں نہیں ہو تم؟''

''کیونکہ میں اس شخص سے کوئی تعلق بنانا نہیں چاہتی تھی جس کے لیے بہت آسان ہے میری تحقیر کرنا۔'' منیزہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

''ان کے نزدیک تعلق کوئی کھیل تماشا ہے۔ میں ان کے ہاتھوں مزید ذلت نہیں اٹھا سکتی۔ پہلے وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے لیے انکار کر دوں کیوں کہ وہ خود یہ کام کر کے تمہیں اور عارش کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ کام میرے لیے آسان تھا کیوں کہ میرے کوئی جذبات نہیں۔ کوئی مرضی نہیں، ایک بے جان چیز ہوں میں۔'' اس کے سلگتے لہجے کو سنتے ہوئے خرمن بس دنگ تھی۔ اسے ہارون پر بے تحاشا غصہ آیا تھا۔

''ہارون اس حد تک تمہارے جذبات کو مجروح کر چکے ہیں۔ مجھے ان سے یہ امید بالکل نہیں تھی۔ جو ٹھیس انہوں نے تمہارے دل کو پہنچائی ہے۔

(جاری ہے)

رداکی ڈائری

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی خوب صورت غزل

تم سے بچھڑ کر ملنا اچھا لگا
تم سے تم تک کا فاصلہ اچھا لگا
غصے سے گھور کر تمہارا دیکھنا
پھر کھلکھلا کر ہنسنا اچھا لگا
تمہارا آنکھوں سے آنکھیں ملا کر دیکھنا
یوں شرارت سے اچھا لگا
تمہارے ہونٹوں پر پھیلتی
بے ساختہ سی مسکراہٹ دیکھنا اچھا لگا
پوچھ مجھ سے نور میں کیسا لگا
تمہارا یوں پوچھنے کا انداز اچھا لگا

سحر مبین کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

آس!
ویران سی آنکھیں
آس لگائیں
تھکنے لگیں تو
بھیگتی جائیں
بھیگی آنکھیں
بھیگتی ہی جائیں
تھک جائیں تو
آس کے، دیپ جگائیں
ویران سی آنکھوں میں
جگنو سے چمکیں،
مسمار ہوتے حوصلے
پھر سے جاگیں
ایک آس ہی ہے جو
آنکھوں کی ویرانی کو چمک سے بدلے
مرتے حوصلوں کو پھر سے جگائے
"ویران سی آنکھوں کے لئے
زادِ راہ ہوتی ہے آس"

خالدہ عارف کی ڈائری سے

احمد فراز کی غزل

نہ شوق وصل نہ رنج فراق رکھتے ہیں
مگر یہ لوگ بڑا اشتیاق رکھتے ہیں
یہ ہم جو تجھ پہ نازاں ہیں تو اس سبب سے کہ ہم
زمانے والوں سے بہتر مزاج رکھتے ہیں
جمال یار فقط چشم و لب کی بات نہیں
سو ہم خیال سیاق و سباق رکھتے ہیں
مثال شیشہ خالی کتاب عقل کو بھی
ہم اہل میکدہ بلائے طاق رکھتے ہیں
فراز خوش ہو کے تجھ سے خفا ہیں فتویٰ فروش
بھلے یہ بھی کہیں اتفاق رکھتے ہیں

مہ جبین بلال کی ڈائری سے

قتیل شفائی کی غزل

اس کے بغیر اگرچہ میری عمر کٹ گئی

لیکن حیات کتنے عناصر میں بٹ گئی
میں نے اسے خریدا تھا چاہتوں کے بھاؤ
پھر یوں ہوا کہ قیمت بازار گھٹ گئی
بیٹھی ہوئی تھی اوٹ میں خوابوں کے چاندنی
میں دیکھنے لگا تھا دریچے سے ہٹ گئی
لوگوں نے میری شکل کے ٹکڑے اٹھالئے
تصویر میری چاہنے والوں میں بٹ گئی
گھر چھوڑنے کا جب بھی ارادہ کیا قتیل
قدموں سے اپنی جاناں کی یاد کی خوشبو لپٹ گئی

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین کی ڈائری

ایک خوب صورت غزل

وہ شخص تھا بالکل میرے جذبات کی طرح
لیکن وہ نہیں تھا میری ذات کی طرح
تھا پاس ہو کے بھی میری دسترس سے دور
میں دنیا سے جیتا بھی تھا ایک مات کی طرح
ہم نے دیار یار پر وقف کردی زندگی
جانے کیوں بدلہ تھا وہ حالات کی طرح
کچھ اسلئے بھی تھا دل و جان سے عزیز
کیونکہ وہ تھا میری خواہشات کی طرح
بچھڑا کچھ اس طرح سے کہ کچھ یاد بھی نہیں
آیا نہ پلٹ کے گزرے لمحات کی طرح
ایسے بھلا دیا ہے اس نے مجھے فرزین
جیسے میں ہوں ماضی کی کسی بات کی طرح

سعدیہ عابد کی ڈائری سے

شاعرِ مشرق کا خوبصورت کلام

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرف آرزو کا
جو موج دریا لگی یہ کہنے، مسافر سے قائم ہے شان میری
گہر یہ بولا صدف نشینی ہے مجھ کو سامان آبرو کا
کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگار خانہ ہے آرزو کا
اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش ہوں میں
نگاہ کو نظارے کی تمنا ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا
کمال وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوک نشتر سے تو جو چھیڑے
یقین ہے مجھ کو گرے رگ گل سے قطرہ انساں کے لہو کا
گیا ہے تقلید کا زمانہ، مجاز رخت سفر اٹھائے
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے گفتگو کا

مدیحہ اعجاز حسین کی ڈائری سے

قمر امروہوی کی غزل

نگاہوں کی ہر ضرب دل پر سہیں گے
تڑپ جائیں گے ہم مگر چپ رہیں گے
یہ مانا کہ ہم ہجر میں چپ رہیں گے
مگر کہنے والے تو سب کچھ کہیں گے
محبت کی روداد ایسے کہیں گے
نہ لب ہل سکیں گے نہ آنسو بہیں گے
رہی جب نہ امید ہی دل میں باقی
یہ آنسو بھی آنکھوں میں کب تک رہیں گے
زبانوں پہ رہ جائے گا اک فسانہ
نہ تم ہی رہو گے نہ ہم ہی رہیں گے
گنائے نہ جائیں گے غم یوں سمجھ لو
ابھی کچھ سہے ہیں ابھی کچھ سہیں گے
خزاں آئے بجلی گرے آگ بھڑکے
نشیمن جہاں تھے وہیں پر رہیں گے
میری غرق آبی کا احوال سب سے
شکستہ سفینے کے ٹکڑے کہیں گے

......☆......

اشعار

راؤ تہذیب حسین تہذیب........رحیم یار خان
یہ جو اب زندگی کی باتیں ہیں
کب کوئی دل لگی کی باتیں ہیں
ظلم چپ چاپ سہہ رہے ہیں ہم
کس قدر بے بسی کی باتیں ہیں

سباس گل..........رحیم یار خان
کس قدر بعد تیرے ہم ہوئے تنہا تنہا
کیا کبھی بیٹھ کے تنہائی میں سوچا تو نے؟
ایک ہم ہیں کہ تیری یاد لیے پھرتے ہیں
ایک تو ہے کہ کبھی حال نہ پوچھا تو نے

شمائلہ.............کراچی
محل دو محل کی نعمت کو اضافی سمجھا
ہم نے احساس کی دولت کو ہی کافی سمجھا
اس نے شرطیں بڑی آسان رکھی تھیں لیکن
ہم نے سمجھوتا محبت کے منافی سمجھا

ہاجرہ امین خان ہاجی.........کراچی
خوابوں میں جو اپنا ملا
حقیقت میں وہ اجنبی ملا
چلو دل کا یہ صلہ ملا ہاجی
جو بھی ملا منافق ملا

ساجدہ جمشید.........ڈیرہ اسماعیل خان
اس اک زہرہ جبیں کے طفیل جاری ہے
تمام زہرہ جبینوں کی جستجو مجھ میں

سیما ناصر.........ڈی آئی خان
میرے وسوسوں کو ہوا نہ دے میری چاہتوں کا خیال کر
تھا کبھی کبھی کا جو رابطہ اگر ہو سکے تو بحال کر

مریم ناصر...............ڈی آئی خان
مجھے تو ہم مکتبی کے دن یاد آگئے ہیں ناصر
کہ میں اسے پڑھ رہا ہوں اور وہ کتاب دیکھے

ثناء سجاد.........ڈی آئی خان
تمام رات میرے گھر کا ایک در کھلا رہا
میں راہ دیکھتی رہی اور وہ راستہ بدل گیا

زونیہ گل..........ڈی آئی جی
تعمیر شروع کی تھی دیوارِ درد کی محسن
ہر شخص نے دل کھول کے امداد دی مجھے

اسماء جمشید...........ڈی آئی خان
شالا سجنو بغیر نہ شام آوی
ہوندا موت تو دیلا گھٹ نیں

عانیہ نیازی.........ربوہ
کیا بتاؤں کتنا مشکل ہے
جس کے لیے جینا اس کے بغیر جینا

نوشین موثر.........لاہور
محبت پھر اس طرح سے وارد ہوئی میری ذات پر
خزاں کے موسم میں کوئی پھول کھلا ہو جیسے

امبرین حیدر.........اسلام آباد
ہجر کی شب میں قید کرے یا صبح وصال میں رہے
اچھا مولا! تیری مرضی تو جس حال میں رکھے
کھیل یہ کیسا کھیل رہی ہے دل سے تیری محبت
اک پل کی سرشاری دے اور دنوں ملال میں رکھے

نسرین علی.........ملتان
اگر بے عیب چاہو تو فرشتوں سے نباہ کرلو
میں آدم کی نشانی ہوں مجھے انسان ہی رہنے دو
عروج فاطمہ.........کراچی
تیرے بنا جو عمر بتائی بیت گئی
اب اس عمر کا باقی حصہ تیرے نام
عائشہ مغل.........لاہور
بند مٹھی سے گرتی ریت کی مانند
وہ نکل گیا زندگی سے ذرا ذرا کر کے
مدیحہ خان.........پشاور
کوئی بھی چیز اپنی جگہ پر نہیں رہی
کوئی انسان تنہائی میں کبھی تنہا نہیں رہتا
نور بانو.........کوئٹہ
تجھ کو سوچوں تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو سے رنگ ملتے ہیں
جیسے صحرا میں آگ جلتی ہے
جیسے بارش میں پھول کھلتے ہیں
صبا سحر.........ہارون آباد
میں اپنی دوستی کو شہر میں رسوا نہیں کرتا
محبت میں بھی کرتا ہوں مگر چرچا نہیں کرتا
جو مجھ سے ملنے آجائے اس کا دل سے خادم ہوں
جو اٹھ کر جانا چاہے ان کو روکا نہیں کرتا
نبیلہ.........سرگودھا
ترستے تھے جو ملنے کو ہم سے کبھی
آج وہ کیوں میرے سائے سے کتراتے ہیں
ہم بھی وہی ہیں دل بھی وہی ہے
نہ جانے کیوں لوگ بدل جاتے ہیں
طیبہ.........سیالکوٹ
مل ہی جائے گا کبھی دل کو یقین رہتا ہے
وہ اسی شہر کی گلیوں میں کہیں رہتا ہے
روز ملنے پر بھی لگتا تھا کہ جگ بیت گئے
عشق میں وقت کا احساس نہیں رہتا ہے

انعم حسن.........فیصل آباد
ذہن الجھا ہوا ہو اگر اپنی پریشانی میں
دل کو احساس محبت بھی گراں ہوتا ہے
لوگ اس دنیا کی دوزخ سے ڈراتے ہیں مجھے
مجھ کو اس دنیا پر دوزخ کا گماں ہوتا ہے
ام ہانی.........کراچی
اپنی تو زندگی کی عجیب کہانی ہے
جس چیز کو چاہا وہ ہی بیگانی ہے
ہنستے ہیں دنیا کو ہنسانے کے لیے ورنہ
دنیا ڈوب جائے ان آنکھوں میں اتنا پانی ہے
مریم نواز.........فیصل آباد
محبت کا ارادہ اب بدل جانا بھی مشکل ہے
تمہیں کھونا بھی مشکل ہے تمہیں پانا بھی مشکل ہے
اداسی تیرے چہرے کی گوارا بھی نہیں لیکن
تیری خاطر ستارے توڑ کر لانا بھی مشکل ہے
مہک ملک.........سرگودھا
سنا ہوگا کسی سے درد کی اک حد بھی ہوتی ہے
ملو ہم سے کہ ہم اس حد سے اکثر ہار جاتے ہیں
فوزیہ احمد.........لاہور
خاموش کلیاں تھیں کہیں سایہ بھی نہیں تھا
اس شہر میں ہم سا کوئی تنہا بھی نہیں تھا
کس جرم میں چھن گئیں مجھ سے میری آنکھیں
ان میں تو کوئی خواب بسایا بھی نہیں تھا
عائشہ شفیق.........ملتان
کبھی پتھر سے لکیریں بھی مٹا کرتی ہیں
بڑے نادان ہیں تیرا نام مٹانے والے
عینی مرتضٰی.........شاہ کوٹ
تمہیں الفت نہیں مجھ سے مجھے نفرت نہیں تم سے
عجب شکوہ سا رہتا ہے تمہیں مجھ سے مجھے تم سے
......☆......

اس ماہ میں

اس ماہ میں
دو عظیم قربانیاں ''عید الاضحیٰ'' ، ''محرم الحرام''

سال کا آخری مہینہ بھی قربانی کا اور
سال کا پہلا مہینہ بھی قربانی کا
وہ بھی 10 تاریخ کو اور
یہ بھی 10 تاریخ کو
وہ بھی نبی کے لعل اور
یہ بھی نبی کے لعل
ان کی یاد بھی مناتے ہیں اور
ان کی یاد بھی مناتے ہیں
یہ ذبیحہ عظیم اور
وہ شہید عظیم
انہوں نے خواب نبھایا اور
انہوں نے وعدہ نبھایا
یہ صبر کی ابتدا اور
وہ صبر کی انتہا
یہ کعبہ کے بنانے والے اور
وہ کعبہ کے بچانے والے!!

افشاں علی۔ کراچی

اس ماہ کی مزاحیہ نظم

میاں ان کے گھر لائے اک پرانی موٹر کار
پوچھا انہوں نے کہاں سے لائے پوچھا ہوا بے کار
تھما کے چابی، ہنس کے بولے
اپنی بھی ہے عزت، اپنے بھی ہیں دوست یار
دیکھ کہ ڈینٹ گاڑی پہ ہوا شک پہلی بار
وہ بھی ہو گئی اڑیل جاننے کو تھی بے قرار
لانے کا ہے مقصد کیا، کچھ تو کہیے سرکار
بولے بیگم تم آم کھاؤ، نہ پوچھو، نہ ڈالو اچار
شک نہ کرنا ہم پہ بیگم، ہم ہیں روزے دار
نہ کھایا ہے پان نہ چبائی ہے نسوار
ان کی باتوں میں آکر وہ ہو گئی لاچار
کرتے ہو کیسی باتیں، سمجھنا ہے دشوار
چپ تو وہ ہو گئی تھی دیکھ کہ نظر خونخوار
دل پھر بھی نہ مانا، پوچھ ہی بیٹھی پھر اک بار
شک تو ہم کو ہوتا ہے، گئے تھے کیا باہر؟
زور سے چلا کہ وہ بولے، استغفار، استغفار

ثمینہ فیاض۔ کراچی

اس ماہ کے اشعار کی جدید تشریح

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تشریح: اس شعر میں شاعر ایک قرض خواہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں جو شاعر سے قرضہ لے کر فرار ہو گیا ہے اور شاعر کے نام ایک چھٹی چھوڑ گیا ہے کہ اب قیامت کو ہی مل سکتے ہیں کیوں کہ میں اور بھی بہت سے لوگوں کے پیسے لے کر جا رہا ہوں۔ اس پر شاعر خوب جل بھن کر کہتے ہیں کہ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور۔

آنکھوں سے بڑا کوئی مصور نہیں عابد
اشکوں سے جو جذبات کی تصویر بنادے

تشریح: شاعر فقیروں کا احوال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی فقیر دروازے کے سامنے آکر رونا شروع کر دے تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ بے چارا بہت مظلوم اور مجبور ہے اور ہم اس کی مدد کر دیتے ہیں بعد میں پتا چلتا ہے کہ یہ تو اس کی خوشی کے آنسو تھے۔ ایسا کرنے سے فقیر کو منہ سے کچھ بولنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ شاعر کے اس شعر کے بعد اکثر مفت خوروں نے بھی ایسا ہی رویہ اپنالیا ہے۔ جس سے ان کو کافی فائدہ بھی ہوا ہے۔

ہم تو دشمن کو بھی پاکیزہ سزا دیتے ہیں
ہاتھ اٹھاتے نہیں نظروں سے گرا دیتے ہیں

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنی کمزوری کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن دشمنوں نے اب بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ ہم تو اتنے شریف ہیں کہ اگر کوئی ہم سے لڑنے آئے تو ہم ہاتھ نہیں اٹھاتے یہ سب جاہلوں کے کام ہیں (اب ہم لڑنے کے لائق جو نہیں رہے) ہم تو بس اپنے دشمنوں کو نظروں سے گرا دیتے ہیں۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

تشریح: اس زمانے میں کوئی ایک دوسرے کو کچھ کھانے کے لیے نہیں دیتا۔ لہٰذا جیسے ہی تیر شاعر کے پاس آیا تو انہوں نے بغیر سوچے سمجھے اسے کھا لیا کہ اگر میں سوچتا رہا تو کہیں یہ کسی اور کو نہ کھانے کو مل جائے۔ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے لیکن جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تیر کا تحفہ بھیجنے والے اس کے اپنے دوست ہیں۔ شاعر سوچ میں پڑ گئے کہ آج کے دور میں ذرا سی چیز بھی اپنے نہیں چھوڑتے تو پھر آج یہ بھول کیسے کر دی۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کی خاموشی

ہر طرف شور ہے مگر روح میں رچی ہے
گہری خاموشی کہ
احساس مرجائیں تو لفظ گونگے ہو جاتے ہیں

اس ماہ کی امید

امید وہ خوش رنگ تتلی ہے جو اپنے سارے رنگ دکھوں کو دے کر بھی آزاد فضا میں بے فکری سے اڑتی پھرتی ہے۔

سعدیہ عابد۔ کراچی

اس ماہ کی اہم معلومات

روزانہ اک سیب.......... نو ڈاکٹر
روزانہ پانچ بادام.......... نو کینسر
روزانہ ایک لیموں.......... نو موٹاپا
روزانہ ایک گلاس دودھ.......... نو بون پرابلم
روزانہ 12 گلاس پانی.......... نو اسکن پرابلم
روزانہ 4 کھجوریں.......... نو کمزوری
پانچ وقت کی نماز.......... نو ٹینشن
روزانہ تلاوت قرآن مع ترجمہ.......... سکون ہی سکون

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کا قطعہ

رنج

ایک دنیا میں پھرا یہ سوچ کر
کوئی تو ہوگا علاج اس رنج کا
گنج ہائے بے بہا گو لگ گئے
پر نہ ہو پایا تدارک گنج کا

راؤ تہذیب حسین تہذیب

اس ماہ کی غزل

چارہ گر اے دل بے تاب کہاں آتے ہیں
مجھ کو خوش رہنے کے آداب کہاں آتے ہیں
میں تو یکمشت اسے سونپ دوں سب کچھ لیکن
ایک مٹھی میں میرے خواب کہاں آتے ہیں

مدتوں بعد اسے دیکھ کے دل بھر آیا
ورنہ صحراؤں میں سیلاب کہاں آتے ہیں
میری بے درد نگاہوں میں اگر بھولے سے
نیند آئے بھی تو اب خواب کہاں آتے ہیں
تنہا رہتا ہوں میں دن بھر بھری دنیا میں قتیل
دن برے ہوں تو پھر ارباب کہاں آتے ہیں
کلام: قتیل شفائی

انتخاب: سیما ناصر، ڈی آئی خان

اس ماہ اقبال کے شاہین کے روبرو

رات کا پچھلا پہر تھا اور میں اپنے گھر کے وسیع صحن کے درمیان بنے ہوئے تالاب کے کنارے اپنے اردگرد پھیلے تنہائیوں کے حصار میں تنہا کھڑا انسانی زندگی کے آغاز و انجام اور طلوع وغروب پر غور کر رہا تھا کہ ایک قطرہ تالاب کے ساکن پانی میں گرا اور ماحول میں جیسے ایک ارتعاش سا پیدا ہو گیا۔ میں نے اوپر دیکھا کہ ایک باریش صورت بزرگ پر نظر پڑی جو میری طرف بڑے انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ جب میرا اضطراب جاتا رہا تو میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے ان کی آنکھوں میں تیرتا پانی ان کے ذہنی قرب کا صاف پتہ دے رہا تھا۔ خیر ہمت کر کے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ اقبال کی فکر کے وہ شاہین ہیں جنہیں آج کا پاکستانی فراموش کر چکا ہے۔

کہنے لگے زندگی کی کوئی حقیقت نہیں یہ موت ہی ہے جس نے زندگی کو اہمیت عطا کیا ہے خواب اور نیند بھی ایک عارضی سی موت ہے جو انسان کو بصیرت دیتی ہے اور حق وشعور عطا کرتی ہے لیکن یہ غافل انسان سمجھتا نہیں ہے۔ انسانی زندگی تجربات و مشاہدات کا ایک سلسلہ ہے ہر قدم پر ایک نئی نصیحت اور عبرت ملتی ہے۔ زندگی کے بہت کم تجربات ایسے ہوتے ہیں جو خوش گوار اور مسرتوں سے بھرپور ہوتے ہیں، ورنہ اکثر تجربات اپنے اندر تلخیاں لیے ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ تلخیاں زندگی کو ناکام بنا دیتی ہیں۔

میں نے بابا جی سے چند سوالات کیے۔ میرے سوالات اور بابا جی کے جوابات درج ذیل ہیں۔

سوال: نسل نو کی ناکامی کی وجہ کیا ہے؟

جواب: بیٹا! انسان تو یونہی پریشان رہتا ہے اس کی پریشانیوں اور ناکامیوں کی تہہ میں دنیاوی مایوسیاں ہوتی ہیں اگر انسان اس دنیا کی حقیقت سمجھ لے تو اس کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ پریشانیاں کس کے لیے ہیں دنیا کے لیے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور فنا جس کا مقدر ہے حیات کی یہ بے چینی، دنیا کا اضطراب اور نسل نو کی ناکامی اسی وجہ سے ہے کہ ہمارے سامنے صحیح مقصدِ حیات نہیں ہے۔

سوال: بابا جی مقصدِ حیات کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟

جواب: بیٹا! جب سورج چمکنے لگتا ہے تو روشنی ہوتی ہے، دھوپ نکل آتی ہے، تپش ہوتی ہے، حدت ہوتی ہے لیکن یہ دھوپ یہ تپش آگ نہیں لگاتی، جلاتی نہیں، یہ اس وقت جلائے گی جب یہ ایک نقطے پر فوکس ہو گی جب تک ہماری سوچ کے زاویے ایک نکتے پر فوکس نہیں ہوں گے ہم اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔

سوال: لیکن بعض اوقات مقصدِ حیات کو حاصل کرنے میں ناکامی ہوتی ہے تو اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: بیٹا! کھڑے پانی میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، سرانڈ پیدا ہو جاتا ہے لیکن چلتا ہوا پانی بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ وہ کسی جگہ رکتا نہیں بالکل اسی طرح ناکامی بھی ایک نعمت ہے کہ انسان اپنے اندر حوصلہ اور کوشش سے اپنا مقام حاصل کر لے گا۔

سوال: ایک طالب علم کے لیے سب سے زیادہ قیمتی چیز کیا ہے؟ اور سب سے مشکل کام کیا ہے؟

جواب: بیٹا! ہر انسان موت تک طالب علم ہی رہتا

ہے اور طالب علم کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کا وقت ہوتا ہے اور سب سے مشکل کام اس کے وقت کا استعمال۔

سوال: بابا جی یہ حسن و عشق کیا چیز ہے؟ اور نوجوان نسل کو کیوں تڑپائے ہوئے ہے؟

جواب: بیٹا! آج کا انسان نہ تو حسن کو سمجھ سکا ہے اور نہ ہی عشق کو، عشق تو بڑا مقدس جذبہ ہے۔ جس کی آج کل کوئی توقیر نہیں ہے۔ بیٹا اس دنیا کی ہر چیز کو زوال ہے لیکن بیٹا حسن کو زوال نہیں آتا، ہاں اس دنیا کی الگ بات ہے اس میں ہر وہ چیز حسین ہے جسے زوال ہے۔

بیٹا! اس کائنات کا حسن انسان ہے اور انسان فطری طور پر حسن کا دلدادہ ہے تو ایک انسان کا دوسرے انسان کو چاہنا کوئی غیر فطری بات نہیں لیکن بیٹے رونا تو اسی بات کا ہے کہ انسان حسن کو سمجھا ہی کب ہے اور رہی بات عشق کی تو عشق بھی بڑا پاکیزہ جذبہ ہے لیکن دنیا والوں نے اسے بدنام کر کے رکھ دیا۔ عشق بھی دو طرح کا ہوا ہے ایک عشق مجازی اور دوسرا عشق حقیقی، کسی ایک شخص کے سامنے اپنی انا کو پامال کر دینے کا نام عشق مجازی ہے اور سب کے سامنے اپنی انا کو پامال کر دینے کا نام عشق حقیقی ہے۔ معاملہ جو بھی ہو معاملہ ہر حال میں انا کی پامالی کا ہے لیکن آج کا انسان انا پرست ہے وہ کیا جانے ان جذبوں کو وہ تو بس اپنی انا کو اپنے نام کو اپنی بے حسی کو چھپانے کے لیے اس میدان میں کود پڑتا ہے۔

سوال: بابا جی کیا آج کے دور میں محبت لاحاصل ہے؟

جواب: دیکھو بیٹا! محبت گرامر کی کتاب کا نام نہیں، یہ ردیف اور قافیہ کی قیود سے آزاد بحر بیکراں ہے جس میں سفر کرنے والے لہجے یا زبانوں کے پابند نہیں ہوتے یہ تو انسان کے اندر کا اندر ہے بیٹا وقت سے پہلے کسی بھی چیز کی طلب اسے لاحاصل بنا دیتی ہے۔

سوال: لیکن بابا جی یہ بات تو ہے کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی؟

جواب: میرے اس سوال پر بابا جی کی آنکھوں میں جیسے بلا کی دہشت آ گئی ہو بڑے جلال سے بولے کہ تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں کہ تقدیر تم خود بناتے ہو۔ جب تمہارے سامنے سب کچھ موجود ہے جب تم سب کچھ جانتے ہو تو ایسے فعل کیوں کرتے ہو جو تمہارے لیے عذاب کا باعث بنیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔

سوال: بابا جی ہم حقیقت سے دور کیوں بھاگتے ہیں؟

جواب: تم لوگ حقیقت سے اس لیے دور بھاگتے ہو کہ تمہارے اعمال حقیقت کی نفی ہوتے ہیں اور تمہاری سوچ کو زنگ لگ چکا ہے تمہارا اندازِ فکر گھٹیا ہو چکا ہے، تم لوگ جوانی کو جوانی اور بڑھاپے کو بڑھاپا اس لیے سمجھتے ہو کہ یہ عمر کا تقاضا ہے لیکن یہ غلط ہے جوانی اور بڑھاپا تو اندازِ فکر کا نام ہے کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایک انسان 20 سال کی عمر میں بوڑھا اور ایک شخص 60 سال کی عمر میں جوان ہو کیونکہ یہ ہماری سوچ ہی تو ہے جو ہم سے ایسے اعمال کراتی ہے جو حقیقت سے دوری کا باعث بنے یا حقیقت کے قریب تر ہوں۔

سوال: ایک ملک کی تعمیر میں طالب علم کی کیا ذمہ داری ہونی چاہیے؟

جواب: ایک طالب علم کے طور پر ہماری سب سے اہم ذمہ داری یہ ہونی چاہیے کہ دل لگا کر اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دیں اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ہم اپنی کتابیں پاس کرنے کا نہیں علم حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھیں اس طرح سے ہم آگے چل کر ملک و قوم کی بہتر طریقے سے خدمت کر سکتے ہیں۔

ملک جواد نواز قریشی۔ ڈیرہ اسماعیل خان

......☆......



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو قبل اس کے کہ تم دعائیں مانگو اور تمہاری دعائیں قبول نہ کی جائیں۔''
حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قتل و غارت (اور فتنوں کے ایام) کے دوران میں عبادت کرنا ایسے ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا۔'' (صحیح مسلم)

سیدہ نورین۔ کراچی

فرمودات حضرت علیؓ

☆ حکمت مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے حکمت خواہ منافق سے ملے لے لو۔
☆ انسان زبان کے پردے میں چھپا ہے۔
☆ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔
☆ جو چیز اپنے لیے پسند کرو وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو۔
☆ بھوکے شریف اور پیٹ بھرے کمینے سے بچو۔
☆ گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے۔
☆ سب سے بہترین لقمہ وہ ہوتا ہے جو اپنی محنت سے کمایا جائے۔
☆ جو شخص پاک دامن عورت پر تہمت لگاتا ہے اسے سلام مت کرو۔
☆ ہمیشہ سچ بولو تاکہ تمہیں قسم کھانے کی ضرورت نہ پڑے۔
☆ موت کو ہمیشہ یاد رکھو موت کی آرزو کبھی نہ کرو۔

ملک جواد نواز قریشی۔ ڈیرہ اسماعیل خان

حسن اخلاق

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا انسان میں کتنے عیب ہوتے ہیں۔ جواب ملا بے شمار لیکن ایک خوبی سب پر پردہ ڈال دیتی ہے اور وہ ہے حسن اخلاق۔

صائمہ ارشاد۔ کوئٹہ

چغل خور

شیخ سعدیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک ضرورت مند کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امداد چاہی۔ اتفاق سے ان دنوں بزرگ کا ہاتھ تنگ تھا لہٰذا انہوں نے معذرت کرلی۔ اس شخص کو بزرگ کی بات کا یقین نہ آیا اور بدگمانی کرتے مکان سے باہر نکلتے ہی انہیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے بزرگ کا ایک مرید اس طرف سے گزرا اس نے اپنے مرشد کی شان میں گستاخانہ باتیں سنیں تو اس شخص کی تمام باتیں اور دیدہ دہنی کا سارا حال مرشد کو کہہ سنایا۔
مرشد نے فرمایا۔ ''اصل تکلیف تو ہمیں تو نے پہنچائی ہے وہ ہمارے بارے میں جو کچھ بھی کہہ رہا تھا اس سے ہمیں بالکل آگاہی نہ تھی لیکن تو نے آگاہ کر دیا تیری مثال تو ایسی ہے ایک دشمن نے ہماری طرف تیر پھینکا جو ہم تک پہنچنے سے پہلے گر گیا تھا تو وہ تیر ہمارے

پاس اٹھا لایا اور ہمارے پہلو میں چبھو رہا ہے۔" شیخ سعدی نے دراصل اس حکایت میں چغل خوری کی مذمت کی ہے۔

صبا سحر۔ ہارون آباد

انمول موتی

☆ غصہ انسان کو بہت سی باتوں سے غافل رکھتا ہے۔

☆ کسی ایسی خواہش کے پیچھے بھاگنا فضول ہے جس کے نہ پورا ہونے کا گمان ہو۔

☆ سفر میں یقین کو ہمسفر بنا لیا جائے تو منزل مل ہی جاتی ہے۔

☆ اعتبار دلانے کی کوشش بھی اعتبار نہیں دلا سکتی جب تک آپ خود قابلِ اعتبار نہ ہوں۔

☆ کل اور آج میں فرق کا ذمے دار انسان خود ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت کا ثبوت ہے۔

☆ ایک سوال اپنے حل کے لیے ایک سے زیادہ کلیے رکھتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر سوال کے لیے ایک کلیہ درست ثابت ہو۔

☆ انسان کے چند الفاظ اسے دوسروں کی نظروں سے گرا دیتے ہیں اور چند دلوں پر راج کرواتے ہیں۔

☆ کسی کو معاف کرنا جتنا مشکل ہے اتنا سکون بخش بھی ہے۔

عانیہ نیازی۔ ربوہ

باتوں سے خوشبو

☆ خوش رہنا چاہتے ہو تو معاف کرنے میں جلدی کرو۔

☆ اگر چاہتے ہو کہ کبھی تنہا نہ رہو تو دوستوں کی غلطیوں پر درگزر کرو۔

☆ اگر چاہتے ہو کہ سب تم سے محبت کریں تو غصہ پی لیا کرو اور درود پڑھا کرو۔

☆ اگر چاہتے ہو کہ سب تمہاری دل سے عزت کریں تو لہجے میں مٹھاس پیدا کرلو۔

☆ اللہ کے ہر فیصلے پر مطمئن رہو کیونکہ اللہ وہ نہیں دیتا جو آپ کو اچھا لگتا ہے بلکہ وہ دیتا ہے جو آپ کے لیے اچھا ہوتا ہے۔

☆ ہر ایک کی سنو اور ہر ایک سے سیکھو کیونکہ ہر کوئی سب کچھ نہیں جانتا لیکن ہر ایک کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔

شمائلہ ملک۔ کراچی

کامیاب

ایک شخص نے بس میں بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔ "مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔"

وہ شخص جھلا کر بولا۔ "میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور وہ بھی بدقسمتی سے کامیاب ہو گیا۔"

نوشین مدثر۔ لاہور

غور سے

☆ پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نام روشن ہے اور روشن رہے گا۔

☆ دنیا بھر میں "ماں" کا نام بڑے فخر سے لیا جاتا ہے اور ہر قوم میں ماں کا نام م سے شروع ہوتا ہے۔

☆ دنیا میں لفظ "ہیلو" سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

☆ ہر انسان کو چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اولاد، ایمان، ماں باپ، دولت

فرزانہ شوکت۔ کراچی

عقل مند آدمی

عقل مند آدمی جب کوئی خاص اور اہم فیصلہ کرتا ہے تو بہت سوچتا ہے دل و دماغ کی سنتا ہے۔ حالات کو پرکھتا ہے۔ دلیل زیرِ غور لاتا ہے۔ مثبت اور منفی پہلو کا جائزہ لیتا ہے اپنے والدین اور بہن بھائیوں

سے رائے لیتا ہے اور آخر میں کرتا وہی ہے جو اس کی بیوی کہتی ہے۔

عائشہ امین خان عائش۔ کراچی

موسم

موسم جانے کیوں دل کی بستی سے بہت جڑے ہوتے ہیں۔ گہرے مراسم ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان جس لے پر دل دھڑکتا ہے۔ موسم بھی ویسے ہی پلٹا کھاتے ہیں۔ کبھی بہار اور کبھی پت جھڑ...... اور کبھی!!

عروج موسم، زوال موسم
عجب ہیں زندگی میں بے شمار موسم
ہر سو جو پھیلی ہو رشتوں کی مہک
کیا خوب ہوتے ہیں وہ بہار موسم
طویل مسافتوں کے بعد جو آتی ہے منزل
کرتے ہیں جی بھر کر سرشار موسم
گھروں سے پنچھی جب اڑ جاتے ہیں
تو لوٹ آنے کا کرتے ہیں انتظار موسم
یادوں کی نگری میں جھانکا تو کر گئیں آنکھیں نم
سحر کرتے ہیں اکثر یونہی بے اختیار موسم

سحر مبین۔ فیصل آباد

یاد رکھو!

☆ اگر تم دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کو فتح کرنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو فتح کرو۔

☆ اگر تم کامیابی کا سب سے بڑا اصول سیکھنا چاہتے ہو تو اپنی مدد آپ کرنا سیکھو۔

☆ اگر تم دنیا کی سب سے بڑی حکمت عملی اختیار کرنا چاہتے ہو تو خاموشی اختیار کرو۔

☆ اگر تم شیطان کے سینے پر مونگ دلنا چاہتے ہو تو ہمیشہ حق پر رہو۔

☆ حرام خور کے تمام اعضا خود بخود گناہوں میں پڑ جاتے ہیں۔

☆ محبت میں گزرا ایک لمحہ سو برس کی محبت زندگی سے کہیں بہتر ہے۔

☆ مجھے اپنے اس دوست سے سخت نفرت ہے جو میری کوتاہیوں پر چشم پوشی کرتا ہے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

عطر

کراچی سے حیدرآباد بس کے ذریعے سفر کے دوران علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر سید زاہد حسین نقوی صاحب کو ایک ایسی سیٹ ملی جہاں ایک نوجوان عورت سیدہ کنیز صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں جنہوں نے بہت مسحور کن خوشبو لگا رکھی تھی۔

حیدرآباد پہنچنے سے ذرا پہلے پروفیسر سید زاہد حسین نقوی صاحب نے اس حسین و جمیل خوب صورت نوجوان خاتون کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہوئے کہا:

''آپ کون سا سینٹ (عطر) استعمال کرتی ہیں؟ میں بھی اپنی بیوی سیدہ ظہور فاطمہ کے لیے خریدنا چاہتا ہوں؟''

بس ایک اسٹاپ پر رکی وہ خوب صورت نوجوان عورت اپنا بیگ لیے ہوئے اٹھتے ہوئے بولی۔

''اگر تم یہ سینٹ خریدو گے تو ہر شخص تمہاری بیوی سے یہی سوال کرے گا''۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی۔ کراچی

قطعہ

میرے وطن کے سپاہی ہیں جب تلک زندہ
بقا پہ پاک وطن کی نہ آنچ آئے گی
یہ وہ وطن ہے جسے جانیں لٹا کے پایا ہے
وفا کی خوشبو نہ اس کی فضا سے جائے گی

سباس گل...... رحیم یار خان

......☆......

ذرا اپنے پیرس کہنا

سنو لوگو

میرے خوابوں کے رستے میں
مجبوریوں کے بھاری پتھر کیوں؟
قربانی ہر بار میری قسمت میں لکھی کیوں
کوئی تو اس اندھیری رات میں
روشنی کا دیا جلا دو
سنو لوگو مجھے منزل دے دو، میرا راستہ نہ روکو
میں تھک کر لوٹ جاؤں گی
کبھی نہ لوٹ کر آؤں گی
میری آرزوؤں کے مزار پر
سلامی چھوڑ دو لوگو!
کوئی تو روک لے جا کر
میری منزل کو کھونے سے
سنو لوگو رحم کر لو
چلو میں تھک چکی ہوں اب
ہجر کے موسم میں اب
بہاریں آنے دو لوگو
مجھ پر چھانے دو لوگو
ابھی تم روک لو لوگو
خدارا چھوڑ دو اب..... خوابوں کو دفنانا

سعدیہ اقبال

اس کی قربت سے
ہتھیلیوں کا بھیگ جانا
ایک ہی نام ہاتھ پر
لکھ لکھ کر مٹا دینا
چوڑیوں سے کھیلتے کھیلتے
کچھ سوچ کر مسکرا دینا
ہر قدم ہر آہٹ پر
دل کا وہ دھڑک جانا
تیری یاد تیرے ذکر پر
پلکوں کا نم ہو جانا
آنکھوں میں بسے سب خمار کہتے ہیں
سب آثار کہتے ہیں
مجھے اس سے محبت ہے
مجھے اس سے محبت ہے

شہلا گل سحر

غزل

بُرے ہیں کے بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں
جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دِل کے کنول ہیں جو بجھے ہیں نہ جلے ہیں!
تھے کتنے ستارے سرِ شام ہی ڈوبے
ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں!
جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور
تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں!
اِک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں

محبت

نظریں ملتے ہی
پلکیں جھکا جانا

ہم گردشِ دوراں سے بھی ایک چال چلے ہیں!

......

تحفہ

تحفہ، تحفہ، تحفہ، تحفہ
مجھے ملا ہے آج تحفہ اک
ساتھ میں ایک چھٹی ہے اس کے
چھٹی کھول کر دیکھ رہی ہوں
لکھا کیا ہے
تحفہ تمہارا
شب ہو جب تو کھول کے دیکھو
اپنی چھت پہ جا کے دیکھو
رات آئی تو چھت پہ آئی
گھور اندھیرا شب کالی تھی
پاس پڑے ایک تخت پر بیٹھی
اس کا بھیجا تحفہ دیکھا
جگمگ کرتے جگنو نکلے
دامن میرا جگمگ جگمگ
اور پھر یہ ستارے
ننھے منے پیارے پیارے
میرے امبر پر چھاتے ہیں
آج محبت کو سمجھی ہوں
جگنوؤں سے دامن جو بھر دے
جس کا مطلب خوشیاں تارے
تحفہ، پیار، محبت، دنیا
تیرے پیار کی ہیں سوغات

مہرین کنول

غزل

جن کی وفا کے طلب گار ہوئے جاتے ہیں
آہستہ آہستہ وہ ہم سے بیزار ہوئے جاتے ہیں
میرے دل پہ جو نقش ہیں پھر سے نشاں کیسے
بھولے سے میرے دل میں بیدار ہوئے جاتے ہیں
میری جان پہ اک ستم اور کرو پھر سے
داغ دل میرے یار ہوئے جاتے ہیں
تیرے سائے سے بھی ڈر آنے لگا ہے مجھے
کیسے ہم حالات سے دوچار ہوئے جاتے ہیں
لوگ بھی موسم کی طرح اب تو بدلنے لگے
صبح سے شام کے آثار ہوئے جاتے ہیں
کوئی آیا نہ ہم سے آج ملنے کو جاوید
یوں گھر کے ویران درو دیوار ہوئے جاتے ہیں
محمد اسلم جاوید

غزل

کس بات کا بدلا لیا جا رہا ہے
کیوں مزاروں پہ حشر بپا کیا جا رہا ہے
کئی دیوانے گلیوں میں گمنام پھرتے ہیں
کیوں ان کو مارنے کا اعلان کیا جا رہا ہے
آنکھوں کی بستی خالی کر گئے ہیں خواب
پھر بھی کوئی عاشق بے آس جیا جا رہا ہے
سمجھنا ہے، پرکھنا ہے تو دیکھ کربلا میں
کیسا عشق کا امتحان لیا جا رہا ہے
تو بھی ثابت قدم رہ کر دیکھ تو سہی ساتھی
عشق میں تیرا ہر قدم امر ہوا جا رہا ہے
زبیر پنہیار

نظم

شاہین ہوں میں پرواز کروں گی
میں اکثر سوچتی ہوں تنہائی میں
اس ملک کے لیے مگر میں کیا کروں گی؟
جس ملک کا بچہ بچہ
روٹی، پانی، کپڑے کو ترسے
جہاں ہر پل غربت برسے
اس ملک کو کیسے آباد کروں گی؟
قتل و غارت عام ہوا ہے
دیکھو کیسا کام ہوا ہے؟

روز ہی کتنے لوگوں کا خون بہایا جاتا ہے
ان معصوموں کے خون کا
کن سے میں حساب کروں گی؟
بھائی کا دشمن بھائی بنا ہے
ہر کوئی اپنوں کو ترسا ہے
نہ حق نہ انصاف رہا ہے
دیکھو کیسا قہر برسا ہے
حق، انصاف و دین کی خاطر
کس سے جا فریاد کروں گی
حق کی خاطر آؤ بھائیوں ہم سب اک
بزم سجائیں
اس کا یہ عنوان رکھیں ہم
سب کو ہم انصاف دلائیں
پیار محبت بانٹتے جائیں
شاہین کی سوچ کو سوچو سارے
شاہین کی سوچ کو پڑھ لو سارے
ایسے ہی یہ ملک ترقی پائے گا
ایسے ہی میں اس کو آباد کروں گی

سدرہ شاہین

چاند

شروع راتوں کا چاند تھا
پھر بھی سارا باغ
روشنی سے بھرا ہوا تھا
جیسے ہمارے دل
محبت سے
چاند کی آخری تاریخیں تھیں
کنج چمن کی خوشبو بھری تاریکی میں
اس نے دیئے کی لو کو اونچا کیا
اور میری آنکھوں میں جھانکا
اور پھر ہمیں
کسی دیئے کی ضرورت ہی نہ رہی

فرزانہ شوکت

نظم

ہے ابر سا چھایا ہوا
میرے ماضی پر
ہے دل پہ قفل
نہ میں جانوں
یاروں کو
نہ یار جانے مجھ کو
ہے گزر رہی ہری بھری
ہوتا ہے دکھ کیسا
صدیوں ہوئے دیکھا دکھ کو

نور الصبا

موسم خزاں

خزاں کی آمد
کا پتہ دیتے
ہواؤں کے دوش
پر لہراتے زرد پتے
درختوں سے گرتے
صدیوں کی مسافت
طے کرتے ہوئے
دور سے دور
تک پھیلتے گئے تب
فلک!
سے برستی بارش
سے دھرتی بھی
کانپ اٹھے گی
کیونکہ موسم خزاں
ہمیشہ سے دلوں
کو اداس اور!
تنہا کر دیتا ہے!

مدیحہ اعجاز حسین

نظم

میں جھیل سی گہری لڑکی
اور تری محبت اک کنکر
پھر دل میں ہلچل سی مچی
اور کتنی امنگیں جاگ گئیں
کتنی امیدیں بندھنے لگیں
اک روز اچانک
ایسا ہو......
بے نام سی چاہت روٹھ گئی
میں ٹوٹ گئی

ریمل آرزو

غزل

غم نہ کر غیر کا نہ اپنوں کا
وقت مرہم ہے سارے زخموں کا
بیٹیاں بن بیاہے بیٹھی ہیں
ہو برا آج کل کی رسموں کا
شادماں جو ہمیں نہ دیکھ سکے
پوچھتے کیا بھلا وہ اشکوں کا
مجھ کو منزل پہ لا کے ڈال دیا
شکریہ تیرے گھر کے رستوں کا
قدر کھو جائیں جس چمن میں گلاب
پھر بھلا کیا شمار پتوں کا
دل میں گر عاجزی کا نور نہ ہو
فائدہ کچھ نہیں ہے سجدوں کا

سید ساجد

نظم

تم نے تو کہا تھا
ہمارے وصل کا موسم جلد ہی آئے گا
یہ جو درمیان میں کچھ سمے کے لیے
ہجر کا موسم آیا ہے
دبے پاؤں لوٹ جائے گا
اور ہمارے جیون میں پھر
موسم گل آ کر ٹھہر جائے گا
مگر لگتا ہے کہ
جیسے میری حیات کے پنے پر
یہ ہجر کا لمحہ آ کر ٹھہر سا گیا ہے
جو میری معدوم ہوتی سانسوں کے ساتھ
خود بھی ٹوٹ بکھر جائے گا
ہم دونوں کے درمیان میں
موسم گل جاناں!
میری سانسوں کا بندھن ٹوٹنے پر ہی
ہم دونوں کے درمیان آئے گا
جو ہم دونوں کو ایک دوجے کے روبرو آئے گا

رابعہ افضال خان

عید پر وعدہ کرو

اس عید پر میری جان
چلو وعدہ کرو مجھ سے
اس عید پر جاناں
تم اقرار کرو مجھ سے
خوشیاں جو تمہارے دم سے
میری زیست کا مقدر ٹھہریں
کبھی نہ چھینو گے مجھ سے
میری یہ خوشیاں مجھ سے
تا زیست میرے سنگ
تہہ دل سے نبھاؤ گے
یہ دل میرا بڑا نازک ہے
نہ اس دل کو توڑو گے
یہ وعدہ کرو مجھ سے
اس عید پر جاناں!

مریم ماہ منیر

......☆......

سندیسے

افشاں علی..............کراچی

ہمیشہ کی طرح بہت ساری دعاؤں و چاہتوں اور محبتوں کے ہمراہ افشاں علی پھر سے حاضر محفل ہے۔ بلیک ڈریس زیب تن کیے انعم فیض سرورق پر چھا گئیں۔ میٹھی میٹھی سی باتیں ''گوشہ آگہی'' میں پڑھنے کو ملیں جب کہ ''ردائے جنت'' تو ہے ہی دین کے نایاب موتیوں سے سجا سنورا۔ ''میرے دل میرے مسافر'' فاطمہ خان کا مکمل ناول بہت خوب صورتی کے ساتھ پرت در پرت کھلتا اختتام پذیر ہوا۔ رمنا نور کا ناولٹ ''فیصلہ'' اچھا تھا۔ فرحین اظفر کا افسانہ ''لا پرواہ'' ہلکا پھلکا، مگر بہت پراثر تفہیم پر مبنی تھا، زبردست۔ سارہ راجکماری کا مختصر افسانہ بھی اچھا تھا۔ ''سفر ہم سفر تک'' اقراء چنا نے بھی اچھا لکھا جب کہ ''یہ اور اُن'' کے امتزاج سے لکھا گیا سائرہ عبدالغفار کا افسانہ بھی زبردست رہا۔ عائشہ الیاس، رابعہ افضال خان، فرح ناز رفیق، ریما نور رضوان، حنا اشرف، افسانہ آفتاب کاوش، سدرہ شاہین اور شہلا گل سحر سمیت بھی نے بہت خوب افسانے لکھے۔ حنا اشرف، سدرہ شاہین اور شہلا گل سحر آپ تینوں کو ویلکم آپ تینوں نے پہلی بار لکھا اور پہلی کاوش ہی خوب لکھی۔ افسانہ آفتاب آپ ا افسانہ ''اڑان'' بہت عمدہ تھا۔ خاص کر آخری پیراگراف۔ سلسلے وار ناول تو اپنے سلسلے سے جڑے بہت زبردست انداز سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ''ردا کی ڈائری'' کو بھی نے بہ خوبی سجایا۔ ''اس ماہ میں'' بھی سب بہت اعلیٰ رہا۔ ''خوشبو'' بھی بہت عمدہ بکھری۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سب کی شاعری اچھی تھی۔ ''سندیسے'' کی محفل بہت بارونق نظر آئی۔ صبا عبدالغنی، ثناء کنول، فریدہ فرید، عائشہ الیاس اور عانیہ نیازی نے مل کر اس محفل کو خوب سجایا۔ ڈیئر فریدہ فرید نیکسٹ ٹائم آپ کو ساتھ لے چلوں گی ایوارڈ لینے کے لیے۔ عائشہ الیاس آپ نے سندیسہ بہت اچھا لکھا یونہی لکھتی رہیں۔ ثناء کنول اس بار سندیسہ اتنا مختصر کیوں؟ پیاری سی صبا عبدالغنی مجھے بہت خوشی ہوئی اور بہت اچھا لگا۔ جو آپ نے نا صرف میری برتھ ڈے یاد رکھی بلکہ مجھے وش بھی کیا۔ thank you sister۔ اس کے علاوہ میری پیاری سی سوئیٹ والی بہن ثناء کنول نے بھی مجھے ردا کے توسط سے برتھ ڈے وش کی تھینک یو۔ صبا عبدالغنی اور ثناء کنول آپ کے لیے یہ پیاری سی دعا آپ کی پیاری سی بہن افشاں کی جانب سے

تمہیں کبھی نہ کوئی دکھ ملے
تمہیں زندگی کا ہر سکھ ملے
تمہارا دل نہ ہو کبھی خفا
تم مسکراتی رہو صدا (آمین)۔

پیاری سی عانیہ نیازی، فریدہ فرید، گیتی آراء سمیت سب قارئین کے نام

میں چاہوں بھی تو کبھی وہ لفظ نہ لکھ پاؤں گی
جس میں بیاں ہو کہ کتنی محبت ہے تم سے

اب اجازت پر جانے سے پہلے صالحہ آپی کو آداب، شکریہ جنھوں نے گوشہ چشم میں مجھے یاد رکھا اور دعاؤں سے نوازا۔

گیتی آراء..............کراچی

پیاری آپی آداب! سب سے پہلے تو آپ کو اور نورین کو اور ردا کے تمام قارئین کو عید کی دلی مبارک باد۔ اللہ آپ سب کو ایسی ہزاروں خوشیاں دیکھنا

نصیب کرے، آمین ثم آمین۔ آٹھ ستمبر کو اپنا دل عزیز ردا ملا۔ دیکھ کر خوشی سے باچھیں کھل اٹھیں اور مہینے بھر کا انتظار ختم ہوا۔ سب سے پہلے فہرست پر نظر ڈالی اپنا افسانہ نہ پا کر دل بجھ سا گیا۔ لیکن پھر "گوشہ چشم" میں اپنا نام اور آپی کا پیار بھرا جواب پاتے ہی ساری شکایت دور ہو گئی اور دل خوشی سے کھل اٹھا۔ آگے بڑھے تو "گوشہ آگہی" کی پیاری اصلاحی باتیں دل میں اتر گئیں۔ "ردائے جنت" میں قربانی سے متعلق اسلامی باتیں دین کی شمع روشن کر گئیں اور اب باری تھی سلسلے وار ناول اور مکمل ناول کی۔ قمروش، شازیہ مصطفیٰ، نائلہ طارق، فاطمہ خان تو پہلے ہی میدان مار چکیں اپنی تحریروں سے۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف فرحین اظفر نے خواتین کے ایک اہم مسئلے کی طرف قلم بہت خوبی سے اٹھایا ہے۔ سارہ راجکماری نے "جذبہ قربانی" میں بچوں کا جذبہ قربانی" دکھا کر دل خوش کر دیا۔ "سفر سے ہمسفر تک" یہ اور ان "دل کے مکین" اپنے اندر مزاح کا رنگ لیے شوخ تحریریں تھیں۔ "انجام" تکبر پر لکھی ایک دکھی کر دینے والی تحریر رہی۔ "یہ وطن ہمارا ہے" اپنے ہی مٹی اور وطن کے خلاف زہر اگلنے والے افراد کے لیے ایک سبق آموز تحریر رہی۔ "عید ایثار اور خوشی" نے جذبہ قربانی کا مطلب سمجھا دیا۔ "اعتماد ریزہ ریزہ" عورت کی بے بسی پر لکھی ایک منفرد تحریر تھی۔ "اڑان" اونچی اڑان اڑنے والے اور تکبر کرنے والوں پر لکھی ایک سبق آموز تحریر تھی۔ "یقین کامل" اور "جنت کا راستہ" ہمارا دین کامل اور بڑھ گیا۔ "ردا کی ڈائری" کے تقریباً سبھی انتخاب اچھے تھے "اس ماہ میں" افشاں علی کے درانامی ملک کی سیر نے خوب انجوائے کرایا۔ اس ماہ کی محبت اس ماہ کا ڈائٹ پلان اس ماہ کا مزاحیہ قطعہ اس ماہ امید کی کرن جواب دیں۔ اس ماہ کی مزاحیہ غزل، محبتوں کی منزل سب ہی انتخاب لاجواب تھے۔ "خوشبو" ہمیشہ کی طرح مہکتا مہکاتا رہا۔ "ذرا پھر سے کہنا" کے سارے ہی انتخاب اچھے تھے اور اب باری تھی سندیسے کی جس میں دانیہ آفرین کی والدہ کی رحلت کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا کرے، آمین۔ افشاں آپ کو ہماری تحریر پسند آئی اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ "دوستوں کے نام پیغام" خاصا دلچسپ سلسلہ ہے۔ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ "گوشہ چشم" میں اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ "کچن" کے سارے ہی پکوان عید کے حوالے سے بہترین تھے۔ "سنگھار" میں قدرتی فیشل واہ! کیا ٹپس ہیں۔ اب اجازت ڈھیروں دعاؤں اور ترقی کے ساتھ۔

دانیہ آفرین..........کراچی

السلام علیکم! ردا کی محفل میں کافی عرصے بعد شریک ہو رہی ہوں۔ الفاظ ساتھ نہیں دے رہے۔ کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ ماہ اگست میں ردا کی طرف سے، امی کے انتقال پر افسوس کا پڑھا تو لبوں پر پھیکی سی مسکان آ کر ٹھہر گئی۔ دل نے کہا دانیہ تم اکیلی نہیں ہو تم سے محبت کرنے والے اس دنیا میں باقی ہیں۔ صالحہ آپی اور نورین جی آپ کی محبتوں اور دعاؤں کا بے حد شکریہ۔ فرزین تمہارا غم اور میرا غم ایک سا ہے۔ ہم دونوں نے عزیز جان رشتے کو کھویا ہے۔ اللہ تمہیں اور مجھے صبر عطا کرے اور ہمارے پیاروں کے درجات بلند کرے، آمین۔ آج میں بس اتنی درخواست کرنے آئی ہوں کہ تمام بہنیں مجھے اور میری امی کو اپنی دعاؤں میں خاص یاد رکھیں مجھے آپ سب کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے، دعا کریئے گا میں اپنا قلمی سفر دوبارہ جلد شروع کر سکوں۔

شمائلہ دلشاد..........عمان

دعاؤں اور خلوص سے بھرا سلام قبول ہو۔ میرا رب کرے کہ میرے وطن کے پیارے ردا سے تعلق

رکھنے والے ہر فرد کا مزاج اور طبیعت بخیر ہو۔ اگر بھولے نہیں تو آپی جی میں بہاولپور والی ہی شمائلہ دلعباد ہوں۔ دراصل جب میرا افسانہ ردا میں شائع ہوا تو تب ہی میری عمان شفٹنگ ہو گئی۔ دیارِ غیر میں قلم سے تو رشتہ ٹوٹ گیا لیکن ردا پڑھنے سے نہیں چھوٹا (بھلا ہو نیٹ کا) بیچ میں تخلیق کے مراحل پھر چھوٹا بچہ اور اکیلے سنبھالنا سب بہت مشکل اور محنت طلب تھا صد شکر میرے رب کا کہ سب ٹھیک ہو گیا۔ جب بھی پاکستان یاد آیا تو پناہ ردا نے دی اس کے لفظوں کی خوشبو میں مجھے میرا دیس میرا میکہ ملتا ہے۔ بہت خوش نصیب ہیں جو میرے وطن کے مکین ہیں اور ردا کو ہاتھ میں پکڑ کر محسوس کر کے پڑھتے ہیں۔ میری طرح اسکرین پر نہیں۔ آپی جی مزے کی بات یہ کہ میری وجہ سے ادھر اور بہت سے لوگوں کا رشتہ جڑا ہے۔ خود میرے میاں جی ردا کے مستقل سلسلے بڑے شوق سے پڑھنے لگے ہیں۔ میری عادت یہ ہے کہ ''گوشہ آگہی'' کے بعد میں سب سے پہلے تمام افسانے پڑھتی ہوں۔ مستقل سلسلے بعد میں۔ اشعار اور ذرا پھر سے کہنا تو بار بار پڑھتی رہتی ہوں۔ ناول گھر کی تو جی گل ای چھوڑ دیو۔ بہت مزا آیا اور نام (مریم) تو بہت ہی اچھا تھا (ہیروئن کا)۔ ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ بچے تو رلا ڈالتے رہے مگر میں نے سیانوں کے کہے پر بالکل پورا پورا عمل کیا یعنی ایک کان سے سنا اور دوسرے سے...... سمجھ گئے ناں تو ٹھیک ہے۔ صالحہ آپی خدا کرے آپ کے قلم کی روانی ستاروں پر کمند ڈالے۔ میرے پاس لفظ نہیں بس دعائیں ہیں آپ اور ردا کے لیے۔ میرے لیے تو ردا سچ مچ سر پر ردا جیسا ہے ورنہ یہ پردیس کاٹنا مشکل ہو جائے۔ اب ناول بھیج رہی ہوں انشاء اللہ اب سے تم سے رشتہ جڑا رہے گا۔ میرا سندیسہ ذرا لمبا ہو گیا ہے مگر برداشت کر لیجیے گا۔

رابعہ افضال خان............کراچی

پیاری سی صالحہ آپی، نورین ملک قارئین و رائٹرز کو سندیسے کی پر رونق محفل میں رابعہ افضال خان کا محبتوں سے بھرا سلام قبول ہو۔ جوں ہی ستمبر کا ردا ہاتھ میں آیا ٹائٹل گرل کیوٹ سی انم فیاض کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ فوراً ردا کی فہرست لسٹ پر نگاہ دوڑائی اور اپنا نام موجود دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ ''گوشہ آگہی'' اور ''ردائے جنت'' میں بکھرے خوب صورت لفظوں کے موتیوں کو دل میں قید کرتے آگے بڑھے اور سیدھے شازیہ جی کے ناول پر جا کر بریک لگائے۔ ''تجھ سے مانگوں تجھ کو'' کی یہ قسط بھی ہر دفعہ کی طرح زبردست تھی۔ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ تھوڑا اور آگے بڑھے تو قمروش شہک ''تیرے پیار کی خوشبو'' کے ساتھ موجود تھیں اور ہر بار کی طرح اس بار بھی یہ قسط سپر ہٹ تھی۔ نائلہ طارق بھی ''جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے'' کے ساتھ جلوہ افروز تھیں۔ نائلہ جی کیا بات ہے آپ کی زبردست۔ رمنا نور کا ناولٹ ''فیصلہ'' اچھا تھا۔ مکمل ناول فاطمہ خان کا ''میرے دل میرے مسافر'' اچھا لگا۔ افسانوں میں فرحین اظفر، سارہ راجکماری، اقرا چنا، سائرہ عبدالغفار، عائشہ الیاس، فرح ناز رفیق، حنا اشرف، ریما نور، سدرہ شاہین، شہلا گل سحر سب ہی نے بہت خوب رنگ جمایا۔ میرا افسانہ کیسا تھا یہ آپ لوگ بتائیں گے۔ ''ردا کی ڈائری'' سے فریدہ فرید، ثناء کنول اللہ دتہ اور عابد دولت کا انتخاب پسند آیا۔ ''اشعار'' میں سدرہ شاہین، فریدہ فرید اور صبا عبدالغنی کے اشعار پسند آئے۔ ''اس ماہ میں'' ردا کا سفر افشاں علی کے ساتھ دلچسپ تھا۔ اس ماہ کا ڈائٹ پلان ثمینہ فیاض نے بڑا دلچسپ ڈائٹ پلان کیا تھا۔ ''خوشبو'' میں لکھا ہر لفظ بہت معطر تھا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں ریمل آرزو، ثنا ناز کا کلام بہت اچھا تھا۔ ''سندیسے'' کی محفل میں تو سب ہی نے خوب رونق لگائی تھی۔ ڈیئر صبا عبدالغنی میری شاعری اور سندیسے کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ کیوٹ سی افشاں علی میرا افسانہ اور سندیسہ آپ کو پسند آیا بہت شکریہ۔ پیاری سی فریدہ فرید آپ کی اتنی ڈھیر ساری محبت، خلوص اور اپنائیت نے میرا اسیروں کے حساب سے خون بڑھایا ہے بلکہ ہر ماہ

بڑھا دیا کرتی ہیں۔ آپ ہمیں بھی بہت پیاری اور عزیز ہیں اور آپ سے ہمیں بھی دلی لگاؤ ہے۔ ''گوشہ چشم'' کی محفل بھی خوب جچی تھی۔ ''کچن'' کے پکوان منہ میں پانی بھر آیا۔ ''سنگھار'' بھی اچھا تھا۔ میری ناقص اور کمزور یادداشت کے مطابق حنا اشرف اور سائرہ عبدالغفار نے فرسٹ ٹائم ردا میں انٹری دی ہے تو آپ دونوں کو ویلکم۔ فرزانہ فرزین حبیب آپ کے والد کی رحلت کا پڑھا بہت افسوس ہوا۔ ہم دل سے آپ کے غم کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والد کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کو صبر عطا کرے۔ انشاء اللہ اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے۔ خدا حافظ۔

زاهده هاشمی زاهی ....کراچی

زاہی کا پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے کیوں کہ آپ سب لوگ میری یاد میں رہنے کے ساتھ ساتھ دعاؤں میں بھی رہتے ہیں۔ پیاری آپی! طبیعت کی ناسازی کی بنا پر میں سندیسے میں حاضری نہ دے سکی۔ معذرت خواہ ہوں۔ مگر ردا کو مسلسل پڑھتی رہی ہوں۔ ماشاء اللہ ردا کا دن بدن بڑھتا نکھار ہم سب کے لیے خوشی کا باعث ہے اور یہ نکھار ردا کی ترقی کی خوشی کی نوید ہے۔ میری دعائیں ہمیشہ سے آپ اور ردا اسٹاف اور ردا کے لیے ہیں۔ آپی مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا، کبھی کبھی کسی کی دعا اور کسی کی پیاری بھری یاد زندگی کا سہارا بن جاتی ہے۔

شیریں تبسم ....کراچی

السلام علیکم! جولائی کی تپتی ہوئی دوپہر میں ردا ٹھنڈک بن کر آیا۔ اس میں اپنا افسانہ دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ ردا کی پوری ٹیم کا بے حد شکریہ جن کی بدولت میرا خواب سچ ہوا۔ صالحہ محمود صاحبہ، نورین باجی تھینک یو سو مچ۔ افسانے کے ساتھ ساتھ نظم بھی اسی شمارے کا حصہ بنی اور اس بار ستمبر کے مہینے میں میری ایک اور نظم ''آج پھر شہر میں دھرنا تھا'' کو ڈائجسٹ کا حصہ بنانے کا بے حد شکریہ۔ چلیں ایک اور گڈ نیوز سنا دوں۔ بی اے کے امتحان میں بی گریڈ سے پاس ہوگئی ہوں۔ ''گوشہ آگہی'' میں صالحہ محمود صاحبہ نے جو آخری پیراگراف میں میڈیا چینلز کو جو پیغام دیا ہے میں اس سے سو فیصد اتفاق کرتی ہوں۔ لکھنے کے لیے دنیا بھر کے موضوعات ہیں مگر لگتا ہے میڈیا والوں کو ایک یہ ہی موضوع مل گیا ہے۔ ''اس ماہ میں'' افشاں علی کا سفر ردا اچھا لگا۔ خوشبو، ذرا پھر سے کہنا، دوستوں کے نام پیغام، ردا کی ڈائری ہر بار کی طرح اے ون۔ افسانے بھی سب اچھے لگے۔ نئے آنے والوں کو خوش آمدید۔

ثوبیہ ملک ....کراچی

السلام علیکم! میری جانب سے صالحہ آپی، نورین آپی اور تمام ردا اسٹاف کو میرا پرخلوص سلام قبول ہو۔ ستمبر کے ٹائیٹل پر ماڈل انم فیاض کافی اچھی لگیں۔ اس کے بعد آگے بڑھے تو آپی نے ''گوشہ آگہی'' میں جو رنگ بھرے کیا خوب تھے اور آخر میں جو میڈیا چینلز والوں کو متوجہ کیا تو یقین جانیے دل سے آپ کے لیے بے شمار دعائیں نکلیں۔ سلسلے وار ناول میں تینوں رائٹرز نے بہت خوب لکھا۔ شازیہ مصطفیٰ کی سادگی بہت بھائی۔ مکمل ناول میں فاطمہ خان نے بھی بہت اچھا لکھا۔ اب بات ہو جائے اکلوتے ناولٹ ''فیصلہ'' کی تو واقعی ہی رمنا نور نے بہت اچھا لکھا۔ اس کے علاوہ افسانے تقریباً سب خوب تھے۔ چاہے وہ لاپرواہ، جذبہ قربانی، سفر سے ہمسفر تک، یہ اور اُن، انجام، یہ وطن ہمارا ہے، دل کا مکین، عید ایثار اور خوشی، اعتماد ریزہ ریزہ، یقین کامل، اڑان اور جنت کا رستہ سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ بہت خوب آپی بقر عید سے پہلے ہی آپ نے اتنا خوب صورت تحفہ دیا ہمیں، بہت شکریہ۔ اس کے علاوہ باقی تمام سلسلے بھی خوب تھے۔ دعا ہے کہ آپ یونہی خوش رہیں اور ردا دن رات ترقی کی منازل طے کرے اور ہم بھی ردا سے جڑے رہیں، آمین۔ ☆

دوستوں کے نام پیغام

ردا سے جڑے دوستوں کے نام

السلام علیکم! ردا سے جڑے یہ لوگ شاید کسی کے پرخلوص پیغام کے منتظر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ردا پڑھتے ہیں مگر کسی وجہ سے ردا میں شامل نہیں ہوتے۔ آپ سب کہاں ہیں میری پکار پر آئیں۔ ردا کو پھر سے سجائیں۔ سیما سحر، ایمن مغل، رضوانہ ارشاد احمد، پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینو، نوشابہ فاروق، رباب بخاری، شاہین سجاد، وریال خان، اسرا سعید، زوبیہ علی، سمیعہ زریں عباسی، عانیہ نیازی، حنا حسین فاطمہ، حنا چمن، مسز رفیع نورین، سیدہ حنا، نورین کاظمی، فوزیہ احمد، ثناء حیات، ثناء اختر، صبا سحر، حیا قریشی، زارا صدف قمر، مریم ماہ منیر، تہمینہ الیاس، عائشہ سحر مرتضیٰ، ثمرین اسلام الدین، سحر انجم، دھنک ناز، امبر افگن شمائل، ماریہ مہک، عائشہ صدیقہ، فوزیہ خان، ورشا خان، اجالا خان، عابدہ سبین، سدرہ سحر عمران کہاں گم ہو میری پیاری پیاری سہیلیوں، دوستوں، Come Back۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

کائنات غزل کے نام

دعا کی صورت میں ان کی خاطر
جو میرے ہونٹوں سے لفظ نکلیں
جو میری آنکھوں سے اشک نکلیں
ان کے بدلے میں اے خدا
جب بھی ان کا نصیب لکھنا
عروج لکھنا
کمال لکھنا
کبھی نہ حرف زوال لکھنا
خوشیاں لکھنا
اور ان کی عمر دراز لکھنا

(آمین)

مشکل وقت میں آپ نے جس طرح میرا ساتھ دیا ہے اس کے لیے شکریہ لفظ بہت چھوٹا ہے۔ کائنات آپ نے بڑی بہن ہونے کا حق نبھا دیا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

دانیہ آفرین۔ کراچی

پیارے ردا کے نام

ردا کی پیاری شہزادیوں، صالحہ آپی، نورین آپی جانِ محبتوں اور چاہتوں کی شدتوں بھرا سلام قبول فرمائیں۔ امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے ایک دعا۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو آمین۔ ردا ہاتھ میں ہے۔ آپ کا اداریہ، حمد، نعت شریف، دین و دنیا، شاعری، افسانے، ناولز سب کچھ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ماشاء اللہ رائٹر بہنوں کا روز بروز اضافہ ہو رہا ہے جو کہ خوش آئند بھی ہے۔ ردا سے میرا تعلق جڑے آج ایک سال مکمل ہو چکا ہے اور یہ سفر میرے لیے زندگی کا سب سے انمول اور یادگار سفر رہا ہے۔ ردا نے مجھے بہت سی عظیم رائٹرز بہنوں سے ملوایا ہے۔ جن میں حیا بخاری آپی، صائمہ قریشی، دانیہ آفرین، افشاں علی، اقراء سیف اور عائشہ خان قابل ذکر ہیں۔ آپ سب کی سپورٹ اور محبت کا بے

حد شکریہ۔ دانیہ آفرین اپنے آپ کو کبھی اکیلے مت سمجھیے گا ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ زندگی میں ہمیں اللہ کی رضا کے لیے راضی ہونا پڑتا ہے۔ اللہ آپ کو ہر قدم پر کامیاب کرے، آمین۔ ردا میں بہت دنوں بعد حاضری دے رہی ہوں۔ وجہ میرے فائنل ایگزامز تھے۔ آپ سب کی دعاؤں سے میری انجینئرنگ مکمل ہو چکی ہے۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔ اللہ پاکستان کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے اور ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے، آمین۔

ثناء ناز۔ رجانہ

پیاری دوستوں کے نام

سب سے پہلے محترمہ صالحہ آپی، نورین ملک اور تمام ردا سے جڑی دوستوں کو رابعہ افضال خان کا سلام۔ ڈیئر فرزانہ فرزین آپ کے والد کی وفات یقیناً آپ کے لیے اور آپ کی فیملی کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی فیملی کو صبر جمیل عطا کرے اور آپ کے والد کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ سوئیٹ صبا عبدالغنی آپ اپنے پیار خلوص اور اپنائیت کو یوں ہی بنائے رکھیے گا مجھے ہمیشہ ضرورت رہے گی۔ کیوٹ سی فریدہ فرید آپ کی محبت اور خلوص میرے لیے بہت انمول ہے اسے یوں ہی قائم رکھیے گا۔ تعریف کے لیے جزاک اللہ۔ ڈیئر افشاں علی میری تحریر اور سندیسے کو پسند کرنے کا شکریہ۔ سوئیٹ ثناء کنول اللہ دتہ آپ کے لیے اتنا کہوں گی یو آر سو سوئیٹ۔ ملالہ اسلم، مون شاہ، کیسے ہو یار آخر میں اتنا ہی کہنا چاہوں گی آپ لوگوں کی محبت خلوص اور اپنائیت میرے لیے بہت انمول خزانے کی مانند ہے تو اسے یوں ہی قائم رکھیے گا۔ خوش رہیں اور اس کے ساتھ ہی رابعہ افضال خان کو اجازت دیں۔

رابعہ افضال خان۔ کراچی

پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! ڈیئر فرینڈز سب سے پہلے تو میں اپنی بہت ہی پیاری دوست دانیہ کو یہ کہنا چاہتی ہوں یار بہت یاد آئی ہو تم اس کے بعد وہ تمام فرینڈز جو میرا بہت سا خیال رکھتی ہیں۔ مجھے میری پریشانیوں میں سہارا دیا، حوصلہ دیا میری تنہائی کو بانٹا ان سب کو اللہ تعالیٰ ڈھیروں خوشیاں عطا کرے، آمین۔ مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا پلیز اللہ حافظ۔

فائزہ علی۔ لاہور

ردا رائٹرز اور قارئین کے نام

میری پیاری اور ہر دلعزیز رائٹرز اور تمام قارئین بہنیں سب سے پہلے تو سلام اور پھر ڈھیروں شکریہ اتنی محبتوں اور چاہتوں کا جس سے آپ نے مجھے نوازا۔ سچ میں بہت مقروض کر دیا ہے آپ نے اپنی محبتوں سے آپ لوگ خود اتنی پیاری ہیں اتنی خوب صورت سوچ کی مالک ہیں کہ آپ لوگوں کے لیے کچھ بھی لکھنا مجھے خود ایک اعزاز کی مانند لگتا ہے۔ ردا میں تب سے پڑھتی ہوں جب سندیسوں کی محفل میں اتنی رونق اور گہما گہمی نہیں تھی مگر میں تبصرہ ضرور لکھتی تھی کہ مجھے آپ تمام رائٹرز سے عقیدت کی حد تک محبت ہے جو اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر ہم قارئین کے لیے لکھتی ہیں تو میں اپنی رائٹرز سے عشق میں مبتلا ہوں اور بہت فخر سے یہ بات کہتی ہوں کہ میں نے آپ کو صرف نظر سے نہیں دل کی آنکھ سے پڑھا ہے۔ تبھی آپ سب میرے دل میں اتری ہوئی ہیں۔ پھر چاہے وہ شازیہ آپی اور قمروش آپی کا رومان پرور ماحول ہو یا فریدہ فرید کا ادبی ادبی سا انداز جو نہایت خوب صورتی سے بڑی سے بڑی بات نہایت سادہ اسلوب میں کہہ جاتی ہیں۔ نازکی بستی ان کی وہ تحریر ہے جو میں نے اپنی بھابی کو خاص طور پر پڑھنے کے لیے دی کہ ان کی بھی ایک ننھی پری ہے۔ نائیلہ طارق کی اسٹوری جتنی سمپل نظر آتی ہے اتنی ہوتی نہیں بہت گہرائی لیے ہوتی ہے اور صالحہ آپی سے

مجھے عقیدت کی حد تک محبت ہے اس لیے بھی کہ انہوں نے مجھے ایک پہچان دی نام دیا۔ صالحہ آپی کے ناولز کی اور افسانوں کی سب سے خوب صورت بات قدیم اور جدید کا حسین امتزاج ہے جو مجھے پرسنلی بہت پسند ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ باقی تمام رائٹرز بھی میرے لیے بہت محترم اور پیاری ہیں۔ گیتی آپی، افشاں علی، ثناء کنول، مصباح مسکان، ریمانور اور جو نام رہ گئے ان سے معذرت کے پیغام پہلے ہی طویل ہوگیا ہے۔ آپ سب کے لیے بہت سی دعائیں خوش رہیں اور خوشیاں بانٹتی رہیں، آمین۔

عاثیہ نیازی۔ ربوہ

روشین کے نام

ڈیئر روشین! کیسی ہو یقیناً فٹ فاٹ ہوگی اور میرے چاچو چچی کا راشن مکا رہی ہوگی (ہاہاہا)۔ خیر منہ نہ بناؤ پہلے کم موٹی ہو گیا (ہاہاہا)۔ تمہیں سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد اور میری دعا ہے کہ تم ایسی ہزاروں سالگرہ مناؤ اور جلدی سے میرے چاچو کا گھر خالی کرکے اپنے پیا دیس جاؤ (ہاہاہا)۔ اچھا اچھا ناں ناراض نہ ہو سچ میں، میں تمہارے لیے بہت خوش اور دل سے دعا گو ہوں کہ خدا تمہارے ہر خواب کو پورا کرے، آمین۔

رامین شاہ۔ راولپنڈی

ردا کے دوستوں کے نام

اماوس کی اداس رات میں
املتاس کے چھاؤں تلے بیٹھی
اس کی یادوں کے ریشم کھولے
جسے سلجھانے کی کوشش میں
میری انگلیاں فگار ہوئیں
کچھ میٹھی کسک، کچھ تلخ جملے
جسے بھلانے کی خواہش میں
میری سانسیں انگار ہوئیں
کبھی وہ آدھا چاند اور ادھوری باتیں
سرگوشی کرتی ہیں
جسے پانے کی سازش میں تیری
نیندیں بیکار ہوئیں
وہ خوشی کے شبوں کا ساتھی تھا
دکھوں کے خزاں رسیدہ موسم میں
اسے بھول جا کہ یاد رکھا اسے بھول جانہ یاد رکھ!

سیدہ فرزین حبیب۔ کراچی

خالہ جانی اینڈ چاچو کے نام

السلام علیکم! خالہ جانی اینڈ چاچو! جب سے صدف سے پتہ چلا کہ آپ لوگ حج کے لیے جارہے ہیں سچ دل خوشی سے پھول گئے، خدا تعالیٰ کے گھر جانا ہر مسلمان کے دل کی خواہش اور ارمان ہوتا ہے اور آپ لوگوں کا وہاں جانا نہ صرف آپ کے لیے بلکہ ہم سب کے لیے خوشی کا باعث ہے آپ لوگ وہاں ہم سب کے لیے بھی دعا کیجئے گا۔ آپ کو اور چاچو کو ردا کے توسط سے مبارک باد دینے کا دل چاہ رہا تھا سو میں نے قلم اٹھایا اور پیغام لکھ دیا۔ یقیناً آپ ردا میں اس مبارک باد کو پڑھ کر بہت خوش ہوں گی، اللہ حافظ!

اریبہ ارشد۔ سیالکوٹ

بشریٰ فراز کے نام

سوئیٹ بشریٰ! تمہیں 24 ستمبر پر سالگرہ بہت مبارک ہو، خدا سے دعا ہے کہ اللہ تمہیں ہر خوشی و راحت نصیب کرے اور جو چاہو وہ پاؤ اور اپنی زندگی میں ڈھیروں کامیابیاں سمیٹو مجھے یقین ہے کہ تم ردا میں اس سرپرائز کو دیکھ کر خوشی سے چیخ پڑو گی کہ ہر اچھی نیوز پر تمہارا بے ساختہ چیخنا تو مسٹ ہے ہاہا ہاہاہا....! اوکے اب تم شرافت سے کیک ریڈی رکھنا کنجوس، میں تمہارے گھر پر گفٹ سمیت پہنچ جاؤں گی۔

نعیمہ آپی۔ لاہور

......☆......

ثریا اقبال



کبد طمکلیہ

اجزاء

لیمب کلیجی (چھوٹی بوٹیاں) : 450 گرام
لہسن کے جوے (چوپ کرلیں) : دوعدد
زیرہ : ایک چائے کا چمچہ
آٹا : دو کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر : دو چائے کے چمچے
لیموں (چار ٹکڑے کاٹ لیں) : ایک عدد
نمک : حسب ذائقہ
زیتون کا تیل : تین کھانے کے چمچے

ترکیب: ایک سوس پین میں تیل گرم کرکے اس میں لہسن اور زیرہ ڈال کر فرائی کریں۔ ایک پلیٹ میں آٹا رکھ کر اس میں کلیجی ڈال کر مکس کرلیں تاکہ گوشت آٹے سے کوٹ ہوجائے۔ اب اس کو سوس پین میں ڈال کر ہلکا سا فرائی کریں۔ آنچ دھیمی کرکے گل جانے تک پکائیں۔ سرخ مرچ پاؤڈر اور نمک ڈال کر مکس کریں سرونگ ڈش میں نکال کر لیموں کا رس چھڑک دیں اور فوراً سرو کریں۔

بھنا گوشت مصالحہ دار

اجزاء

گائے کا گوشت : آدھا کلو
پیاز (چوپ کرلیں) : دوعدد
لال مرچ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر : پون چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر : ایک چائے کا چمچہ
تیل : آدھا کپ
ٹماٹر (چوپ کیا ہوا) : تین عدد
لہسن، ادرک (چوپ کیا ہوا) : ایک چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
ہری مرچیں (چوپ کرلیں) : تین عدد
مونگ پھلی (موٹی پسی ہوئی) : ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب: ایک دیگچی میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز، لہسن اور ادرک ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں۔ گوشت، نمک، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر اور ٹماٹر ڈال کر بھونیں۔ گوشت گلانے کے حساب سے پانی ڈال کر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو اس میں مونگ پھلی اور ہری مرچیں ڈال کر بھونیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

لکھنوی ٹماٹر گوشت

اجزاء

بکرے کا گوشت (چھوٹی بوٹیاں) : ایک کلو
ٹماٹر : سو گرام (گرائنڈ کرلیں)
لہسن، ادرک پیسٹ : دو چائے کے چمچے
پیاز (بڑی) : دوعدد
گرم پانی : تین چار کپ
نمک : حسب ذائقہ
تیل : چار کھانے کے چمچے

مصالحہ کے لیے

خشخاش : ایک چائے کا چمچہ
ثابت لال مرچیں : چھ عدد
دارچینی : ایک انچ کا ٹکڑا
لونگ : چھ عدد
ثابت سیاہ مرچیں : آٹھ دس عدد

ترکیب: پیاز کے سلائس کاٹ لیں۔ توے پر خشخاش، ثابت لال مرچیں، دار چینی، لونگ اور ثابت سیاہ مرچیں ڈالیں اور بھون کر گرائنڈ کرلیں۔ ایک سوس پین میں تیل گرم کریں۔ اس میں پیاز ڈال کر براؤن کر کے اس میں گوشت، ادرک، لہسن پیسٹ اور نمک ڈال کر بھون لیں۔ گوشت براؤن ہو جائے تو اس میں گرم پانی شامل کریں۔ ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکا کر گوشت کو گلالیں۔ تیز آنچ کر کے ڈھکن ہٹا کر پانی خشک کرلیں۔ آخر میں گوشت کے اوپر گرائنڈ کیا مصالحہ شامل کر کے بھون لیں ٹماٹر ڈال کر اتنا بھون لیں کہ تیل الگ ہو جائے۔

قیمہ ہرا دھنیا

اجزاء

قیمہ	:	آدھا کلو
پیاز	:	دو عدد (چوپ کرلیں)
ٹماٹر	:	دو عدد (چوپ کرلیں)
لہسن، ادرک پیسٹ	:	ایک چائے کا چمچہ
تیل	:	آدھا کپ
نمک	:	حسب ذائقہ
سیاہ مرچیں (کٹی ہوئی)	:	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	:	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا	:	دو گٹھی (چوپ کرلیں)
ہری مرچیں	:	چار عدد (چوپ کرلیں)
گرم مصالحہ	:	آدھا چائے کا چمچہ (موٹا کٹا ہوا)

ترکیب: ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر سنہری ہونے تک فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں قیمہ، لہسن، ادرک پیسٹ ڈال کر اتنا فرائی کریں کہ قیمے کا پانی خشک ہو جائے، ٹماٹر، دہی، نمک اور کٹی ہوئی سیاہ مرچیں شامل کریں اور ڈھکن ڈھک کر پکائیں۔

مصالحے دار مغز

اجزاء

مغز	:	ایک عدد (ثابت)
نمک	:	حسب ذائقہ
ہلدی	:	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	:	آدھا کپ
پیاز	:	ایک بڑی (کتر لیں)
ٹماٹر	:	ایک پاؤ (کتر لیں)
دھنیا	:	ایک چائے کا چمچہ (پسا ہوا)
ادرک	:	ایک چائے کا چمچہ (پسی ہوئی)
لہسن	:	ایک چائے کا چمچہ (پسا ہوا)
زیرہ	:	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ	:	دو چائے کے چمچے (پسی ہوئی)
ہرا دھنیا	:	آدھی گٹھی (باریک کٹا ہوا)
ہری مرچ	:	پانچ عدد (باریک کٹی ہوئی)

ترکیب: مغز کو تھوڑی دیر پانی میں بھگو دیں ایک ہاتھ میں لے کر احتیاط سے اچھی طرح صاف کرلیں۔ ایک دیگچی میں یہ مغز ایک کپ پانی، آدھا چائے کا چمچ نمک اور آدھا چائے کا چمچ ہلدی ڈال کر ابال لیں۔ اس کا پانی اگر بچا ہے تو نکال کر الگ کردیں اور اس کے چھ سے آٹھ ٹکڑے کاٹ لیں۔ تیل گرم کریں۔ پیاز اور زیرہ ڈال کر گولڈن ہونے سے پہلے ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں۔ نرم ہو جائے تو بقیہ سارا مصالحہ ڈال کر بھون لیں۔ آخر میں مغز کے پیس مصالحے میں رکھیں (چمچہ نہ چلائیں) اوپر دھنیا اور ہری مرچ ڈال کر پانچ سے دس منٹ ہلکی آنچ پر رکھ دیں اور پھر اتار لیں۔ مصالحے دار مغز تیار ہے۔

ساسی میٹ کباب

اجزاء

چکن + بیف قیمہ	:	ایک پاؤ
ادرک لہسن	:	ایک ایک چائے کے چھوٹے چمچے
نمک، لال مرچ	:	آدھا آدھا چائے چھوٹے چمچے

چنا دال : پون کپ
دھنیا ثابت : ایک چائے کا چمچہ

فلنگ کے اجزاء

برگر لمبے والے : دو عدد
ہرا دھنیا : چار کھانے کے بڑے چمچے
پیاز : ایک کھانے کا بڑا چمچہ
انڈا : ایک عدد
مایونیز : دو کھانے کے بڑے چمچے
مکھن : دو کھانے کے بڑے چمچے
ٹماٹر : دو عدد
کھیرا : سلائس
کیچپ : تین بڑے کھانے کے چمچے
بند گوبھی : دو بڑے کھانے کے چمچے
تیل : دو بڑے کھانے کے چمچے

ترکیب: چکن + بیف کے قیمے میں تمام اجزاء ڈال کر دال گلنے تک چولہے پر پکائیں۔ جب دال گل جائے تو قیمہ تھوڑی دیر ٹھنڈا کریں پھر باریک پیس لیں۔ اب اس قیمے میں ہرا دھنیا، پیاز، اور انڈہ ملا کر کباب بنا لیں اور تیل میں فرائی کریں۔ اب برگر کو درمیان سے کاٹیں اور اس کا آدھا پیس الگ رکھ لیں۔ کباب کو دو ٹکڑے کر کے برگر میں رکھیں اور اوپر سے کیچپ ڈال دیں اس کے ساتھ ہی ڈالیں کھیرا، ٹماٹر، بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی) اور مایونیز۔ اب اوپر برگر کا دوسرا پیس رکھ دیں۔ اس تیار ساسی میٹ کباب کو کیچپ اور سلاد کے ساتھ سرو کر کے کھانے کا لطف اٹھائیں۔

قیمہ کے کٹلس

اجزاء

قیمہ (باریک) : ایک کلو
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا) : ایک گٹھی
پیاز (باریک کٹی ہوئی) : ایک عدد
ڈبل روٹی کا چورا : ایک کپ
آلو (ابلے ہوئے) : ڈیڑھ کلو
انڈے : دو عدد
آئل : حسب ضرورت

ترکیب: سب سے پہلے آلو ابال لیں۔ جب آلو اچھی طرح گل جائیں تو ان کا چھلکا اتار کر کانٹے کے ساتھ بھرتہ بنا لیں۔ ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچ تیل ڈال کر اس میں قیمہ اور سارا مصالحہ ڈال دیں۔ جب قیمے کا پانی خشک ہو جائے تو تھوڑا سا بھون کر اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں پھر تھوڑے سے آلو لے کر اس کو پھیلا دیں اب اس میں تھوڑا تھوڑا قیمہ بھر کر کٹلس بنا لیں۔ انڈا لگا کر بریڈ کرمز لگا لیں اور ہلکی آنچ پر فرائی کریں قیمہ کے کٹلس تیار ہیں۔

مٹر قیمہ

اجزاء

مٹر (دانے) : ایک کپ
آلو : ایک عدد (بڑا)
نمک، مرچ : حسب ذائقہ
گرم مصالحہ (پاؤڈر) : ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچہ
قیمہ : آدھا کلو
ہلدی : آدھی چائے کا چمچہ
خشک دھنیا : ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر : ایک پاؤ
پیاز : ایک پاؤ
آئل : آدھا پاؤ

ترکیب: قیمے کو گھی میں بھول لیں۔ پیاز براؤن کر کے اس میں سارے مصالحے ڈال کر بھون لیں اب اس میں قیمہ اور آلو ڈال دیں۔ ذرا دیر بعد مٹر کے دانے بھی ڈال دیں۔ ڈیڑھ گلاس پانی ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب گل جائے تو چولہے سے اتار لیں۔ باؤل میں نکال کر گرم مصالحہ چھڑک کر سلاد اور دہی کے ہمراہ پیش کریں۔

......☆......

شہلا مشائق

سنگھار

سنگ مرمر سے تراشیدہ ہاتھ:

شخصیت کو خوبصورت بنانے میں دوسری چیزوں کے علاوہ ہاتھ بڑی اہمیت رکھتے ہیں کوئی خوشی کی تقریب ہو یا غم کی محفل میں سلام، دعا اور مزاج پرسی کے دوران سب سے پہلے ہاتھوں پر نظر پڑتی ہے ہاتھوں کو دیکھ کر ہی شخصیت اور عمر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے بعض ہاتھ اتنے سڈول اور خوبصورت ہوتے ہیں کہ انہیں بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے وہ اپنی خوبصورتی خود بیان کررہے ہوتے ہیں۔ بعض خواتین اپنے چہرے پر تو خاطر خواہ توجہ دیتی ہیں لیکن ان کے ہاتھ ان کی توجہ سے محروم ہوتے ہیں۔ چہرے کو تروتازہ رکھنے کے ساتھ ہاتھوں پر توجہ دینی بھی ضروری ہے کیونکہ جب آپ بولتی ہیں تو آپ کے چہرے کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی پیغام رسانی کررہے ہوتے ہیں اچھے خوبصورت اور صاف ستھرے ہاتھوں پر سجے زیور مثلاً انگوٹھی، چوڑیاں، کلائی بندے، کڑے، کنگن بھی خوبصورت سجتے ہیں اس لئے آپ اپنے چہرے کے ساتھ اپنے ہاتھوں پر بھی توجہ دیں۔

بعض خواتین کے ہاتھوں میں سیاہ لکیریں پڑی ہوتی ہیں ناخنوں کے پوروں کے درمیان میں گوشت کے ساتھ میل کی سیاہ تہہ ہوتی ہے ناخن بڑا تو لئے جاتے ہیں لیکن وہ میل سے اٹے ہوئے ہوتے ہیں ایسے ہاتھوں کو دیکھ کر کراہت محسوس ہوتی ہے۔

ہاتھوں کی بناوٹ اور ساخت اٹھائیس مختلف ہڈیوں سے وجود میں آئی ہے جسم میں دیگر حصوں کی نسبت ہاتھوں کی جلد کے نیچے بہت چکنے مادہ کو پیدا کرنے والے مواد موجود ہوتے ہیں لہٰذا انہیں مصنوعی طریقے سے چکنائی فراہم کرنی چاہئے تاکہ گھر کے کام کاج سے ہاتھوں کے قدرتی روغنیات ضائع ہوتے ہیں ان کا ازالہ کیا جاسکے کپڑے دھوتے وقت، برتن صاف کرتے وقت یا گھر کی جھاڑ پونچھ کرتے وقت دستانے استعمال کرنے چاہئیں۔ اگر دستانے استعمال نہ کریں تو پھر کام کرنے سے قبل ہاتھوں پر حفاظتی کریم لگائیں جس میں چکنائی کم ہو اس مقصد کے لئے کئی قسم کی ہینڈ کریم اور لوشن بازار میں دستیاب ہیں جن کی خوشبو اچھی ہوتی ہے ہینڈ کریم یا لوشن کی دن میں دو یا تین مرتبہ مالش کریں۔ خاص طور پر کپڑے دھونے کے بعد کریم لگائیں کیونکہ صابن یا واشنگ پاؤڈر کپڑوں کے میل کچیل کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں پیدا ہونے والے روغنیات اور چکنائی کو ختم کردیتا ہے صابن اور پاؤڈر میں پائے جانے والا کاسٹک سوڈا ہاتھوں میں ملائمت اور خوبصورتی کے لئے تباہ کن ہے۔ ہاتھ آرائش حسن کا حصہ ہوتے ہیں اس لئے ان کی بھی دیکھ بھال اتنی اہمیت کی حامل ہے جتنی آپ اپنے چہرے کی کرتی ہیں چہرے کو تو میک اپ کے ذریعے پرکشش بنایا جاسکتا ہے مگر ہاتھوں کو قابل دید بنانے کے لئے ان کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے تاکہ حسن اور صفائی کی اہمیت کا احساس

پیدا ہو۔

ہاتھوں کی دیکھ بھال:

گھریلو کام کاج کے باعث ہاتھ کھردرے ہوجاتے ہیں اس لئے ان پر کسی کریم ولوشن کا استعمال باقاعدگی سے کریں۔ لیموں یا سرکہ کا استعمال بھی ہاتھوں کو قابل دید بناتا ہے اس لئے لیموں کو باورچی خانہ میں ہر وقت رکھیں۔ اس لئے کہ لیموں کا عرق ہاتھوں کو نرم، سفید اور ناخنوں کو صاف کرتا ہے۔ استعمال شدہ لیموں کے نصف ٹکڑوں کو بھی اپنے ہاتھوں پر اور کہنیوں پر ملیں یہ عمل آپ دن میں کسی وقت بھی کرسکتی ہیں۔ شہد اور سنگترے کے عرق کو بھی اگر مساوی مقدار میں ملالیا جائے تو اس سے بھی ہاتھ نرم پڑجاتے ہیں۔

ہاتھوں کی حفاظت کے گھریلو نسخے:

چند دیسی اور گھریلو نسخے استعمال کرکے ہاتھوں کے حسن کو دوبالا کیا جاسکتا ہے یہ نسخے بہت سستے اور مفید ہیں۔

1۔ عرق لیموں اور گلیسرین ملالیں ایک چھوٹی چمچی بورک ایسڈ ڈال کر تینوں کو یک جان کرلیں اور شیشی میں بھر کر رکھ لیں۔ ہاتھ دھونے کے بعد دو تین مرتبہ استعمال کریں۔ یہ ہاتھوں کی جلد کو چکنا، نرم اور رنگ نکھانے کے لئے بے مثال ہے۔

2۔ رات کو سوتے وقت خالص بادام کے روغن سے ہاتھوں کی مالش کریں۔

3۔ عرق گلاب، عرق لیموں اور گلیسرین ملا کر ایک شیشی میں بھرلیں دن میں چار دفعہ اس کے قطرے ہاتھوں میں مل لیں۔

4۔ لیموں کے عرق اور سرکہ اگر برابر مقدار میں ملالیا جائے تو اس سے ہاتھوں کو سفید کرنے کا لوشن بن جاتا ہے۔

5۔ ایک انڈے کی سفیدی کو پھینٹیں اور اس میں تھوڑی سے پھٹکری ملائیں۔ مکسچر کو ہاتھوں، ناخنوں اور کہنیوں پر ملیں اس سے ہاتھ ناخن اور کہنیاں صاف ستھری اور نرم ہوجاتی ہیں۔

ہاتھوں پر ملنے والی کریم:

یہ کریم آپ گھر پر تیار کرسکتے ہیں جو کہ بازاری کریم سے زیادہ موثر ہوگی ایک انڈے کی زردی لیں روغن بادام کے ساتھ قطروں میں ملا کر اسے گرم کریں اس میں عرق گلاب کا ایک بڑا چمچ اور آدھا چمچ ٹنکچر بنیوزین شامل کرکے اس کا لیپ سا بنالیں اور رات کو ہاتھوں پر ملیں۔

کھردرے ہاتھوں کی کریم:

بہت زیادہ کھردرے ہاتھوں کے لئے کاربونک ایسڈ میں نصف ویسلین ملا کر لگائیں اس کو ہاتھوں پر رات کو لگائیں۔ ہاتھوں پر رات کو لگانے والا ایک دوسرا لیپ انڈے کی سفیدی کو گلیسرین کے ساتھ قطروں اور شہد کے قطروں میں ملا کر بنایا جاتا ہے۔ انہیں اچھی طرح پھینٹنے کے بعد کافی مقدار میں پسی ہوئی جوار ملالیں اور لیپ سا بنالیں۔ ناخنوں کو تراشنے سے پہلے آپ ان کو نیم گرم زیتون کے تیل میں ڈبوئیں اور اپنے ناخنوں کے اوپر والی جلد پر روزانہ رات کو ملیں۔ اگر ناخنوں کی جلد کھردری ہے تو ویسلین لگائیں۔

ناخنوں کا لوشن:

روغن بادام اور سفید آئیوڈین کو اگر برابر مقدار میں ملالیا جائے تو وہ ناخنوں کے لئے بہتر لوشن ہے سفید آیوڈین چکنی نہیں ہوتی وہ دن میں کسی بھی وقت استعمال کی جاسکتی ہے۔

ہاتھوں اور ناخنوں کے دھبے دور کرنے کا لوشن:

ہاتھوں اور ناخنوں کے دھبوں کو دور کرنے کے لئے آلو یا لیموں کے ٹکڑے کو ہاتھوں اور ناخنوں پر ملیں ناخنوں کو موم سے رگڑنے سے خون دور ہوجاتا ہے جس سے ناخنوں میں سرخی اور چمک پیدا ہوجاتی ہے اگر ارنڈی کے تیل میں سرکہ ملالیا جائے تو اس کے استعمال سے ناخنوں کی حفاظت بہتر ہوتی ہے۔☆